

جب کوئی شخص کہے کہ ”میری زمین میری اولاد اور میری نسل پر صدقہ موقوفہ ہے“  
 تو ایسا وقف جائز ہے اور اُسکی اولاد اور اولاد کی اولاد ذکور و اُنات دولون اسمین داخل  
 ہیں خواہ قریب ہوں خواہ بعید بیٹے کی اولاد ہو خواہ بیٹی کو ہو عبید ہوں یا احرار یعنی غلام ہوں یا آزاد  
 سب کے سب اُس وقف میں داخل ہیں اور سب برابر حصے پائینگے مگر غلاموں کا حصہ  
 اُنکے مالک کو ملیگا۔ اور اگر واقف کہے کہ ”میں نے یہ جائیداد اپنے لڑکے اور اپنی نسل پر  
 وقف کی“ اور اُسوقت اُسکا کوئی پوتا موجود ہو اور بعد ازاں اُسکے صلب سے کوئی لڑکا  
 پیدا ہو تو وہ دولون اُس وقف میں شریک ہونگے۔ اسی طرح سے اگر وہ کہے کہ ”میری  
 یہ زمین میری اولاد موجودہ پر اور میری نسل پر صدقہ موقوفہ ہے“ تو بعد ازاں جو لڑکا اُسکے  
 یہاں پیدا ہو گا وہ لفظ نسل میں داخل ہونے کی وجہ سے اُس وقف میں شریک  
 ہو جائیگا۔ اگر واقف نے یہ کہا ہو کہ ”میری اولاد موجودہ اور اُنکی نسل پر“ تو اُسکی  
 اولاد موجودہ اور اُنکی نسل داخل وقف ہوگی خواہ وہ نسل موجود ہو خواہ نہ ہو مگر جو اولاد  
 اُسکی اُسوقت موجود نہ ہو وہ اور اُسکی نسل داخل وقف نہ ہوگی۔ اسی طرح سے اگر  
 اُسے کہا ہو کہ ”میری اولاد موجودہ پر اور اُنکی اولاد اور اولاد کی اولاد پر“  
 اور بعد ازاں اُسکے صلب سے کوئی لڑکا پیدا ہو تو وہ لڑکا وقف میں نہ داخل  
 ہوگا۔ اور اگر وہ کہے کہ ”میری اولاد موجودہ پر اور اُنکی اولاد اور اولاد کی  
 اولاد پر اور اُنکی نسل پر“ تو اُسکی اولاد موجودہ اور اولاد کی اولاد اور جب تک  
 اُنکی نسل باقی رہیگی وہ سب اس وقف میں داخل ہونگے۔ لیکن اگر وہ کہے کہ ”  
 میری اولاد موجودہ پر اور اُنکی اولاد کی اولاد پر“ اور کچھ اور نہ کہے تو اولاد کی اولاد  
 کو کچھ نہ ملیگا۔

جب کوئی شخص بحالت صحت نفس کہے کہ ”میں نے اپنی یہ زمین اللہ تعالیٰ کی  
 راہ میں اپنی اولاد پر اور اُسکی اولاد اور اُسکی اولاد اور اُنکی نسل پر دو امانتیں



انین سے کوئی باقی رہے وقت کی۔ تو جو اولاد اسکے وقت کرنے کے وقت موجود ہو اور جو اولاد  
اسکو قبل وجود آمدنی وقت کے پیدا ہوئی ہو اور اس اولاد کی اولاد دواگاس وقت کی  
آمدنی سے منتفع ہوگی۔ اور اگر انین سے کوئی قبل وجود آمدنی وقت مر جائے تو اس شخص کا  
حصہ ساقط ہو جائیگا لیکن اگر بعد وجود آمدنی وقت انین سے کوئی مر گیا ہو تو شخص متوفی کو  
اپنے حصہ میں ایک حق حاصل ہو جائیگا جو اسکے ورثہ کو ملیگا اور قریب اور بعید نسل کے  
لوگوں کو برابر ملیگا الا اینکه واقف نے کہدیا ہو کہ نسل عالی سے ابتدا کی جائے اسکے بعد نسل سافل  
کو دیا جائے۔ اس صورت میں اگر نسل عالی کے سب لوگ سوائے ایک شخص کے مر جائیں  
تو کل اسی اکیلے کو ملیگا اور نسل سافل والوں کو کچھ نہ ملیگا۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میرے  
لڑکے پر اور اسکے لڑکے پر دواگاس تک کوئی نسل میں باقی رہے اور بطناً بعد بطن لفظ  
نہ کہے بلکہ اتنا اور کہے کہ جب کوئی انین سے مر جائے تو اس کا حصہ وقت کی آمدنی میں  
اسکی اولاد کو ملے۔ تو انین سے کسی کے مرنے کے قبل وقت کی آمدنی سب اولاد پر اور  
اولاد کی اولاد پر اور انکی نسل میں برابر تقسیم ہوگی اور اگر انین سے کوئی مر جائے اور  
ایک اولاد چھوڑ جائے تو متوفی کا حصہ اسکی اولاد کو ملیگا۔ اور اسکو اپنے باپ کا حصہ  
علاوہ اس حصہ کے ملیگا جو اسکے لیے واقف نے مقرر کیا ہے۔

جب کوئی شخص اپنی اولاد پر اس نہایت سے زمین وقف کرے کہ آخر کو اس زمین کی  
آمدنی غریبار کو دی جائے اور اسکی اولاد میں سے کچھ لوگ مر جائیں تو ہلال کے نزدیک انکے  
حصص ان اشخاص کو ملیں گے جو زندہ رہ گئے ہین اور اگر وہ سب مر جائیں تو وقف کی آمدنی  
غریبار کو دی جائیگی اور واقف کی اولاد کی اولاد کو نہ دی جائیگی۔ لیکن اگر واقف نے اپنی اولاد کا  
نام بنام وقف کیا ہو یعنی یہ کہا ہو کہ "فلان اور فلان اور فلان" پر وقف کیا گیا اور  
آخر کو غریبار پر اور انین سے ایک شخص مر جائے تو اس کا حصہ غریبار کو دیا جائیگا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ "یہ میری زمین میرے مرنے کے بعد میری اولاد پر اور اولاد کی



اولاد پر اور انکی نسل پر صدقہ موقوف ہے اور یہ کم کر جائے تو یہ وقف اسکی اولاد صلبی پر نہ جائز ہوگا مگر اسکی اولاد کی اولاد پر درست ہوگا۔ لیکن جب تک اسکی اولاد صلبی میں سے کوئی زندہ رہیگا وقف کی آمدنی ہر سال موقوف علیہم کی تعداد کے موافق تقسیم کی جائیگی اور اولاد کی اولاد کے حصہ میں جو کچھ آئیگا وہ وقف ہو جائیگا اور جو کچھ اولاد صلبی کے حصہ میں آئیگا وہ متروکہ میں داخل ہو کر سب ورثہ پر تقسیم ہوگا یعنی شوہر اور زوجہ وغیرہ سب کو اس میں حصہ ملیگا۔ اگر اسی حال میں واقف کی اولاد صلبی میں سے کوئی مر جائے تو وقف کی آمدنی اولاد کی اولاد اور اولاد صلبی میں سے جو زندہ ہوں انکی تعداد کے موافق تقسیم کی جائیگی اور جو کچھ اولاد صلبی کے حصہ میں آئیگا وہ ان سب ورثہ پر تقسیم ہو جائیگا جو واقف کی وفات کے وقت زندہ تھے خواہ اب زندہ ہوں خواہ مر گئے ہوں۔ ہلال نے اپنی کتاب الوقف میں فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بعض اولاد پر وقف کر کے کہے کہ یہ وقف میری زندگی میں اور میرے مرنے کے بعد بھی باقی رہیگا تو قول اصح یہی ہے کہ یہ وقف میرے مرنے کے بعد لفظ سے کسی وارث کو وصیت نہ سمجھی جائیگی بلکہ دوام و استمرار وقف مفہوم ہوگا۔

جب کوئی وقف زید اور اسکی اولاد پر اور انکے مرنے کے بعد غریب پر کیا جائے اور زید کہے کہ یہ وقف عمر و اور فقرا پر کیا گیا تھا تو اسکا یہ قول اسکی اولاد یا غریب کے حقوق میں مغل نہ ہوگا۔ بلکہ اس وقف کی آمدنی زید پر اور اسکی اولاد موجودہ پر برا تقسیم کر دی جائیگی اور زید کا نصف حصہ عمر و کو دیا جائیگا۔ اور اگر عمر و زید کے پیشتر مر جائے تو اسکا حصہ غریب کو ملیگا لیکن اگر زید عمر و کے پیشتر مر جائے تو اسکا حق وقف کی آمدنی میں زائل ہو جائے گا۔

اگر وقف زید پر اور فقرا پر کیا گیا ہو اور زید کہے کہ یہ وقف مجھ پر نہیں بلکہ عمر و پر

۱۵ یہ سب اصول فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶ سے لیے گئے ہیں ۱۲ منہ۔



کیا گیا تھا تو اس صورت میں اُس وقف کی آمدنی زید اور عمرو میں برابر تقسیم کی جائیگی اور جب زید مر جائیگا تو کل آمدنی غرباء کو ملیگی۔ اگر عمرو زید کی حیات میں مر جائے تو زید کا نصف حصہ فقراء کو دیا جائیگا اور جب زید نے اپنے تئیں صرف آمدنی کا مستحق کیا ہو اور نصف کا مستحق عمرو کو ٹھہرایا ہو تو اس صورت میں فقط عمرو کا نصف غرباء کو ملیگا۔

اگر کوئی شخص متولی مقرر کیا گیا ہو اور وہ اپنے بدلے دوسرے کو متولی قرار دے تو یہ دوسرا شخص اُس شخص کی حیات میں صرف ایک حصہ آمدنی وقف پانے کا مستحق ہوگا اور جب وہ شخص جسے دوسرے کی تولیت کا اقرار کیا ہے مر جائے تو اُسکے اقرار کا اثر جاتا رہیگا اور تولیت مع اپنے تمام لوازم کے اُس شخص کو ملیگی جسکو واقف نے مقرر کیا ہے۔

حق اہ وقف کا دوسرے کو اپنا عوضی نہیں مقرر کر سکتا البتہ دوسرے کو اپنا وظیفہ لیے کے یہ مقرر کر سکتا ہے۔

جب وقف نامہ میں دو متضاد شرطیں لکھی ہوں تو خفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ مابعد کی شرط ماقبل کی شرط کی ناسخ قرار پا کر نافذ کی جائیگی۔

عصاف میں اسکی مثالیں لکھی ہیں کہ جب وقف نامہ میں دو متضاد شرطیں درج ہوں تو شرط دوم بہ ترجیح شرط اول نافذ کی جائیگی۔ ایک مثال یہ ہے کہ اگر وقف نامہ کی ابتدا میں واقف نے لکھا ہو کہ دو مال وقف بیع اور ہبہ نہ کیا جائیگا نہ کسی کی ملک ہوگا اور بعد اسکے لکھا ہو کہ دو متولی کو جائز ہوگا کہ اس جائداد کو فروخت کر کے

۱۵ عصاف علامہ برہان الدین ابراہیم طرابلسی کی کتاب کا نام ہے جنکے بارے میں مولانا محمد امین صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں کہ اگر بمقتضی حوائج دنیاوی کسی شخص کو احکام وقف دیکھنے کی ضرورت ہو تو اُسکو چاہئے کہ عصاف کو ملاحظہ کرے کہ سب سے زیادہ معتبر کتاب وقف میں ہے۔ ۱۲ منہ۔



محاصل بیع سے اور جائیداد خرید کر اصل وقف کے مقام پر قائم کرے۔ تو اس صورت میں شرط دوم شرط اول کی ناسخ ہوگی اور مال وقف کی بیع جائز ہو جائیگی۔ یا اگر وقف نے پہلے لکھا ہو کہ متولی مال وقف کو بچکر کوئی اور چیز خرید لے اور بعد ازان لکھا ہو کہ مال وقف بیع یا ہبہ نہ کیا جائے تو وہ مال نہ فروخت کیا جائیگا۔ مگر جب دو شرطیں متضاد نہ ہوں اور دونوں کو نافذ کرنا ممکن ہو تو دونوں کی تحصیل واجب ہوگی اس واسطے کہ واقف کے شرائط بمنزلہ نص کے ہیں۔ جب عام شرائط کے بعد جزئیات کی تفصیل وقف نامہ میں لکھی ہو تو حنفیہ کے نزدیک یہ تفصیل سب سے آخری شرط سے متعلق سمجھی جائیگی الا اینکه وقف نامہ کی عبارت سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہو۔ مگر شافعیہ کے نزدیک وہ تفصیل کل شرائط وقف نامہ سے متعلق ہوگی اگر اس کا تعلق ان شرائط سے بذریعہ واو عاطفہ (اور) ہو لیکن صرف آخری شرط سے متعلق ہوگی اگر اس کا تعلق ماقبل سے بذریعہ لفظ ثم (تو) یا بعد ازان (ہو)۔

جب واقف نے بحالت صحت نفس وقف کر کے کہا ہو کہ یہ وقف میری اولاد پر موافق فرائض اللہ کے تقسیم کیا جائے تو اسکی تقسیم سب حقداروں پر بلا امتیاز ذکور و اناث علی السوۃ کی جائیگی۔

جب وقف برادران علاقہ اور برادران اخیانی پر کیا گیا ہو تو وہ سب برابر پائینگے۔

جب وقف لڑکوں پر کیا گیا ہو تو اسکی آمدنی ان سب پر برابر تقسیم کی جائیگی۔ یہ قول امام ابو یوسف کا ہے اور اسی کے موافق فتویٰ ہے۔ وقف نامہ میں ایسی شرط لکھنا مکروہ ہے جس سے ایک بیٹے کو دوسرے سے زیادہ ملے یا بیٹوں کو بیٹیوں سے زیادہ ملے جیسے ہبہ میں ایسا فرق رکھنا مکروہ ہے۔ سب مشاہیر علماء (حنفیہ) کا یہی قول ہے اور شیخ نور الدین مقدسی مفتی القاہرہ دار الخلافہ مصر نے اور شیخ الاسلام



محمد الطحاوی مفتی شافعی مصر نے اسی قول کے موافق فصل خصومات کیا ہے کہ جب واقف ایک فرقہ پر وقف کرے تو اُس فرقہ کے سب اشخاص کو اُس میں برابر حصہ ملیگا خواہ وہ سب مرد یا عورتیں ہوں خواہ نہ ہوں اور خواہ اُنکے اصول میں اختلاف ہو خواہ نہ ہو یعنی جب وقف بھائیوں پر کیا گیا ہو تو برادرانِ علاقہ اور برادرانِ اخیا فی برابر حصہ پائیں گے اور احکام میراث کے موافق نہ پائیں گے۔ اسی طرح سے جب کوئی شخص کہے کہ اگر میں لا ولد مر جاؤں تو اس وقف سے میرے وہ اقرباء منتفع ہوں جو قرابت میں مجھ سے اقرب ہوں اور اپنے مرنے کے بعد وہ صرف ایک چچا زاد بھائی اور دو چچا زاد بہنیں چھوڑ جائے تو اُس چچا زاد بھائی اور اُن چچا زاد بہنوں کو وقف کی آمدنی میں برابر حصے ملیں گے۔ پس فرائض اللہ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ موقوف علیہم کو سہام شرعیہ موافق احکام میراث دیے جائیں بلکہ اس سے اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ یہہ میں کسی کو ترجیح نہ دیجائے بلکہ سب موہوب لہم کو برابر دیا جائے۔

اس مقام پر یہ عرض کرنا مناسب ہے کہ بعض اہل اسلام نے زبان انگریزی میں وقف نامے لکھے ہیں اور ایسے الفاظ لکھ کر دے یا وجود ہونے کسی حکم شرع محمدی کے۔ اپنے وقف کو شرع محمدی کے اثر سے خارج کرنا چاہا ہے۔ ظاہر یہ فقرہ میسور کے وقف نامہ سے لیا گیا ہے جس میں گورنمنٹ ہند نے بعض متولیوں کو تعداد کثیر کے قطعات نوٹ دیے تھے کہ اہل خاندان شاہی میسور کے لیے بصیغہ امانت رکھیں۔ اور اُس وقف نامہ میں گورنمنٹ نے یہ لکھا تھا کہ دوسرے اشخاص کے مرنے کے وقت یا مرنے کے بعد سے (جس پر وہ وقف ابتداء کیا گیا تھا) بشرطیکہ وہ مرد یا وہ عورت اولاد حلال رکھتی ہو اور یہ نوٹ اُس مرد یا اُس عورت کے پاس نام ہو تو یہ اُس بیوہ یا بیوگان کے نام اور اُنکی اولاد کے نام جو بروقت وفات شخص متوفی کے زندہ ہوں باقی رہیں گے اور ایک بیوہ بالائے افراد یا بیوگان بالجموع آٹھواں حصہ پائیں گے اور اولاد ذکور اناث کا دو چہرہ



حصہ پائینگے اور اڑکے اپنے والدین کے قائم مقام ہونگے اور اُنکے حصص واقعی یا قیاسی پائینگے باوجود ہونے کسی حکم شرع محمدی کے۔“

مقدمہ مذکورہ بالا میں گورنمنٹ بحیثیت واقف یا معطی غالباً اسکی مستحق تھی کہ کوئی شرط درباب اُس طریقہ کے مقرر کرے جس طریقہ سے اصل موقوف علیہم یا عطیہ داروں کے مرنے کے بعد عطیہ سرکاری تقسیم کیا جائیگا۔ جب کوئی مسلمان اسی قسم کا عطیہ عمل میں لائے تو اُسکو وقف تصور کرنا چاہیے۔ مگر اس سے صرف ایک حق مادام الحیات اُس شخص کو حاصل ہوتا ہے جسکا نام پہلے لیا گیا ہے اور باقی اُسکی اولاد کو جو اُسکے مرنے کے وقت زندہ ہوں ملتا ہے (اصل موقوف علیہ یا عطیہ دار مرد ہو خواہ عورت)۔ شرع حقی کے بموجب ایسی حقیقت کا نفاذ یوں ہوگا کہ عطیہ دار اول کو حق وراثت حاصل ہو جائیگا اور صرف اس امر سے کہ اُس عطیہ کا اختیار متولیوں کو تفویض کیا گیا ہے اسکی حقیقت میں کچھ فرق نہ پڑیگا۔ مذہب شیعہ کے موافق اصل معطی ایک حق مادام الحیات پائینگا اور جو اولاد اُسکی وفات کے وقت موجود ہوگی اُسکو حق وراثت حاصل ہوگا۔ پس سوال یہ ہے کہ آیا ان دونوں صورتوں میں معطی شرع محمدی کے قانون میراث میں تغیر و تبدل کر سکتا ہے؟ پر دی کو نسل نے جو فیصلہ بمقدمہ ٹگور بنام ٹگور صادر کیا ہے وہ اسی مسئلہ سے متعلق ہے۔ حکام پر دی کو نسل اس فیصلہ میں فرماتے ہیں کہ جو جائداد حاصل ہو چکی ہو اُسکو جہد کرنے کا ایسا اختیار جس سے اُسی جائداد کو دوسرے شخص کو عطا کرنے کی قدرت ہو جائے صرف بذریعہ توریث یا انتقال شرعی نافذ کر سکتا ہے۔ توریث کسی مالک جائداد کی مرضی پر نہیں موقوف ہے مگر انتقال اُسکی مرضی پر موقوف ہے توریث وہ قاعدہ ہے جسکو حاکم وقت

۱۵ لارپورٹ بنگالہ صفحہ ۳۷۶ و ۳۹۴ جلد ۹۔ اور انڈین لارپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۸۔ صفحہ ۱  
بمقدمہ نواب امجد علی خان بنام محمدی بیگم بہہ اُس شخص پر ہوا تھا جو زندہ تھا۔ اشیاء غیر موجودہ کا عطیہ  
صرف بطور وقف ہو سکتا ہے۔ ۱۲ منہ



نے مقرر کر دیا ہے یا (در صورت رواج کے) تسلیم کر لیا ہے نہ صرف اس غرض سے کہ اشخاص کو فائدہ پہنچے بلکہ مصالح عامہ کی وجہ سے (دیکھو دوسٹ صاحب کے اصول قانون صفحہ ۲۴۱۳)۔ پس اس سے صریحاً لازم آتا ہے کہ جو شخص بذریعہ ہبہ یا وصیت یہ کوشش کرے کہ سوائے اس طریقہ کے جو قانون یا شرع میں مقرر کیا گیا ہے اور کسی طریقہ سے جائیداد کو قابل وراثت کر دے وہ قانون بنانے کی جرأت کرتا ہے اور وہ ہبہ ضرور باطل ہوگا اور قاعدہ میراث حسب منشاء قانون یا شرع ضرور جاری ہوگا۔ اس اصول کو ٹرنر صاحب چیف جسٹس نے مقدمہ سواجی منی داسی بنام دینوبندھو ملک خوب بیان کیا ہے کہ "آدمی اپنی رائے کے موافق یا اپنے نزدیک مصلحت سمجھ کر کوئی نئی قسم کا حق نہیں ایجاد کر سکتا ہے نہ اس ترتیب وراثت و جانشینی کو بدل سکتا ہے جو قانون میں قرار دی گئی ہے۔"

جب کوئی شخص زید کی اولاد پر وقف کرے مگر ان بیٹوں کو مستثنیٰ کر دے جو کہین بیردجات میں رہتے ہوں اور بعد از ان زید کے چند بیٹے اس ملک یا اس شہر سے کہین باہر چلے جائیں تو ان کا حق جاتا رہیگا اور ان کی مراجعت کے بعد بھی نہ ملیگا۔ اسی طرح سے جب وقف زید کے ان بیٹوں پر کیا گیا ہو جو تحصیل علم میں مشغول ہوں اور انہیں سے بعض پڑھنا چھوڑ دیں تو ان کا حق بالکل جاتا رہیگا اور اگر وہ پھر تحصیل علم شروع کریں گے تب بھی نہ ملیگا الا اینکه ان دونوں صورتوں میں واقف نے کہا ہو کہ جب وہ اپنے وطن میں پھر آئیں گے یا پھر تحصیل علم کرنے لگیں گے تو اپنا حق اس وقف میں پھر پائیں گے جو شخص اس وقف میں جو واقف نے اپنے اقرباء محتاج پر کیا ہو حقیقت کا مدعی اس وجہ سے ہو کہ وہ بھی ایک مفلس عزیز واقف کا ہے تو اس کو اپنا حق ثابت کرنا واجب ہے

۱۵۔ مورس انڈین ایپلیس جلد ۶ صفحہ ۵۵۵-۱۲ منہ۔ ۱۶۔ لفظ اقرباء میں زوجہ داخل نہیں ہے۔

مقدمہ ایڈووکیٹ جنرل بنام فاطمہ بیگم۔ لارپورٹ بمبئی جلد ۹ صفحہ ۱۷-۱۲ منہ۔



یعنی اول تو اسکو اپنا قرابت دار ہونا اور دوسرے محتاج ہونا ثابت کرنا چاہیے۔ وہ متولی سے اپنے حق کی تصدیق نہیں کر سکتا۔

جس اصول کے بموجب وہ لوگ جو کسی مقام خاص سے چلے جائیں منفعت وقف میں شرکت سے محروم ہو جاتے ہیں ایسی صورت میں نہیں جاری ہو سکتا جیسی بیج ذیل ہے۔ ایک آدمی نے اپنے قرابت داران محتاج ساکنان بغداد پر وقف کیا اور انہیں سے بعض کو فہ میں جا کر رہنے لگے اور چند روز کے بعد پھر بغداد میں چلے آئے تو بعد مرحت وہ اپنا حق منفعت وقف میں پھر پائینگے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ انکی حالت کا لحاظ اسوقت کرنا چاہیے جسوقت تقسیم شروع ہو کیونکہ انکی مفلسی تو انکے حق کی بنیاد ہے اور واقف کا مقصد محتاجوں کی اعانت کرنا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی اولاد پر وقف کرے اور جب متولی انہیں وقف کی آمدنی تقسیم کر چکے تو ایک اور شخص اپنا حق واقف کی اولاد میں سے کسی کے حصہ میں ثابت کر دے تو وہ شخص اپنا حصہ لے لینے کا مستحق ہو گا بشرطیکہ متولی نے بلا منظوری قاضی تقسیم کی ہو۔ اس صورت میں متولی کی کیفیت مثل اس وصی کے ہوگی جو موصی کے بعض قرضخواہوں کا قرضہ ادا کرنے کے بعد باقی جائیداد غریبوں پر تقسیم کر دے اور بعد ازاں ایک اور قرضخواہ پیدا ہو کر اپنا قرضہ ثابت کر دے تو وہ وصی پر اپنے قرضہ کی نالش کر سکتا ہے۔

جب کوئی شخص اپنے بیٹوں پر یا اپنی اولاد پر وقف کرے اور اسکی ایک ہی اولاد ہو بیٹا ہو خواہ بیٹی تو وہ نصف وقف پائیگا یا پائیگی اور باقی غریبوں کو ملیگا لیکن اگر اسنے کہا ہو کہ یہ وقف میرے بیٹے یا میری ایک اولاد پر ہے تو کل آمدنی اسی ایک اولاد کو ملیگی۔

اس مسئلہ میں یہ یاد رکھنا ضرور ہے کہ موقوف علیہ کا دار و مدار رسم و رواج یا عرف پر ہے۔ پس اگر کوئی شخص اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد پر اس نیت سے وقف کرے کہ انہیں سے جو کوئی زندہ رہے وہ کل آمدنی وقف کی پائیگا تو کل آمدنی اسکی اولاد کو ملیگی



گو ایک ہی اولاد زندہ ہو۔

جب کوئی شخص اپنے اہل بیت پر وقف کرے تو ہر شخص جو اُس سے بزرگون کے ذریعہ سے قرابت رکھتا ہے گو کیسی ہی قرابت بعیدہ رکھتا ہو بشرطیکہ وہ بزرگ مسلمان ہوں اُس وقف کا مستحق ہوگا اور جو کچھ امتیاز مذہب یا ذکر و اثاث یا نوعیت قرابت کا نہ کیا جائیگا۔ اس امر میں مسلم اور غیر مسلم مرد اور عورت محرم اور غیر محرم قریب اور بعید سب برابر ہیں۔ مگر سب سے دور کا جد یا بزرگ اسمین داخل نہیں ہے۔ البتہ واقف کی اولاد اور والدین اسمین داخل ہیں لیکن اُسکے نواسے اور نواسیان اور بھانجے اور بھانجیان اور انکے سواے اور قرابت داران اثاث کی اولاد بھی اسمین داخل نہیں ہے الا وہ عورتیں جنکا عقد واقف کے بھتیجوں کے ساتھ ہو گیا ہوئے علامہ سرخسی نے اپنی شرح سیر کبیر میں لکھا ہے کہ جب لفظ اہلبیت وقف نامہ یا وصیت نامہ میں لکھا ہو تو اسکے معنی واقف یا موصی کے ارادہ کے موافق سمجھنے چاہئیں۔ اگر بیت سے اسکی مراد مکان سکون ہے تو اہلبیت سے مراد وہ لوگ ہونگے جو اُسکے گھر میں رہتے ہوں اور اُس سے نفقہ پاتے ہوں گو وہ اُسکے اقربا نہ ہوں۔ اور اگر بیت سے اُسکی مراد نسب ہے تو اُسکے اہلبیت اُسکے باپ کی سب اولاد ہے۔ مگر امام علی السغدی کا قول یہ ہے کہ اگر وہ شخص بیت یعنی خاندان یا قبیلہ نسب شعی مثل عربوں کے رکھتا ہو تو لفظ اہل بیت سے اُسکے بزرگون کی اولاد مراد ہے گو وہ اُسکے عیال و اطفال کے ساتھ نہ رہتے ہوں۔ لیکن اگر وہ بیت یا خاندان نسب نہ رکھتا ہو تو اُسکے اہل بیت صرف وہی لوگ ہیں جو اُسکی عیال کے ساتھ رہتے ہوں اور اُسکی روٹی کھاتے ہوں اور لوگ نہیں ہیں گو وہ اُسکے قرابت دار ہوں اور اصح و احوط یہی ہے کہ جب اہلبیت پر وقف کیا جائے تو جو اہلبیت زندہ ہوں وہ اسمین داخل ہیں اور جو بعد از ان پیدا ہوں یعنی انکی اولاد اور اولاد کی اولاد وہ بھی اسمین داخل ہیں۔“



جب واقف لفظ آل یا جنس استعمال کرے تو یہ بھی اہلیت کے معنی رکھتا ہے اور اسمین کچھ  
غبار کی تخصیص نہیں ہے تا وقتیکہ وقف بالتخصیص انھیں پر نہ کیا گیا ہو۔ یہ فقرہ دو انہیں سے  
غبار بمنزلہ اسکے ہے کہ جو لوگ انہیں سے غریب ہو جائیں۔ لہذا وقف کی آمدنی اس شخص  
کو دیا جائیگی جو اس وقت غریب ہو گا اس سے پیشتر وہ امیر رہا ہو اور ان اشخاص پر حصہ  
نہ ہوگی جو امیر تھے مگر اب غریب ہو گئے ہوں۔ اگر کوئی عورت اپنے اہلیت یا اپنے جنس پر  
وقف کرے تو اسکی مان اور اولاد اسمین نہ داخل ہوگی۔

اگر کوئی شخص کے "عبداللہ" کے اہل پر تو امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک یہ وقف خاص  
عبداللہ کی زوجہ پر ہوگا۔ مگر ہلال نے فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک احسن ہے کہ اس وقف  
میں سب آزاد لوگ عبداللہ کے خاندان کے جو اسکے ساتھ اسکے مکان میں رہتے ہوں  
داخل سمجھے جائیں اور احوط یہی ہے۔ مگر اسمین غلام اور خود عبداللہ اور اسکے اہل خاندان  
جو دوسرے مکان میں رہتے ہوں نہیں داخل ہیں۔

عیال میں ہر شخص داخل ہے جسکو واقف نفقہ دیتا ہو خواہ اسکے گھر میں رہتا ہو  
خواہ نہ رہتا ہو اور ختم عیال کا مراد لغت میں معنی ہے۔ اور عقب سے مراد وہ سب  
اشخاص ہیں جو واقف کے اقربا پداری میں سے ہوں اور اسمین بیٹیوں کی اولاد نہیں  
داخل ہے سوائے ان عورتوں کے جنکے شوہر واقف کے اقربا پداری میں سے ہوں۔  
پس اگر کوئی شخص زید اور اسکے عقب پر وقف کرے اور خود زید زندہ ہو اور صاحب  
اولاد ہو تو اسکی اولاد کو کچھ نہ ملیگا اسواسطے کہ آدمی کی اولاد کو اسکا عقب نہیں کہہ سکتے  
مگر اسکے مرنے کے بعد۔

فتاویٰ عالمگیری میں احکام ذیل در باب تقسیم آمدنی وقف لکھے ہیں۔

اول۔ وقف کی آمدنی پہلے واقف کے غریب رشتہ داروں کے صرف میں لائی جائے

۱۔ یہ مسئلہ فتاویٰ عالمگیری سے لیا گیا ہے اور اسکے وجوہ آگے چلکر لکھے جائینگے۔ ۱۲۔ منہ



اور جو کچھ انکو دیکر باقی رہے صرف وہی غیر ون کو دیا جائے۔

دوم۔ اُس روز کے افلاس کا نہ لحاظ کیا جائے جس روز وقف کی آمد فی ہوائی تھی بلکہ اُس روز کے افلاس کا لحاظ کیا جائے جس روز وہ آمد فی تقسیم کی جائے۔

سوم۔ جو لوگ واقف سے قرابت میں اقرب ہوں انکو پہلے دیا جائے اور اُنکے بعد بعید القرابت اشخاص کو دیا جائے یعنی واقف کی اولاد صلیبی مقدم رکھی جائے اُسکے بعد اولاد کی اولاد یعنی اُسکی تیسری پشت کے لوگ بعد اُسکے چوتھی پشت والے اور اُسکے بعد کی پشتوں کے لوگ۔ اگر انہیں سے کوئی نہ باقی رہا ہو یا ان سب کو دیکر کچھ باقی رہے تو وہ بعید القرابت رشتہ داروں کو دیا جائے اور انہیں بھی اقرب سے ابتدا کی جائے۔

چہارم۔ جس شخص کو وقف میں حصہ دیا جائے اُسکو دوسے درہم سے کچھ کم دیا جائے یعنی جب وقف غریب پر عموماً کیا گیا ہو اور بعض دوسے الارحام واقف کے مفلس ہوں تب ایسا کیا جائے۔ لیکن اگر وقف کسی شخص کے محتاج رشتہ داروں پر کیا گیا ہو تو کل آمد فی اُسکی انہیں تقسیم کی جائے گوانکا حصہ دوسے درہم سے زائد ہو۔

جب واقف نے وقف کی آمد فی قرضداروں یا مسافروں کے لیے یا فی سبیل اللہ حاجیوں زائرین کے لیے مقرر کی ہو اور اُسکی اولاد اور دوسے الارحام میں سے کچھ لوگ غریب و محتاج ہو جائیں تو اُس وقف کا کوئی جزر انکو نہ دیا جائے تا وقتیکہ وہ اولاد یا وہ رشتہ دار قرضدار یا مسافر وغیرہ نہ ہو تب انہیں سے ابتدا کی جائے۔

علامہ بلخ کے نزدیک وقف عدول کی شہادت سے ثابت ہو سکتا ہے اور اگر وقف سب میں مشہور و معروف ہو گیا ہو تو گواہوں کی گواہی سے ثابت ہو سکتا ہے یا اُس شخص کی شہادت سے ثابت ہو سکتا ہے جسے مقاصد وقف میں مال وقف صرف کیا ہو۔

۱۔ فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۴۷۵۔ بلی صاحب کی شرح حنفی صفحہ ۵۹۴۔ طبع دوم۔ ۱۲ منہ ۱۵

۲۔ فتاویٰ قاضی خان ۱۲ منہ ۱۵ جیسے عمر ابن العاص نے وقف کیا تھا ۱۲ منہ۔



وقف کا تحریری ہونا یا مال وقف کسی کو حوالہ کر دینا کچھ ضرور نہیں ہے۔ وقف کے ارادہ کا گواہوں کے سامنے صرف زبانی ظاہر کر دینا کافی ہے۔ اگرچہ گواہان وقف کے اظہارات بہم و مشکوک ہوں تاہم اگر ان کے مصدق و موید واقعات موجود ہوں تو ان کی شہادت شرعاً کافی ہے۔

وقف اُس جائداد کا جسکی کیفیت وقف نامہ میں غلط لکھی ہو جائز ہے بشرطیکہ جس چیز کو وقف کرنا مقصود تھا وہ بخوبی ظاہر ہو۔ لیکن اگر وقف نامہ میں مال وقف کی تفصیل ایسی مشتبہ اور مشکوک ہو کہ یہ قیاس کرنا غیر ممکن ہو کہ کیا چیز وقف کرنی منظور تھی تو وہ وقف نافذ نہ ہوگا۔ اگر کوئی شخص وقف کر کے وقف نامہ لکھ دے اور بعد ازاں کہے کہ میں نہیں جانتا اس میں کیا لکھا ہے اور میرا ارادہ وقف قطعی کرنے کا نہ تھا یا میں چاہتا تھا کہ اس میں ایسی شرط درج کی جائے جس سے مجھے عند الضرورت اس جائداد کو بیچ ڈالنے کا اختیار باقی رہے پس اس صورت میں اگر گواہوں کی شہادت سے یہ ثابت ہو جائے کہ وقف نامہ واقع کے سامنے پڑھا گیا تھا اور اُس کو خوب سمجھا دیا گیا تھا اور وہ اُس کا مطلب خوب سمجھ گیا تھا تو اُس کا انکار مفید نہ ہوگا۔ یہ اصول صرف وقف سے متعلق نہیں ہے بلکہ سب معاملات میں جاری ہو سکتا ہے۔

ایک شخص چاہتا ہے کہ اپنی سب اراضی جو کسی موضع خاص میں ہے وقف کرے اور اپنے مرنے کے وقت اُس کا وقف نامہ لکھنے کی ہدایت کرے۔ مگر کاتب وقف نامہ کچھ قطعات اراضی سہو آفر و گداشت کرے۔ پس جب وہ وقف نامہ واقع کو پڑھ کر سنایا جائے

۱۔ مقدمہ جان بی بی بنام عبداللہ حجام فلتن صاحب کی رپورٹ صفحہ ۳۴۵۔ جلد ۱۔ سروپ نرائن سنگھ بنام علی بخش خان بی بی صاحب کی رپورٹ جلد ۲ صفحہ ۴۱۵۔ ۱۲ منہ ۱۵ مقدمہ ابوالحسن بنام حاجی محمد سیح کر بلانی۔ سلکٹ رپورٹ جلد ۵ صفحہ ۸۷۔ ۱۲ منہ ۱۵ وہ ذالانختص بالوقف بل البیعم و سائر النصرفات تکنون ذلک فتاواے قاضی خان صفحہ ۳۲۶۔ ۱۲ منہ۔



اگر اس وقت واقف نے اُن قطعات اراضی پر توجہ نہ کی ہو جو سہواً فرو گذاشت کیے گئے ہیں مگر وہ کہہ دے کہ میں نے سب کچھ جو اس موضع میں ہے وقف کیا تو فقیہ ابو نصر کے نزدیک یہ وقف اُن سب قطعات اراضی میں نافذ ہوگا۔ یہی اصول اُس وقف سے بھی متعلق ہے جو بحالت صحت نفس کیا گیا ہو۔ اس امر کا تصفیہ کرنے میں کہ کیا چیز وقف ہے اور کیا چیز وقف نہیں ہے جس بات کا لحاظ کرنا پر ضرور ہے وہ واقف کا ارادہ ہے۔

ایک عورت اپنے عہسایوں سے کہے کہ میرا مکان مسجد پر اس شرط سے وقف کر دو کہ جب مجھ کو ضرورت ہوگی اسکو میں اپنے ذاتی مقاصد کے لیے بیچ ڈالوں گی اور وقف نامہ لکھا جائے مگر اُس میں یہ شرط نہ درج کی جائے تو فقیہ ابو جعفر نے فرمایا ہے کہ اگر وہ وقف نامہ اُس عورت کو پڑھ کر سنا دیا گیا تھا اور وہ اُسکا مطلب سمجھ گئی تھی اور پھر اُس نے اُس وقف کو منظور کر لیا تھا تو وہ وقف جائز ہوگا۔ لیکن اگر وقف نامہ سنا کر اسکا مطلب اُسکو نہیں سمجھا دیا گیا تھا تو وقف ناجائز ہوگا۔

## فصل دوم

### وقف اولاد پر

اگر کوئی شخص اپنی اولاد پر موافق انکی تعداد اور انکے سهام شرعیہ کے وقف کرے اور وقف میں یہ شرط کرے کہ اولاد اناث کو اُس میں سے کچھ نہ دیا جائے مگر یہ کہ وہ بیو میں ہوں اور اولاد کے بعد یہ وقف اولاد کی اولاد اور اُسکی اولاد پر اس شرط سے ہوگا کہ اگر ان میں سے کوئی اپنے مرنے کے بعد اولاد چھوڑ جائے تو متوفی یا متوفیہ کا حصہ اُسکی اولاد کو ملیگا تو یہ شرط سب سے متعلق ہوگی۔

اگر کوئی شخص اپنی اولاد پر وقف کرے تو اُس میں ذکر و اناث دونوں داخل ہیں۔  
اگر کوئی شخص کہے کہ یہ وقف میں نے اپنے فرزندوں پر کیا اور اس وقت اُسکی بیٹیاں بھی



زندہ ہوں تو وہ بھی وقف میں شامل ہو جائیگی۔ اس واسطے کہ جب کسی شخص کے بیٹے اور بیٹیاں دونوں ہوتے ہیں تو انکا ذکر بصیغہ تذکیر کیا جاتا ہے۔ بلکہ اگر سب اولاد بیٹیاں ہی ہوں تو بھی بصیغہ تذکیر بولی یا لکھی جاتی ہیں۔

لیکن اگر واقف نے بیٹیوں پر وقف کیا ہو حالانکہ فقط اسکے بیٹے ہوں تو وہ وقف غریب پر ہو جائیگا اور بیٹیوں پر نہ ہوگا مگر یہ کہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ واقف سے غلطی ہو گئی اور اگرچہ اسے دختران کا لفظ لکھا مگر اسکی مراد پسران تھی۔ (خصانہ سے لیا گیا ہے)۔

لفظ ذریت میں بیٹی کی اولاد بھی داخل ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنی ذریت پر وقف کرے تو بیٹی اور بیٹے دونوں کی اولاد داخل ہے۔

اگر کوئی شخص ذریت پر وقف کرے مگر یہ نہ کہے کہ کس ترکیب سے انکو وقف کی آمدنی دیا جائے تو قریب و بعید سب برابر پائینگے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے یہ وقف زید کی اولاد احاد پر دو انا کیا جب تک اسکی نسل میں کوئی باقی رہے تو زید کی اولاد اور اولاد کی اولاد اسمین برابر حصہ پائیں گی اور بیٹے کی اولاد اور بیٹی کی اولاد میں کچھ فرق ہوگا بلکہ سب کو برابر ملیگا۔

یہ اصول اس صورت میں جاری ہوگا جب واقف نے پشت یا بطن کی تصریح کر کے کوئی ترتیب وراثت و جانشینی نہ بیان کر دی ہو یعنی جب بطناً بعد بطن کا لفظ نہ لکھا ہو تو وقف کی آمدنی سب اولاد ذکور و اناث پر جو تقسیم کے وقت زندہ ہوں تقسیم کی جائیگی اور قریب و بعید میں امتیاز نہ کیا جائیگا۔ اور جب انہیں سے کوئی شخص مر جائیگا تو اسکا حصہ مال وقف میں شامل ہو جائیگا اور کل منافع وقف ان حقداروں پر تقسیم کیا جائیگا جو اسوقت زندہ ہوں۔ اگر بطناً بعد بطن کا لفظ لکھا ہو اور ترتیب وراثت و جانشینی بیان کر دی ہو تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ قریب تر پشت کے لوگوں کو پہلے دیا جائے اور انکے بعد کی پشت والوں کو بعد دیا جائے (خصانہ سے لیا گیا ہے)۔



اگر کوئی شخص اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد پر یا وَلَدُ الْوَلَدِ پر وقف کرے تو بیٹی کی اولاد بھی داخل ہوگی۔

لیکن اگر کوئی شخص صرف اتنا کہے کہ یہ میرے وَلَدِ پر وقف ہے تو بیٹی کی اولاد نہ داخل ہوگی اس واسطے کہ وَلَدِ سے مراد وہ ہے جو اُس کے نطفہ سے ہوا اور اگر عر فاً یہ لفظ بیٹے کی اولاد پر صادق آتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بیٹے کی اولاد و وقف کی نسل سے ہوتی ہے۔

علامہ شیخ المقدسی نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے وَلَدِ اور وَلَدِ الْوَلَدِ پر وقف کرے تو خود اُس کی اولاد اور اُس کے بیٹوں اور بیٹیوں کی اولاد یہ سب اِسمین داخل ہیں۔ خصاف اور قاضی خان نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ یہ وقف میری اولاد کے بیٹوں پر یا میرے اقرباء پر یا میرے بھائیوں پر ہے تو اِسمین اُنات داخل ہونگے۔

جب صیغہ تذکیر مجموعاً استعمال کیا جائے تو اِسمین اُنات بھی شامل ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے وَلَدِ پر اور اُس کے بعد اُس کی اولاد پر بطناً بعد بطن وقف کرے اور یہ بھی شرط کرے کہ جب انہیں سے کوئی مر جائے تو اُس مرد یا عورت کا حصہ اُس کی اولاد کو ملیگا پس اگر وہ شخص قبل اُس کے مر جائے کہ وقف کی آمدنی میں حصہ پانے کا مستحق ہوا ہو اور

۱۵ قول راجح یہی ہے اور قاضی خان نے لکھا ہے کہ اس کی صحت امام محمد کے قول پر مبنی ہے جو سیر کبر میں لکھا ہے اور عصفاف میں بھی یہی لکھا ہے اور اسی کو قاضی القضاات نور الدین طرابلسی نے اختیار کیا ہے اور اُن کے شاگرد رشید شبلی اور ابن شحہ اور ابن نجسم اور حنوطی کا بھی یہی قول ہے۔ رد المحتار صفحہ ۶۷۲ - ۱۲ منہ ۵۲ خصاف وہ امام ہیں جن کی افضلیت کی گواہی شمس الائمہ حلوائی نے دی ہے اور فرمایا ہے کہ خصاف کے اقوال ہر جگہ اختیار کیے جاتے ہیں۔ ۱۲ منہ۔



ایک اولاد چھوڑ جائے تو وہ اولاد اُسکی قائم مقام ہو کر اپنے باپ کا حصہ وقف کی آمدنی میں پائیگی۔ اگر واقعہ اپنے مرنے کے بعد کئی اولاد زید عمرو بکر خالد و عمر و چھوڑ جائے اور بعد ازان زید بھی کچھ اولاد چھوڑ کر مر جائے تو زید کا حصہ اُسکی اولاد کو ملیگا موافق اُس شرط کے جو وقف نے مقرر کی ہے۔ بعد اُسکے عمر و مر جائے اور کچھ اپنی اولاد اور کچھ اُس بیٹے کی اولاد چھوڑ جائے جو اُسکی زندگی میں مر گیا ہو۔ تو سوال یہ ہے کہ آیا عمرو کے پوتے اُسکے بیٹوں کے ساتھ حصہ پائینگے یا نہیں۔ سبکی نے لکھا ہے کہ نہ پائینگے اور اُنکا قول یہ ہے کہ عمرو کا حصہ بالکل اُسکی اولاد کو ملیگا اور اُسکے پوتوں کو نہ ملیگا۔ اور اس مسئلہ میں خصاف نے اُسے اتفاق کیا ہے۔ مگر خصاف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب خود واقعہ کی اولاد میں سب مر جائینگے تو یہ قاعدہ نہ جاری ہو گا یعنی اگر واقعہ کی اصغر اولاد عمر و مر جائے اور کوئی اولاد چھوڑ جائے تو اُسکا حصہ اُسکی اولاد کو نہ ملیگا بلکہ کل آمدنی وقف کی واقعہ کے پوتوں پر یعنی دوسری پشت کے لوگوں پر تقسیم کی جائیگی اور وہی قاعدہ جاری ہو گا جو پہلی صورت میں ہوا تھا یعنی اس پشت کے ہر شخص کا حصہ اُسکے مرنے پر اُسکی اولاد کو ملیگا یہاں تک کہ وہ پشت تمام ہو جائے تب تیسری پشت والوں کی تعداد کے موافق تقسیم ہوگی۔ پس خصاف کے نزدیک ہر پشت کے لوگ فرداً فرداً پائینگے اور سب علماء کے نزدیک تقسیم ساری پشت پر من حیث المجموع ہوگی۔ یعنی اُنکا قول یہ ہے کہ ہر پشت کے لوگ جو مرتے جائیں اُنکے حصے اُنکی اولاد کو ملتے جائینگے۔ جلال الدین سیوطی نے خصاف اور سبکی دونوں سے اختلاف کر کے فرمایا ہے کہ جب کسی پشت کا آدمی اپنی اولاد اور اُس اولاد کی اولاد کو جو اُسکی زندگی میں مر چکی ہو چھوڑ کر مر جائے تو اولاد اور اولاد کی اولاد بھی اپنے دادا کے حصہ میں شریک ہونگے یعنی اولاد کی اولاد اپنے والدین کا حصہ من حیث المجموع پائینگے۔ اشباہ میں سبکی سے اتفاق کیا ہے اور سب متاخرین نے اس پر عمل کیا ہے۔

پس اس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب پشتوں کے درمیان داد و عاطفہ (اور) استعمال کیا جائے



تو ہر پشت کے فنا ہونے کے بعد تقسیم از سر نو شروع ہوگی لیکن اگر لفظ شہر (تب) استعمال کیا جائے تو تقسیم سب پشتوں میں من حیث المجموع ہوتی جائیگی۔ اس قول کو ظاہراً کثر علماء شافعیہ اور علماء حنفیہ نے بھی اختیار کیا ہے۔ اجماع اس پر ہے کہ جب کوئی شخص اپنے باپ کی زندگی میں مر جائے اور کوئی اولاد چھوڑ جائے تو وہ اولاد اپنے باپ کا حصہ اپنے واد کی جائداد میں پائیگی مگر اپنے چچا کے حصہ میں اس کا کچھ حق نہ ہوگا۔

اگر کوئی شخص اپنی اولاد یا ذریات صلبی پر وقف کرے تو بیٹی کی اولاد اس میں نہ داخل ہوگی الا یہ کہ وہ اولاد اُن شوہروں کے نطفہ سے ہو جو واقف کی ذریات صلبی میں سے ہوں۔ اگر کوئی عورت اپنے اہل بیت یا جنس پر وقف کرے تو اس کی اولاد نہ داخل ہوگی الا یہ کہ وہ اولاد اس کو اُس شوہر سے ہو جو اس کا ہم قوم یا ہم قبیلہ ہو۔

جب کوئی شخص اپنے نفس پر اور اپنی اولاد اور نسل پر وقف کرے تو ایسے وقف سے یہ سمجھا جائیگا کہ وقف کی آمدنی کو واقف مادام الحیات اپنے مصرف میں لائیگا اور اسکے مرنے کے بعد وہ آمدنی اس کی اولاد کو ملے گی اسکے بعد اولاد کی اولاد تک پہنچے گی۔ ایسا وقف امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور فصل خصومات انھیں کے قول کے موافق کیا جاتا ہے۔

جب کوئی شخص اپنے ولد پر وقف کرے اور یہ نہ کہے کہ یہ وقف نسل بعد نسل و بطناً بعد بطن باقی رہیگا تو وہ وقف غبار کو ملے گا۔ اگر لفظ اولاد یا نسل یا عقب یا خلف استعمال کیا جائے تو وقف واقف کی اولاد ذکر و اناث دونوں پر ابداً و دواً ہوگا۔ اگر واقف تین پشتوں کو حقداران وقف کے تو یہ بمنزلہ اسکے ہوگا کہ اسے وقف اپنی نسل پر دواً کیا ہے اور جب تک انہیں سے کوئی زندہ رہیگا اُس وقف سے نفع ہوگا۔

اگر وقف اولاد کا نام لیکر کیا جائے تو جب کا نام نہیں لیا گیا ہے وہ خارج کے جائیگے۔ جب وقف زید پر اور اسکے بعد اس کی اولاد پر عموماً کیا جائے تو اولاد ذکر و اناث دونوں وقف میں داخل ہونگے۔



اگر کوئی شخص کہے کہ یہ وقف میرے ولد اور اُسکی اولاد اور اولاد کی اولاد پر ہے۔  
 تو جو اولاد اُسکی وقف کرنے کے وقت زندہ ہو یا بعد ازاں پیدا ہو اور اُسکی اولاد اُس وقف  
 میں حصہ پائیگی مگر وہ اولاد اُسکی اولاد کی جو وقف کے پیشتر مر چکی ہو کچھ حصہ نہ پائیگی۔  
 لیکن اگر اُس نے کہا ہو کہ یہ وقف میرے ولد اور ولد الولد پر اور اُسکی اولاد کی اولاد پر ہے۔  
 تو اولاد اُس اولاد کی جو وقف کے پیشتر مر چکی تھی حصہ پائیگی اس واسطے کہ میری اولاد کی  
 اولاد سے اُسکے سب پوتے مراد ہیں صرف وہی اولاد نہیں مقصود ہے جو وقف میں حصہ  
 پانے کی اُسوقت مستحق تھی جبوقت وقف کیا گیا تھا۔  
 جب وقف بالفاظ ذیل کیا جائے۔

”یہ وقف میری اُس اولاد پر ہے جو پیدا ہو چکی ہے اور میری نسل پر ہے۔“ تو جو اولاد  
 بعد ازاں پیدا ہوئی ہو وہ بھی اس وقف میں شامل ہوگی۔ لیکن اگر واقعہ نے ”اُسکی  
 نسل“ کہا ہو تو واقعہ کی اولاد اُس میں نہ شامل ہوتی۔

اگر واقعہ کہے کہ یہ وقف میری اُس اولاد پر ہے جو پیدا ہو چکی ہے اور اُسکی نسل پر  
 اور میری سب اولاد پر ہے جو آئندہ پیدا ہوئے تو اُسکی اولاد جو آئندہ پیدا ہو وہ تو پائیگی  
 مگر اُسکی اولاد نہ پائیگی۔ اگر وہ کہے کہ یہ وقف میری اس اولاد پر ہے جو پیدا ہو چکی ہے اور  
 اُسکی نسل پر اور میری اُس اولاد پر ہے جو بعد ازاں پیدا ہوئے تو جو اولاد بعد پیدا ہو اُسکی  
 اولاد تو پائیگی مگر اُسکے والدین نہ پائیگی۔

جب وقف اولاد پر کیا ہو اور زندہ رہنے کی قید نہ لگائی ہو تو جو اولاد مرتی جائیگی اُسکا  
 حق غریبہ کو ملتا جائیگا کیونکہ ہر ایک کا حق جداگانہ ہے۔ مگر جب وقف کے فحوائس زندہ  
 رہنے کی شرط یا بالمشارکت پانے کی شرط مفہوم ہو تو اور صورت ہو جائیگی۔ مثلاً اگر  
 کوئی شخص اپنی اولاد پر اور اُسکے بعد غریبہ پر وقف کرے تو ظاہر ہے کہ واقعہ کا نشانہ



یہ تھا کہ اس وقف کی منفعت اُسکی اولاد کو ملے جب تک انہیں سے کوئی زندہ رہے اور جب انہیں سے کوئی نہ باقی رہے تو غرباء کو دیا جائے۔ لہذا جب کوئی لڑکا مر جائیگا تو اُسکا حق واقف کے اُن لڑکوں کو ملیگا جو زندہ رہ گئے ہین یا اُس لڑکے یا لڑکی کی اولاد کو ملیگا۔

اگر کوئی شخص اپنی زوجہ اور اپنی اولاد پر وقف کرے تو جب اُسکی زوجہ مر جائیگی اُسوقت اُسکا حق واقف کی صرف اُسی اولاد پر منحصر نہ رہیگا جو اُسکے بطن سے ہو بلکہ واقف کی سب اولاد کو پہنچے گا الا یہ کہ کوئی شرط اُسکے خلاف مقرر کی گئی ہو جس سے زوجہ کا حق اُسکے مرنے کے بعد صرف اُسی اولاد کو مل سکے جو اُسکے بطن سے ہو۔

اگر واقف نے اپنے ”قرزندوں“ یا اپنے بھائیوں پر وقف کیا ہو تو اُسہیں عورتیں بھی شامل ہونگی۔ اگر کوئی شخص کہے کہ ”یہ وقف میری بیٹیوں پر ہے“ مگر اُسکے صرف بیٹے ہوں تو وقف غرباء کو دیا جائیگا جب تک اُسکے یہاں کوئی بیٹی پیدا ہو یا یہ ثابت کر دیا جائے کہ بیٹیوں کا لفظ غلطی سے کہ دیا تھا۔

اگر وقف عموماً کیا گیا ہو یعنی اُس مقدار کی تصحیح نہ کی ہو جو مقدار ہر پشت کے ذکور و اناث کو منافع وقف کی ملیگی تو تقسیم موافق سهام شرعیہ کے ہوگی یعنی مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ دیا جائیگا۔

لفظ نسل میں بیٹے اور بیٹی دونوں کی اولاد داخل ہے۔

لفظ عقیق اور لفظ خلف میں ذکور کی اولاد داخل ہے اور آل اور جنس اور اہلبیت میں وہ لوگ داخل ہین جو واقف کے باپ یا دادا یا اور کسی جدِ اعلیٰ کے ذریعہ سے اُس سے قرابت رکھتے ہوں۔ اور قرابت داران وارحام و انساب واقف میں وہ لوگ داخل ہین جو متوفی کے کسی بزرگ مرد یا عورت کے واسطہ سے اُس سے قرابت رکھتے ہوں۔ اور واقف کے اجداد کا سلسلہ اُس شخص پر منتهی ہوگا جسے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔



اگر کوئی شخص کہے کہ یہ وقف میری اولاد اور میری نسل پر دانا ہے اور اگر انہیں سے کوئی مرد یا عورت مر جائے تو اُس کا حصہ اُسکی نسل کو دیا جائیگا۔ تو اس صورت میں وقف کی آمدنی واقف کی سب اولاد اور نسل میں تقسیم کی جائیگی اور جو لوگ انہیں سے مر جائیں گے ان کے حصے انکی اولاد کو ملیں گے۔

اگر کوئی شخص اپنی اولاد پر وقف کرے مگر یہ شرط نہ کرے کہ جب انہیں سے کوئی مر جائیگا تو اُس مرد یا عورت کا حصہ اُسکی اولاد کو ملیگا تو وہ حصہ وقف کی آمدنی میں شامل ہو کر اُن حقداروں میں جو اُس وقت موجود ہوں تقسیم کر دیا جائیگا۔ اگر واقف نے یہ شرط کر لی ہو کہ سب میری اولاد میں سے کوئی مر جائیگا تو اُس مرد یا عورت کا حصہ اُسکی نسل کو ملیگا تو اس صورت میں وہ حصہ اُسکی اولاد مستوفی کی سب اولاد کو پہنچے گا۔ یا اگر اُس نے کہا ہو کہ اولاد مستوفی کا حصہ طبقہ اعلیٰ کے لوگوں کو دیا جائے اور اُس درجہ کا کوئی شخص زندہ نہ ہو تو اُن دونوں صورتوں میں کل آمدنی وقف کی واقف کی نسل میں سے اُن لوگوں کو ملیگی جو اُس وقت زندہ ہوں اور جب تک انہیں سے کوئی باقی رہیگا غریب کو نہ دی جائیگی۔

اگر کوئی شخص کہے کہ جب میری ذریت میں سے کوئی مر جائے تو اُس کا حصہ اُسی طبقہ کے اور لوگوں کو دیا جائے تو اس صورت میں قریب ترکو بعید تر ترجیح دی جائیگی اور اگر اُس طبقہ کا کوئی آدمی نہ ہوگا تو وہ حصہ وقف میں شامل ہو جائیگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد بہن کی اولاد اور چچا کی اولاد چھوڑ گیا ہو تو چچا کی اولاد کو بہ ترجیح بہن کی اولاد کے وقف میں حصہ دیا جائیگا کیونکہ چچا کی اولاد درجہ قرابت میں یکساں ہے گو نسبتاً بعد ہو۔ قاضی خان کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میری یہ زمین میرے ولد پر وقف ہے تو وہ اُسی کی اولاد کو ملیگی اور ذکر و اثاث برابر حصہ پائیں گے الا یہ کہ واقف نے وقف کو اولاد ذکر پر محدود کر دیا ہو۔ اگر واقف کی اولاد نہ ہو تو وہ جائیداد غریب پر



وقف ہو جائیگی اور واقف کی اولاد بعید پر وقف نہ ہوگی۔ اگر وقف کرنے کے وقت وقف کی اولاد صلیبی کوئی نہ ہو مگر اسکا ایک پوتا زندہ ہو تو وہی وقف کی آمدنی پائیگا۔ جب کوئی شخص کہے کہ یہ زمین میرے ولد اور ولد الولد پر صدقہ موقوفہ ہے تو اس میں بیٹی کی اولاد بھی شامل ہوگی۔ اسی طرح سے اگر وہ لفظ اولاد کے تو بیٹے اور بیٹی دونوں کی اولاد شامل ہوگی۔ امام محمد کے نزدیک وَلَدُ الْوَلَدِ میں بیٹی کی اولاد داخل ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی زمین اپنے ولد پر اور اس کے بعد غریب پر وقف کرے تو اس ولد کے مرنے کے بعد علامہ ابوالقاسم کے نزدیک وقف کی آمدنی غریب کو ملیگی۔ اگر اس نے کہا ہو کہ یہ زمین میرے ولد اور ولد الولد پر اور ان کے بعد غریب پر وقف ہے تو علامہ ابوالقاسم کے نزدیک وقف کی آمدنی اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد کو و سب جائیگی اور جب واقف کی اولاد میں کوئی نہ باقی رہیگا تو وقف کی آمدنی غریب کو ملیگی اور تیسری پشت کی اولاد کو نہ و سب جائیگی۔ لیکن اگر اس نے وَلَدُ اور وَلَدُ الْوَلَدِ اور وَلَدُ وَلَدِ الْوَلَدِ اس کی تیسری پشت بھی صریحاً یا ضمناً شامل ہو گئی ہو تو وقف کی آمدنی اس کی نسل پر دو امانا وقف رہیگی جب تک ان میں سے کوئی زندہ رہیگا اور جب تک ان میں سے کوئی بھی باقی رہیگا گو وہ کتنی ہی بچے کی پشت کا ہو غریب کو نہ و سب جائیگی۔ ابو جعفر اور ہلال کا یہ قول ہے کہ جب واقف نے تین پشتیں کہی ہوں تو وہ وقف اس کی نسل کو دو امانا دیا جائیگا جب تک اس کی نسل میں کوئی باقی رہیگا اور قریب و بعید سب برابر اس میں حصہ پائینگے الا یہ کہ واقف نے کہا ہو کہ قریب کو بعید پر ترجیح دیجائے یا بطناً بعد بطن کا لفظ یا اور کوئی ایسا ہی کلمہ کہا ہو۔ ان سب صورتوں میں تقسیم وہیں سے شروع ہوگی جہاں سے واقف نے کہا یا ہو۔ اگر کوئی شخص اپنے دو بیٹوں پر زمین وقف کر کے کہے کہ یہ ان پر صدقہ موقوفہ ہے تو اس کی آمدنی ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد و ذریعات کو دو امانا ملیگی۔



شیخ امام ابو بکر محمد بن فضل نے فرمایا ہے کہ جب وقف دو فرزندوں پر کیا گیا ہو تو انہیں سے ایک کے مرنے کے بعد اُس کا حصہ غریب کو ملیگا اُسکی اولاد کو نہ ملیگا تا وقتیکہ واقعہ کا دوسرا بیٹا بھی نہ مر جائے تب کل آمدنی وقف کی وقف کے پوتے اور پوتیوں کو ملیگی الا یہ کہ وقف نے یہ شرط کر لی ہو کہ جب اصل موقوف علیہم میں سے کوئی مر جائے تو وقف کی آمدنی اُسکو دی جائے جو زندہ رہ گیا ہو یا متوفی کی اولاد کو دی جائے۔

جب کوئی شخص اپنی اولاد پر زمین وقف کرے مگر آخر کو اُس کا مستحق فقراء کو قرار دے تو یہ موقوف علیہ کے مرنے کے بعد کل آمدنی اُس زمین کی اُنکو ملیگی جو زندہ ہوں اور جب انہیں سے کوئی نہ باقی رہیگا تب ہی اُسکی آمدنی غریب کو دی جائیگی۔

جب کوئی مریض جو مرض الموت میں مبتلا ہو اپنی زمین اپنے وَلَد اور وَلَدِ الْوَلَد پر دو انا بھتیجیاں اُسکی نسل باقی رہے وقف کرے تو سب غلام کا اتفاق ہے کہ موصی کے مرنے کے بعد یہ وقف اُسکے ورثہ پر نہیں جائز ہوگا مگر امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام زفر اور حسن کے نزدیک غیر ورثہ پر جائز ہوگا یعنی اُسکی اولاد کی اولاد پر ثلث مال میں یہ وقف نافذ ہوگا۔ اس واسطے کہ مریض کا وقف بمنزلہ وصیت کے ہے اور ثلث مال میں نافذ ہوگا بشرطیکہ غیر ورثہ پر کیا گیا ہو۔

جب کوئی شخص بیماری کے عالم میں اپنی زمین اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد پر وقف کرے اور اُسکے سوا کسی اور کوئی جائیداد نہ چھوڑے تو ایک ثلث اُس زمین کا اُسکی اولاد کی اولاد پر وقف ہو جائیگا اور باقی دو ثلث ورثہ کا مال ہوگا اگر وہ اُس وقف کو نامعلوم کرین لیکن اگر وہ اُسکو منظور کر لیں تو وہ دو ثلث وقف کی اولاد اور اولاد کی اولاد پر برابر تقسیم کر دیا جائیگا۔

جب کوئی شخص اپنے فرزند اور اُسکی اولاد اور اولاد کی اولاد پر دو انا وقف کرے جب تک اُسکی نسل میں کوئی زندہ رہے تو علائہ ابو القاسم کے نزدیک وقف کی آمدنی



واقف کے بیٹے کی اولاد پر فرداً فرداً تقسیم کی جائیگی اور ذکور و اناث کو برابر حصہ ملیگا اور جب اُسے بیٹی کی اولاد کی نسبت پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ وہ بھی مستحق ہے اس واسطے کہ وہ اولاد کی اولاد ہے۔

اگر کوئی شخص غریب پر وقت کرے اور اُسکے مرنے کے بعد اُسکی اولاد محتاج ہو جائے تو متولی کو چاہیے کہ واقف کی اولاد کا تکفل مناسب وقت کی آمدنی سے کرے۔

جب دو یا زیادہ اشخاص پر وقت کیا گیا ہو تو وہ اسکے مستحق نہیں ہیں کہ مال وقف کو اپنے اپنے حصہ منافع وقف کی مقدار کے موافق آپس میں تقسیم کر لیں۔ مگر متولی کو اختیار ہے کہ جیسا انتظام مناسب سمجھے ارضی وقف کی کاشت یا مکانات وقفی کی سکونت کے باب میں حسب شرائط وقف نامہ کرے۔

ایک عورت نے مرض الموت کے عالم میں اپنے دو بیٹوں پر اور اُنکے بعد اُنکے بیٹوں اور بیٹیوں کے بیٹوں پر وقت کیا اور جب اُنکی نسل میں کوئی نہ باقی رہے تو مسجد پر وہ عورت مر جائے اور وہی دو بیٹیاں زندہ چھوڑ جائے اور ایک بہن بھی چھوڑ جائے جو اُس وقف سے راضی نہ ہو۔ تو اس صورت میں وقف متوفیہ کے ثلث مال میں نافذ ہوگا اور باقی دو ثلث ورثہ پر اُنکے سهام شرعیہ کے موافق تقسیم کیے جائیں گے۔ اور ثلث مال جو وقفی قرار دیا گیا ہے اُسکی آمدنی بھی ورثہ پر بمقدار اُنکے سهام شرعیہ کے تقسیم کی جائیگی جب تک کہ وہ دونوں بیٹیاں مر جائیں اُسوقت وقف کی آمدنی انھیں کی اولاد کو بالتخصیص ملیگی۔ علیٰ ہذا القیاس اگر واقف کہے کہ میں وصیت کرتا ہوں کہ اس زمین کی آمدنی پچاس برس کے بعد میری اولاد کی اولاد کو بطور وقف دیجائے تو ایسا وقف جائز ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ وقف وصیتی وارث پر کرنا نہیں جائز ہے مگر وارث کی اولاد پر جائز ہے۔ پس جب اور ورثہ نہ راضی ہوں تو وہ ایک

۱۲ بیٹیوں کے مذہب میں بہن کو بیٹیوں کے ساتھ حصہ ملتا ہے مگر شیعوں کے مذہب میں نہیں ملتا۔ ۱۲۔ منہ۔



ثلث جس کا وقف جائز ہوتا اگر وارث پر وقف نہ کیا جاتا علیحدہ رکھا جائیگا اور اس کی آمدنی سب ورثہ پر تقسیم کی جائیگی جنہیں خود موقوف علیہ بھی داخل ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس ایک ثلث کی آمدنی اس کی اولاد پر تقسیم کی جائیگی خواہ وہ موقوف علیہ مرد ہو خواہ عورت۔

اگر واقع پہلے اپنی اولاد پر اور ان کے فنا ہو جانے کے بعد غریب پر وقف کرے تو شرعاً جائز ہے۔ علماء میں اختلاف ہے کہ ایسے وقف کی منفعت میں حصہ پانے کے کون لوگ مستحق ہوں گے۔ ہلال کا قول یہ ہے کہ اگر اولاد کی اولاد اس وقت موجود ہو جو وقت وقف کی آمدنی یا پیداوار تقسیم کی جائے گو وقف ہونے کے وقت وہ موجود تھی یا نہ تھی تو وہ وقف کی آمدنی میں حصہ پائیگی۔ علماء بلخ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ یوسف ابن خالد سامانی کا قول یہ ہے کہ اس وقف کی آمدنی صرف اس اولاد کو دی جائے جو وقت کرنے کے وقت موجود تھی۔ اور ان کے نزدیک یہ بھی ہے کہ اولاد کی اولاد اس وقت تک حصہ نہ پائیگی جب تک کہ واقع کی اولاد جو آمدنی وقف تقسیم ہونے کے قبل پیدا ہوئی تھی باقی رہے۔ اگر آمدنی کی تقسیم کے وقت واقع کی کوئی اولاد نہ ہو تو اولاد کی اولاد کو ملے۔

جب کوئی شخص اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد پر وقف کرے تو انہیں سے جتنے لوگ آمدنی یا پیداوار پیدا ہونے کے وقت یا اس کے تقسیم ہونے کے وقت موجود ہوں وہ سب اس میں حصہ پائیں گے۔

۱۵ ہلال ابن یحییٰ ابن مسلم بصری نے ۵۶۰ ہجری میں وفات کی۔ وہ یوسف ابن خالد بصری کے شاگرد تھے اور وہ حضرت امام اعظم کے شاگرد تھے۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ انھوں نے علم فقہ امام ابو یوسف اور زفر سے حاصل کیا تھا۔ ان کو کوئی اسوہ سے کہتے تھے کہ وہ اہل کوفہ کے رسوم کی بہت تقلید کرتے تھے۔ رد المحتار صفحہ ۶۷۶ و ۶۸۰ و ۱۲۔ منہ



جب ولد اور نسل پر وقف کیا جائے اور اس وقت واقف کا صرف ایک پوتا ہو مگر بعد ازان اسکے یہاں ایک لڑکا پیدا ہو تو دونوں کو وقف میں حصہ ملیگا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر کوئی شخص اپنی اس اولاد پر وقف کرے جو موجود ہو اور اسکی نسل پر تو جو اولاد وقف کے بعد پیدا ہو وہ اس وقت میں داخل ہوگی۔

جب کوئی شخص اپنے اطفال صغیر پر وقف کرے تو اس صورت میں جو اولاد اسکی وقف کرنے کے وقت صغیر ہو صرف وہی وقف میں شریک ہوگی اس واسطے کہ اگرچہ صغیر ایسی صفت ہے جو زائل ہو جاتی ہے تاہم ایسی صفت ہے جو کبھی عود نہیں کرتی پس وہ بمنزلہ اسکے ہے کہ واقف نے اپنی اولاد کا نام لے لے کر وقف کیا۔

اگر وقف ایک اولاد پر کیا گیا ہو اور جس تاریخ وقف کی آمدنی پیدا ہوئی ہو اس تاریخ سے چھ مہینے کے اندر واقف کے یہاں دوسری اولاد پیدا ہو تو یہ اولاد پہلی اولاد کے ساتھ وقف میں حصہ پائیگی۔ اگر دوسری اولاد چھ مہینے کے بعد پیدا ہوئی ہو تو وہ پہلی اولاد کے ساتھ وقف میں حصہ نہ پائیگی کیونکہ یہ قیاس کیا جائیگا کہ دوسری اولاد اس وقت موجود نہ تھی جب وقف کی آمدنی پیدا ہوئی تھی۔ اگر کوئی شخص اپنی اولاد پر وقف کرے اور اس وقت اسکی کوئی اولاد نہ ہو اور جب وقف کی آمدنی پیدا ہوئی تھی اسکے چھ مہینے کے اندر اسکے یہاں کوئی اولاد نہ پیدا ہو تو وہ آمدنی غریب کو ملیگی مگر بعد ازان جو فرونی اس آمدنی میں ہوگی وہ اس اولاد کو ملیگی۔

## فصل شوم

### وقف قریب

لفظ آل اور جنس اور اہل بیت میں وہ اقرباء واقف کے داخل ہیں جو اسکے باپ یا دادا یا اور کسی بزرگ کے واسطے سے اس سے قرابت رکھتے ہوں۔ اور لفظ

سے جو وقت غلہ میں دانہ پڑتا ہے وہی وقت آمدنی یا پیداوار کے پیدا ہونے کا وقت سمجھا جائیگا۔ ۱۲ منہ۔



قرابت دار اور ذوقرابت اور ارحام و انساب میں وہ لوگ داخل ہیں جو متوفی کے بزرگوں میں سے کسی مرد یا عورت کے ذریعہ سے اُس سے قرابت رکھتے ہوں۔ اور اُس کے اجداد میں اُس کا جدِ اعلیٰ وہ شخص ہو گا جس نے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔

امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا ہے کہ ذوقرابت سے وہ شخص سمجھنا چاہیے جو باپ یا مان کی طرف کے کسی بزرگ مشترک کے ذریعہ سے کسی شخص سے قرابت رکھتا ہو خواہ وہ شخص محارم یا محرماتِ شرعیہ میں داخل ہو خواہ نہ ہو اور خواہ قریب القربت ہو خواہ بعید القربت اور خواہ واقف نے صیغہ واحد استعمال کیا ہو خواہ صیغہ جمع۔ مگر امام اعظم کے نزدیک یہ ہے کہ جب وقف بصیغہ واحد کیا گیا ہو یعنی مثلاً واقف نے کہا ہو کہ ”میرے ذوقرابت پر وقف ہے“ تو اُس وقف میں واقف کا سب سے قریب رشتہ دار جو اُس کے محارم یا محرماتِ شرعیہ میں سے ہو داخل ہو گا لیکن اگر وقف بصیغہ جمع کیا گیا ہو یعنی مثلاً واقف نے کہا ہو کہ ”میرے ذوی القربت یا اقرباء پر تو سب اقرباء مذکورہ بالا داخل ہیں۔“ امام ابو یوسف اور امام محمد کے اس قول میں کہ ”سب سے بعید جدِ اعلیٰ اسلام میں“ بعض علما نے یہ تاویل کی ہے کہ وہ جدِ اعلیٰ جو سابق الاسلام ہو یعنی جس نے پہلے اسلام قبول کیا ہو اور بعض نے اس کے معنی یہ کہے ہیں کہ وہ جدِ اعلیٰ جو شیوع اسلام کے زمانہ کے لحاظ سے اقدم ہو خواہ اُس نے اسلام قبول کیا ہو خواہ نہ کیا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ ”وقف میرے اقارب اور اہلبیت وغیرہ پر ہے“ تو صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ اگر اُس زمرہ سے ایک شخص بھی موجود ہو تو وقف نافذ ہو جائیگا۔ جب کوئی شخص اپنے غریب رشتہ داروں پر وقف کرے تو انکی غربت یا افلاس اُس وقت معتبر ہو گا جب وقف کی آمدنی تقسیم کرنے کے قابل ہو جائے مگر جس شخص کو مال وقف سے دیا جائے وہ ایسا شخص ہونا چاہیے جس کا کوئی ایسا عزیز نہ موجود ہو جسے اُس کو نفقہ دینا شرعاً واجب ہو مثلاً شوہر یا والد وغیرہ۔



جب کوئی شخص اپنی اولاد اور اقارب پر وقف کرے تو سب لوگ جو اس وقت موجود ہوں جب وقت کی آمدنی یا پیداوار موجود ہوئی ہو گو وقت ہونے کے بعد پیدا ہوئے ہوں اس میں حصہ پانے کے مستحق ہیں۔

جو کچھ اقرباء اور ذوی القربا کے باب میں بیان کیا گیا ہے وہی بعینہ ارحام اور ذوی الارحام اور انساب اور ذوی الانساب پر بھی صادق آتا ہے۔ ان سب الفاظ کے ایک ہی معنی ہیں۔

اگر کوئی شخص کہے کہ یہ صدقہ موقوفہ میرے محتاج اقارب یا مفلس اولاد پر ہے اور ان کے بعد غرباء پر ہے تو یہ وقف درست ہے اور مستحقین وقف موقوف علیہم میں سے وہ لوگ ہیں جو اس وقت محتاج ہوں جب وقف کی پیداوار موجود ہوئی ہو۔ ہلال کا یہی قول ہے اور یہی قول معتبر ہے اور اسی کے موافق فتویٰ ہے۔ اسی طرح سے اگر لفظ ”غرباء“ کے بدلے واقف نے ”فقراء و مساکین“ کا لفظ کہا ہو تو بھی یہی ہوگا۔ اگر واقف اپنے غریب شہ داروں پر اور ان کے بعد غرباء پر وقف کرنے کے بعد مر جائے تو امام ابو یوسف کے نزدیک واقف کا اقرباء یا رشتہ داروں کی لفظ میں نہ داخل ہوگا اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اگر واقف کے غریب رشتہ دار اور کسی شہر میں ہوں اس شہر میں نہ ہوں جہاں واقف رہتا ہے تو وقف کی آمدنی انکو نہیں بھیجی جائیگی بلکہ کل آمدنی واقف کے شہر میں جو اس کے اقرباء محتاج رہتے ہوں انکو دیا جائیگی لیکن اگر متولی کچھ آمدنی انکو دوسرے شہر میں بھیج دے تو وہ خائن نہ سمجھا جائیگا۔ جو وقف فقراء پر کیا گیا ہو اس میں وہ کچھ نہیں داخل ہے جو ہنوز رحمہ ماور میں ہو۔

جو وقف صاحبین یعنی باخدا لوگوں پر کیا گیا ہو اس میں وہ لوگ داخل ہیں جو عقیقت اور عادل ہوں اور کسی کے نزدیک مشکوک و متہم نہ ہوں اور راہ راست پر ہوں اور بڑی باتیں نہ کہتے ہوں اور شارب الخمر نہ ہوں اور زنانہ صاحب کو بے حرمت نہ کرتے ہوں



اور صادق القول اور امین متین ہوں۔ صاحبین ایسے لوگ ہیں۔

اگر کوئی شخص اُن لوگوں پر وقف کرے جو سب بنی آدم میں اُس سے قریب تر ہوں۔ اور اُن کے بعد غریب اور اُسکی ایک اولاد ہو اور والدین بھی ہوں یا صرف باپ یا فقط مان ہو تو وقف کی آمدنی اُسکی اولاد کو ملیگی گو وہ دختر ہو کیونکہ اُس سے قریب تر واقف کا کوئی نہیں ہے اور اولاد کے بعد غریب کو ملیگی والدین کو نہ دی جائیگی اس واسطے کہ واقف نے یہ نہیں کہا ہے کہ قریب سے ترکہ اور پھر قریب ترکہ۔ اگر واقف کی اولاد نہ ہو بلکہ صرف والدین ہوں تو وقف کی آمدنی انہیں برابر تقسیم کی جائیگی۔ اگر واقف نے مان اور بھائی چھوڑے ہوں تو وقف کی آمدنی فقط مان کو ملیگی۔ اگر اُس نے دادا اور نانا اور بھائی چھوڑے ہوں تو ساری آمدنی بھائیوں کو ملیگی۔

اگر واقف کی نو اسی اور ایک پروتا ہو تو نو اسی چونکہ قریب تر ہے لہذا کل وقف کی وہی مستحق ہوگی۔

لیکن اگر کوئی شخص اپنے اقرب القربیت پر وقف کرے تو اس صورت میں اُس کے والدین اور اولاد وقف میں حصہ نہ پائیں گے کیونکہ وہ لفظ قربیت میں نہیں داخل ہیں۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میں اپنے اقرباء پر اس شرط سے وقف کرتا ہوں کہ اسکی تقسیم میں ابتداء اُس شخص سے کی جائے جو سب یا قرابتاً مجھ سے اقرب ہو اور اُس کے بعد اُس شخص پر جواب اقرب ہو۔ اور واقف کے دو بھائی اور دو بہنیں ہوں تو تقسیم یا خواہر عینی سے شروع ہوگی اُس کے بعد برادر یا خواہر اخیا فی سے۔ اور اگر انہیں سے ایک علاقائی اور ایک اخیا فی ہو تو اخیا فی مقدم رکھا جائیگا۔ یہ قول امام اعظم کا ہے حدیث کے نزدیک وہ سب برابر پائیں گے۔ مامون اور خالہ علاقائی یا اخیا فی چچا پر ترجیح رکھتی ہے۔

۱۔ الاقرب ثم الاقرب ۲۔ منہ ۳۔ بعض علماء کے نزدیک ساری آمدنی وقف کی دادا کو ملیگی کہ وہ باپ کا قائم مقام ہے۔ ۴۔ منہ۔



اسی طرح سے عینی چچا علاقائی یا انشیافی مامون یا خالہ پر ترجیح رکھتا ہے اور عینی چچا اور بھوپھی عینی مامون اور خالہ پر ترجیح رکھتی ہے۔ امام اعظم کا قول یہی ہے مگر صاحبین کے نزدیک وہ سب برابر پائینگے۔ ان دونوں صورتوں میں صاحبین کا قول مفتی ہے۔

اولاد اور اجداد دونوں کا ایک حکم ہے مگر یہ یاد رہے کہ صاحبین کے نزدیک یہ کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ ذکور یا اناث کے ذریعہ سے قرابت رکھتے ہیں اور باپ کی طرف سے یا ان کی طرف سے قرابت رکھتے ہیں۔

لفظ قریب قرابت نہیں منحصر ہے پس اگر کوئی شخص یہ نہ کہے کہ ”یہ وقف میرے اقرب القربت پر ہے“ بلکہ یہ کہے کہ ”یہ وقف اُس شخص پر ہے جو سب لوگوں میں مجھے قریب تر ہے“ تو اس میں قرابت اور غیر قرابت دونوں داخل ہیں لہذا والدین اور اولاد اس وقف میں داخل ہونگے گو وہ سلسلہ قرابت میں نہیں داخل ہیں۔

اگر کوئی شخص کہے کہ ”یہ وقف میری اولاد پر ہے اور جب انہیں سے کوئی مر جائیگا تو اُسکا حصہ اُسی درجہ قرابت کے دوسرے شخص کو ملیگا اور قریب کو بعید پر ترجیح دی جائیگی“ اور واقف کی بہن کی اولاد اور چچا کی اولاد موجود ہو تو متوفی کا حصہ واقف کے چچا کی اولاد کو ملیگا اُسکی بہن کی اولاد کو نہ ملیگا۔ یہ اُس فتوے کے خلاف ہے جو خیریتہ میں لکھا ہے کہ واقف کی بہن کی اولاد کو ترجیح دی جائیگی۔

آدمی اپنے قرابت دار یا قرابت یا ذوقربت پر وقف کر سکتا ہے اور اس میں ذکور کو اناث پر کچھ ترجیح نہ دی جائیگی۔ اور زیادت میں لکھا ہے کہ واقف کا دادا اور پوتا اس وقف میں حصہ پائینگے۔ مگر لفظ قرابت یا اقربا میں زوجہ نہیں داخل ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے قریب ترین اقربا پر وقف کرے اور اُسکی ایک علاقائی بہن اور



ایک کنواسی موجود ہو تو وقف کنواسی کو ملے گا کیونکہ وہ واقف سے نبی اقرب ہوا اور اسکی اولاد میں داخل ہے گو دور کی اولاد بھی۔

جب وقف غریب اقرب پر کیا گیا ہو تو جو اقرب بغلس ہوں صرف وہی اسکے مستحق ہونگے اس باب میں کہ امیر کون ہے اور غریب کون ہے فتاواے عالمگیری میں اصول ذیل بیان کیا گیا ہے۔

دو سب لوگ جو شرعاً مستحق زکات پانے کے ہوں غریب سمجھے جائینگے۔ جو شخص صرف ایک مکان اور ایک خدمتگار رکھتا ہو وہ غریب سمجھا گیا ہے اور سکوزکات بھی مل سکتی ہے اور اس وقف میں بھی حصہ پاسکتا ہے جو غریب پر کیا گیا ہو۔ اسی طرح سے اگر اسکے ساتھ وہ پوشاک کافی رکھتا ہو مگر کوئی چیز زائد یا اثاثہ البیت نہ رکھتا ہو تب بھی وہ غریب سمجھا جائیگا لیکن اگر اسکے پاس دوڑے درہم علاوہ پوشاک اور اثاثہ البیت کے ہوں تو امیر تصور کیا جائیگا اور زکات یا وقف پانے کا مستحق نہ ہوگا۔ اسی طرح سے اگر وہ دو مکان یا دو خدمتگار اور ایک مکان زائد یا ایک خدمتگار زائد رکھتا ہو اور دوڑے درہم بھی رکھتا ہو تو وہ ایسا امیر سمجھا جائیگا جسکو زکات یا وقف دینا حرام ہو جائیگا مگر واجب الزکات نہ ہوگا۔ اور اگرچہ اسکا مکان زائد یا پوشاک زائد یا اثاثہ البیت فی نفسہ دوڑے درہم سے زیادہ قیمت کا نہ ہو تاہم وہ امیر ہے اور زکات یا وقف نہیں لے سکتا۔ اور اگر اسکے پاس دوڑے درہم کی زمین بھی ہو گو اسکی آمدنی اسکے گدازہ کو کافی نہ ہو تو بھی قول اصح کے موافق وہ امیر سمجھا جائیگا۔ اگرچہ وہ بہت سی جا پیدا رکھتا ہو مگر وہ جائیداد اسکے پاس موجود نہ ہو بلکہ وہ مقروض ہو تو وہ زکات اور وقف لے سکتا ہے کیونکہ وہ مسافر کی حالت رکھتا ہے۔ لیکن اگر اسکو قرض مل سکے تو قرض ہی لینا بہتر ہے نسبت زکات یا وقف لینے کے۔

وہ ہر شخص جو دوسرے کا واجب النفقہ ہو یا جو بغیر اسکی اجازت یا متاضی کے



حکم کے نفقہ لے سکتا ہو یا جسکو قاضی کسی غیر حاضر آدمی کی جایداد سے نفقہ دلاوے اور  
 ہر شخص جسکی جایداد کی آمدنی دوسرے کی آمدنی کے ساتھ ایسی مخلوط ہو کہ ایک دوسرے کا  
 گواہ نہ ہو سکے ایسا شخص امیر ہے اور وقف پانے کا مستحق نہیں ہے کیونکہ اسکا پرورش کنندہ  
 یا وہ شخص جس سے وہ ایسا تعلق رکھتا ہے متمول ہے۔ والدین اور اولاد اور اجداد  
 اسکی مثالین ہیں۔ مگر وہ اشخاص جو کسی کے واجب النفقہ تو ہوں مگر بے اسکی اجازت  
 یا قاضی کے حکم کے اس سے نفقہ نہ لے سکیں اور جسکو قاضی دوسرے شخص سے اسکی  
 غیر حاضری کے زمانہ میں نفقہ نہیں دلا سکتا اور وہ لوگ جسکی جایداد کا منافع دوسرے  
 شخص کی جایداد کے منافع سے ایسا میسر ہو سکے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے  
 گواہ ہو سکیں ایسے لوگ اپنے پرورش کنندوں کے متمول ہونے سے امیر سمجھے جائینگے۔  
 بھائی اور بہنیں اور اور محارم و محرمات شرعیہ اسکی مثالین ہیں۔ جب کسی غریب  
 عورت کا شوہر امیر ہو تو اسکو وقف سے کچھ نہ لینا چاہیے مگر جب غریب مرد امیر زوجہ  
 رکھتا ہو تو وہ وقف سے لے سکتا ہے۔

قاضی خان نے اس باب میں قاعدہ ذیل مقرر کیا ہے مگر یہ بھی لکھ دیا ہے کہ باختلاف  
 حالات زمانہ اسپس اختلاف ہو گا۔ فقیر وہ آدمی کہ ملاتا ہے جو صرف ایک جاے  
 سکونت رکھتا ہو اور کچھ نہ رکھتا ہو اور وہ زکات اور وقف دونوں کا مستحق ہو گا۔ اسی طرح  
 وہ شخص جو جاے سکونت صرف رکھتا ہو مگر کوئی ذریعہ معاش نہ رکھتا ہو گو ایک حد متعارف  
 رکھتا ہو فقیر سمجھا جائیگا۔ جو شخص صرف چند جوڑے کپڑے کے سوا کچھ نہ رکھتا ہو وہ بھی  
 فقیر ہے۔ جو شخص دو سے درہم کا اثاثہ البیت رکھتا ہو وہ غنی سمجھا جائیگا اور یوسف ابن خالد  
 سامانی کے نزدیک جسکے پاس پچاس درہم ہوں وہ بھی غنی ہے۔

امام ابو یوسف کے نزدیک جس شخص پاس دو سو درہم کی زمین ہو گو اسکی آمدنی  
 لے قنادیے عالمگیری صفحہ ۴۸۴۔ بی صاحب کی شرح منہج صفحہ ۵۸۹۔ ۱۲۔



اسکی بسر کے لیے کافی ہو وہ فقیر نہیں ہے۔ مگر محمد ابن شحہ اور محمد ابن ہفت آمل کے نزدیک وہ فقیر ہے۔ امام ابو یوسف کا کلام عاقلانہ ہے اور ابن شحہ کے قول میں بہت تاویل کی گنجائش ہے، اسکے بعد قاضی غمان فرماتے ہیں کہ جو شخص ظاہر مالدار ہو مگر کسی بلا میں مبتلا ہو گیا ہو اور اپنے مال کو اپنے مصرف میں نہ لاسکتا ہو وہ فقیر تصور ہو سکتا ہے اور یہ بھی انھوں نے لکھا ہے کہ جس شخص کا مال دوسرے آدمی پر قرض ہو اور وہ دوا لیتے ہو یعنی اپنا قرضہ نہ ادا کر سکتا ہو اور اس شخص کے پاس اور کوئی جائداد نہ ہو تو وہ بھی فقیر سمجھا جائیگا۔ پس اس تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص کا متول یا افلاس حالات مخصوصہ پر موقوف ہے اور اس سوال کا جواب نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ اس قوم کے حوائج ضروریہ کا لحاظ کیا جائے جس قوم سے وہ شخص ہے جسکا متول یا افلاس معرض بحث میں ہو۔

جب واقف نے اپنے غریب رشتہ داروں پر وقف کیا ہو اور جس تاریخ وقف کی منفعت پیدا ہوئی تھی اس تاریخ سے چھ مہینہ کے اندر واقف کی کسی رشتہ دار عورت کے بیان لڑکا پیدا ہو تو وہ لڑکا اس وقف میں حصہ پانے کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ جو جب ہونہ رحم مادر میں ہو وہ اقربا بمحتاج میں نہیں داخل ہو سکتا۔ ایسا لڑکا مثل اس قرابت دار کے سمجھا جائیگا جو وقف کی منفعت پیدا ہونے کے وقت غنی تھا مگر بعد از ان فقیر ہو گیا۔ ایسا لڑکا اگرچہ اس منفعت خاص میں حصہ پانے کا مستحق نہ ہوگا مگر آمینہ ہر ایک آمدنی میں حصہ پائیگا۔

جب واقف کا شمار یہ ہو کہ فلان فرقہ کے متعدد اشخاص کو اس وقف میں سے دیا جائے اور اس فرقہ میں فقط ایک شخص موجود ہو تو وہ نصف وقف پائیگا اور باقی فقرہ کو دیا جائیگا۔ لیکن اگر باوی النظر میں یہ معلوم ہو کہ کل وقف اسی فرقہ کے لوگوں کے لیے مقصود ہے چاہے انکی تعداد جو کچھ ہو تو اسی ایک شخص کو کل منفعت وقف کی ملیگی مثلاً اگر زید کی نسل کے فقراء پر وقف کیا گیا ہو اور اسکی نسل سے صرف ایک فقیر



موجود ہو تو ساری آمدنی وقف کی اسی کو لیکھی۔ لیکن اگر وقف اُن لوگوں پر کیا گیا ہو جو زید کی نسل میں محتاج ہوں اور اسکی نسل سے صرف ایک شخص موجود ہو تو وہ نصف منفعت پائیگا اور باقی عموماً فقرا کو دیا جائیگا۔

جو وقف کسی نے اپنے کنبہ کے یتیموں پر کیا ہو اُس میں بھی یہی اصول جاری ہونگے یتیم سے وہ بچہ مراد ہے جسکا باپ نہ زندہ ہو اگرچہ اسکی ماں اور دادا زندہ ہوں۔ یتیمی کی صفت بعد بلوغ زائل ہو جاتی ہے۔ جب کوئی علامت بلوغ کی نہ پائی جائے تو امام ابو یوسف کے نزدیک پندرہویں سال کے تمام ہونے پر لڑکا بالغ سمجھا جائیگا۔ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک مرد کے لیے پورے اٹھارہ برس اور عورت کے لیے پورے سترہ برس سن بلوغ ہے اور امام زفر کے نزدیک مرد اور عورت دونوں کا سن بلوغ ایک ہے یعنی پورے اٹھارہ سال۔

مسئلہ۔ اگر کسی شخص نے اپنے غریب شتہ داروں پر وقف کیا ہو تو آیا متولی وقف کی آمدنی میں سے واقف کے محتاج پوتے کو دے سکتا ہے۔

جواب۔ اکثر علماء نے اس مسئلہ کے جواب میں نعم (ہاں) لکھا ہے اور فقیہ بولیت نے فرمایا ہے کہ کتاب بایت میں امام محمد کا یہی قول لکھا ہے گو ظاہر امام اعظم اور امام ابو یوسف کا قول کے خلاف ہے۔

لے قناو اے نا لیکری میں امام اعظم اور امام ابو یوسف کے قول کو ظاہر ترجیح دی گئی ہے اور لکھا ہے کہ جب وقف قریب پر کیا جائے تو اسکی آمدنی صغیر و کبیرہ کو روایات غنی و فقیر بین برابر تقسیم کی جائیگی اسواسطے کہ لفظ قریب سب پر برابر صادق آتا ہے۔ مگر اس لفظ میں واقف کا باپ اور اولاد صلیبی اور دادا نہیں داخل ہیں جیسا ظاہر روایت میں لکھا ہے۔ کوئی شخص اپنے محتاج قرابت داروں پر وقف کر کے مر جائے تو سوال یہ ہے کہ آیا اس وقف کی آمدنی میں سے واقف کے محتاج پوتے کو بھی کچھ مل سکتا ہے۔ امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک نہیں مل سکتا اسواسطے کہ یہاں لفظ قرابت یا قرابت دار میں نہیں داخل ہے بلکہ اس میں شک نہیں ہے کہ ابو لیت کا قول فرقہ حنفیہ نے اختیار کیا ہے ۱۲۸۰ھ۔



کرے تو اس کا حق خود لے لے گا۔  
اگر وقف اقرار کیا گیا ہو اور انکی اولاد یا نسل کا لفظ نہ کہا گیا ہو تو بھی انکی اولاد  
اقرباء میں داخل ہے کیونکہ اقرباء کی اولاد بھی اقرباء میں۔  
اگر کوئی شخص پہلے اقرباء پر اور انکے بعد انکی اولاد پر وقف کرے تو انکی اولاد  
وقف کے منفعہ میں کچھ نہ پائیگی تا وقتیکہ خود اقرباء میں سے کوئی باقی نہ ہوگا۔  
ایک شخص نے چند امور کی وصیت کی اور اپنی زمین غرابہ پر وقف کر کے وصی کو  
اجازت دی کہ جو چاہے جتنا اس وقف میں سے دے تاکہ اس صورت میں وصی کو  
جائز ہے کہ اس وقف میں سے اپنے والدین اور زوجہ اور اقرباء کو دے بشرطیکہ وہ محتاج  
ہوں کہ انکو دینا فقراء کو دینا سمجھا جائے گا۔

ہوں کہ لوگوں کو دیا اور دیا جھا جائے  
جب کسی شخص نے اپنے ہمسایوں پر وقت کیا ہو تو قیاس تو اسی کا مقتضی ہے کہ  
اُسکی آمدنی سب لوگوں کو دی جائے جو اُسکے ہمسایہ میں رہتے ہوں مگر اولیٰ یہی ہے کہ  
وہ وقت اُن لوگوں پر ہے جو واقف کے ساتھ اُس محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے



جاتے ہوں۔ امام اعظم کے نزدیک سکونت شرط ہے خواہ ساکن مالک مکان ہو خواہ نہ ہو اور یہی صحیح ہے۔ جب ساکن مالک نہ ہو تو وقف کی منفعت ساکن کو دی جائیگی مالک کو نہ ملے گی ہمسائے مسلم ہوں خواہ کافر مرد ہوں یا عورتیں آزاد ہوں یا مکاتبہ صغیر ہوں یا کبیر سب مستحق ہیں اور وقف کی آمدنی امین انکی مقدار کا کاٹ کر کے تقسیم کیا جائے اور متولی اسکا ذمہ دار ہے کہ ایک کو دوسرے سے زیادہ نہ دیا جائے۔ ائمہ الولد اور مدبر یعنی مطلق اور وہ قرضدار جو اس محلہ کے قید خانہ میں بعلت قرضہ قید ہو وقف میں نہیں شریک ہو سکتے اور احوط یہ ہے کہ واقف کا بیٹا اور باپ اور دادا اور زوجہ اور اولاد کی اولاد کو وہ ہمسایہ ہو وقف میں حصہ پانے کی بنین مستحق ہے مگر واقف کے بھائی اور چچا اور ماموں اس میں سے پاسکتے ہیں۔

اگر واقف کے ہمسایوں میں سے بعض اشخاص اپنے مکانات اور لوگوں کے ہتھ پکڑ دوسرے محلہ میں اٹھ گئے ہوں اور وہ لوگ اس محلہ میں غلہ پکنے کے بعد مگر غلہ کٹنے کے قبل آکر رہے ہوں تو وہی واقف کے ہمسائے سمجھے جائیں گے جو آمدنی تقسیم ہونے کے وقت اُسکے ہمسائے ہوں۔ اور اگر کوئی شخص اپنے ہمسایوں پر اسوقت وقف کرے جب وہ ایک مکان میں رہتا ہو مگر بعد ازاں اور مکان میں اٹھ جائے گو وہ کرایہ کار مکان ہو اور اپنی وفات تک اسی مکان میں سکونت رکھے تو وقف کی آمدنی اسی مکان کے ہمسایوں کو ملے گی۔ اگر کوئی شخص اپنے ہمسایوں پر وقف کرے کہ مکہ معظمہ چلا جائے اور وہیں مرجائے تو وقف کی منفعت اُسکے ان ہمسایوں کو ملے گی جو مکہ شریف میں ہوں بشرطیکہ انہیں وہاں مکان لے لیا ہو۔ لیکن اگر وہ صرف حج کرنے کی نیت سے گیا ہو تو وقف کی آمدنی اُسکے ان ہمسایوں کو ملے گی جو اُسکے وطن یا شہر میں ہوں۔ اگر کسی شخص کے دو مکان ہوں ایک مکان میں خود رہتا ہو دوسرے میں اپنا مال تجارت رکھتا ہو تو وقف کی آمدنی



اس مکان کے ہمایون کو ملیگی جس میں وہ خود رہتا ہو۔ اور اگر ایک مکان اس کا بصرہ میں ہو اور ایک کوفہ میں ہو اور ہر مکان میں اس کی ایک زوجہ رہتی ہو تو بھی یہی ہوگا۔ اگر کسی شخص نے ہمایون پر وقف کیا ہو مگر میرے ہمایون کا لفظ نہ کہا ہو تو یہ بمنزلہ اسکے ہوگا کہ اس نے میرے ہمایون کا لفظ کہا ہے۔ اگر کوئی شخص بیار پڑے اور اس کا بیٹا اس کو دوسرے محلہ میں اٹھالی جائے اور وہاں وہ مر جائے تو اس کے پہلے ہمسائے وقف کے مستحق ہونگے اور یہ حرکت اس کی پائیہ اعتبار میں نہ ہوگی۔ لیکن اگر کوئی عورت کسی مکان میں رہتی ہو اور اپنے ہمایون پر وقف کرے اور بعد اسکے نکاح کر کے اپنے شوہر کے گھر چلی جائے اور وہاں مر جائے تو اس کے ہمسائے وہ ہیں جو اس کے شوہر کے ہمسائے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس جب کوئی مرد کسی عورت سے عقد کر کے اس کے مکان میں اٹھ جائے تو اس کے ہمسائے بدل کر اس کی زوجہ کے ہمسائے ہو جائینگے۔ الا یہ کہ اس نے اپنا اسباب اپنے مکان قدیم میں چھوڑا ہو کہ اس صورت میں اس کے ہمسائے وہی رہینگے جو اسکے اٹھ جانے کے قبل تھے۔

جب یہ نہ معلوم ہو کہ واقف کے ہمسائے کون لوگ ہیں تو منفعت وقف نہ تقسیم کی جائے تا وقتیکہ گواہوں کی شہادت سے یہ ثابت ہو جائے کہ واقف اسی مکان میں مرا تھا تب اس مکان کے ہمایون میں تقسیم کی جائے۔ اور اگر کوئی ہمسایہ کہے کہ میں محتاج ہوں مگر وہ محتاج مشہور نہ ہو تو اس کو یہ تکلیف دی جائے کہ اپنے افلاس کو گواہوں کی شہادت سے ثابت کرے۔

اگر کوئی شخص بحالت صحت نفس غریب پر وقف کرے تو اس کی آمدنی اس کو دی جائے تا طقی کا قول یہ ہے کہ اس کی منفعت واقف کی غریب اولاد کو دی جائے بعد اسکے اسکے اقربا کو اسکے بعد اسکے غلاموں کو بعد ازاں اس کے ہمایون کو تب اسکے اہل شہر کو باعتبار اسکے قرب کے اور ہمایون میں لڑکے اور عورتیں بھی شامل کی جائیں۔

۱۔ یہ سب اصول قنواوے عالمگیری اور رد المحتار سے لیے گئے ہیں۔ ۱۲ منہ۔



## فصل چہارم

شایط و وقف (از قضا و اسے قاضی خان)

جب وقف اس شرط سے کیا جائے کہ وقف کو اس کے منسوخ کرنے کا اختیار ہوگا تو امام ابو یوسف کے نزدیک وقف اور شرط و دونوں جائز ہیں بشرطیکہ ایک مسیحا و معین کر لیجائے کہ اس کے اندر اختیار تنسیخ عمل میں لایا جائیگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ میں یہ مکان وقف کرتا ہوں مگر تین روز کے اندر اس وقف کو منسوخ کرنے کا اختیار ہوگا، اگر مسیحا و معین کے اندر وہ اختیار نہ عمل میں لایا جائے تو تین روز کے بعد وہ وقف قطعی ہو جائیگا۔ لیکن اگر مسیحا و معین ہو تو وقف باطل ہے۔

فقہ ابو جعفر کے نزدیک ایسا وقف تو درست ہے مگر وہ شرط باطل ہے۔ ہلال اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ اختیار تنسیخ باقی رکھنے سے خود وقف باطل ہو جاتا ہے اور یوسف ابن خالد نے فرمایا ہے کہ ان سب صورتوں میں وقف جائز ہے صرف شرط باطل ہے یہی قول اجماعی معلوم ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص ایک مسیحا و معین مثلاً ایک دن یا مہینہ بھر کے لیے وقف کرے اور کچھ نہ کہے تو وہ وقف دائمی ہو جائیگا۔ لیکن اگر وہ کہے کہ یہ وقف فلان مہینہ تک کیا گیا اور اس مہینہ کے گزرنے پر باطل ہو جائیگا۔ تو اس صورت میں ابتداء ہی سے وہ وقف باطل ہو جائیگا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ جب کل کا دن ہوگا تو میری زمین صدقہ موقوف ہو جائیگی یا جب میں اس زمین کا مالک ہوں گا تب یہ زمین وقف ہو جائیگی، تو ایسا وقف ناجائز ہے اس واسطے کہ وقف کسی واقعہ اتفاقی پر معلق نہیں ہو سکتا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ میں میری زمین میرے مرنے کے بعد چند سال تک وقف رہیگی، تو وقف کے مرنے کے بعد وہ وقف دائمی ہو جائیگا۔ مگر یہ قاعدہ صرف اس صورت میں



جاری ہوگا جس صورت میں بطور وصیت وقف چند سال کے لیے کیا گیا ہو۔ اس واسطے کہ اگر واقعہ اپنی حیات ایک ميعاد محدود و معین تک وقف کرے تو وہ باطل ہوگا۔ لہذا ہلال کے نزدیک اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب وقف ایسی شرط سے مشروط کیا جائے جو شرط دوام کے خلاف ہو تو وہ وقف باطل ہوگا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ میری زمین صدقہ موقوفہ اس شرط سے ہے کہ مجھے اختیار ہوگا کہ جب چاہوں اس وقف کو منسوخ کروں، تو ہلال کے نزدیک ایسا وقف ناجائز ہے مگر یوسف ابن خالد کے نزدیک یہ وقف جائز ہے مگر وہ شرط باطل ہو۔ اور امام ابو یوسف کا یہ قول ہے کہ جب اختیار تنیخ وقف کی ميعاد غیر معین ہو تو خود وقف باطل ہے اور یہی حنفیہ میں مفتی ہے۔

علیٰ ہذا القیاس اگر کوئی شخص کہے کہ میں اس زمین کو اس شرط سے وقف کرتا ہوں کہ یہ میرا مال باقی رہیگا اور مجھ کو اختیار ہوگا کہ جب چاہوں اسکو فروخت کر کے حاصل بیع کو وقف کروں، تو ایسا وقف ناجائز ہے۔

جب وقف شرطیہ کیا جائے تو جائز ہے یعنی جب کوئی شخص کہے کہ میری زمین وقف ہے اگر یہ میری ہے، اس صورت میں اگر وقف کرنے کے وقت وہ زمین اسکی تھی تو وقف جائز ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص دوسرے کی جائداد کو وقف کرے اور اس جائداد کا مالک اس وقف کی تصدیق کر دے تو وہ جائز ہو جائیگا مگر شافعیہ کے نزدیک نہیں جائز ہوگا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ میری زمین خدا کی راہ میں وقف دائمی اس شرط سے ہے کہ مجھے یہ اختیار ہوگا کہ اسکو بیکرا اسکی قیمت سے اور زمین خریدوں اور اسکو بھی اسی شرط سے وقف کروں، تو یہ وقف اور اسکی شرط دونوں ہلال اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز نہیں اور یہی صحیح ہے۔



اگر واقف کے کوئی مین یا زمین وقف کرتا ہو تو اس کو بیع کرنے کا اختیار اپنے لیے باقی رکھتا ہو تو اکثر فقہاء کے نزدیک ایسا وقف ناجائز ہے مگر قول اصح یہ ہے کہ ایسا وقف جائز ہے اور اگر واقف اختیار بیع کو عمل میں لائے تو اس زمین کے بدلے اُس کا محاصل بیع وقف ہو جائیگا۔

واقف یا متولی مال وقف کو صرف اس وقت فروخت کر سکتا ہے جبکہ اختیار بیع صرفاً باقی رکھا گیا ہو۔ مگر جب ایسا اختیار نہ ہو تو اگر قاضی مناسب سمجھے جائداد وقفی کو بیچ کر اس کی قیمت سے دوسری جائداد خرید لے یا کسی ایسے کام میں لگائے جو اس وقف کے بقا کا باعث ہو۔

جب مسجد پر وقف کیا گیا ہو اور اسلام پر کوئی ایسی آفت آنے والی ہو جس کو دفع کرنے کے لیے اس وقف کی آمدنی قرض لینے کی ضرورت ہو تو اس صورت میں سلطان اُسکی آمدنی سے قرض لے سکتا ہو۔

اگر جائداد وقفی کے متعلق مویشی کام کرنے کے قابل نہ رہیں تو متولی اُن کو بیچ سکتا ہے۔

جو چیزیں مسجد سے متعلق ہوں مگر ضروری نہ ہوں اُن کو متولی قاضی کی اجازت سے بیچ سکتا ہے اور اگر قاضی نہ ہو تو اپنی رائے سے بیچ سکتا ہے۔

جب کوئی گائون جس میں کوئی چاہ یا حوض پختہ بنا ہو بالکل ویران ہو جائے تو واقف کی منظوری سے اور اگر وہ نہ ہو تو قاضی کی اجازت سے اُس چاہ یا حوض کے مصالح سے اُس گائون کے متصل دوسرا گائون یا حوض بنوا سکتے ہیں۔

جب کوئی چیز مسجد پر وقف کی گئی ہو ویران و برباد ہو جائے تو وہ چیز واقف اور اُس کے ورثہ کو نہ واپس ملے گی بلکہ سب سے قریب مسجد میں استعمال کی جائے گی۔

جب شے موقوفہ اُس کام کے قابل نہ ہو جس کام کے لیے وہ وقف کی گئی ہے



تو وہ وقف باطل ہے مثلاً اگر کچھ زمین قبرستان کے لیے وقف کی ہو بلکہ اُس میں ایک مردہ بھی دفن کیا گیا ہو مگر بعد ازاں معلوم ہو کہ یہ مقام قبرستان کے لیے مناسب نہیں ہے اور لوگ اُس میں مردے نہیں دفن کرتے تو واقف اُس کو بیچ سکتا ہے کیونکہ وہ مقام اُس مقصد کے مناسب نہیں ہے جس مقصد سے وہ وقف کیا گیا تھا پس اسی امر سے وقف باطل ہو جائیگا اگر کوئی زمین جو کسی مذہبی کام کے لیے وقف کی گئی ہو بے کاشت ہو جائے اور شہر سے اس قدر دور ہو کہ کوئی اس کا پٹہ لینا نہ منظور کرے اور کچھ منفعت اُس سے نہ مل سکے نہ اُس پر مکانات تعمیر ہو سکیں تو قاضی خان کے نزدیک اسی زمین فروخت ہو سکتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی لنگر خانہ جل گیا ہو تو اُس کا وقف باطل ہو جائیگا یا اگر دوکانیں بازار کے لیے وقف کی گئی ہوں اور وہ دوکانیں اور وہ بازار دو ٹون جل جائیں تو وقف جاتا رہیگا اور وہ زمین واقف کے ورثہ پر عود کر گئی۔

اگر کوئی رہائشی مسجد کا شکست ہو گیا ہو تو اُسکی مرمت اُس مسجد کے سرمایہ سے کرنا جائز ہے بشرطیکہ صرف اسی ہی تدبیر کرنے سے اہل مسجد یعنی نمازی مسجد تک پہنچ سکیں۔ اسی طرح سے اگر کوئی لنگر گاہ دریا کے کنارہ پر بنائی گئی ہو اور صرف ایک پل کی راہ سے لوگ اُس میں پہنچ سکتے ہوں اور وہ پل شکست ہو گیا ہو تو اُسکی مرمت اُس لنگر گاہ کے سرمایہ سے ہو سکتی ہے۔

اگر کوئی لنگر گاہ یا مسجد شکست ہو جائے اور جہاں پر وہ واقع ہو وہ مقام بالکل ویران ہو گیا ہو تو قاضی کے حکم سے اُسکے مصالح کو بیچ کر لنگر گاہ یا مسجد کے مقاصد میں صرف کر سکتے ہیں گو بعض علما کا قول ہے کہ وہ واقف کے ورثہ پر عود کر گیا۔

### فصل پنجم

وقف المرعیض یعنی بیمار آدمی کا وقف

شیخ امام ابو بکر محمد ابن فضل نے فرمایا ہے کہ اوقاف کی تین قسمیں ہیں —



(۱) وہ وقت جو صحت کی حالت میں کیا گیا ہو یعنی جسکا نفاذ عالم صحت میں ہوا ہو۔

(۲) وہ وقت جو مرض الموت کے عالم میں کیا گیا ہو۔

(۳) وہ وقت جسکا نفاذ واقعہ کے مرنے کے بعد مقصود ہو۔

پہلی قسم کے وقف میں اقباض اس طرح شرط ہے جس طرح ہبہ میں ہے تیسری قسم کا وقف چونکہ واقعہ کی وفات کے بعد نافذ ہوگا لہذا اس میں اقباض ضرور نہیں ہے مگر وہ واقعہ کے صرف ثلث مال میں نافذ ہوگا بطور اس وصیت کے جو غیر وارث کو کی گئی ہو۔

دوسری قسم کا وقف بھی ثلث مال میں جائز ہے مگر اقباض اور تصرف (صرحی ہو یا ضمنی) ضرور ہے جیسا اس ہبہ میں ضرور ہے جو بحالت مرض الموت کیا گیا ہو۔ اور طحاوی میں لکھا ہے کہ لو ازم شرعی اس وقف کے جسکا نفاذ مرض الموت کے عالم میں ہو بعینہ ویسے ہیں جیسے اس وقف کے جسکا نفاذ بعد موت مقصود ہو۔ یعنی ایسا وقف واقعہ کے ثلث مال میں نافذ ہوگا۔

اگر کوئی شخص مرض الموت کی حالت میں اپنا مکان وقف کرے تو درست اور جائز ہے بشرطیکہ وہ اس کے ثلث مال سے زائد نہ ہو مگر جب وہ ثلث مال سے زیادہ ہوا اور ورثہ راضی ہو جائیں تو کل وقف صحیح ہو جائیگا۔ لیکن اگر ورثہ نہ راضی ہوں تو ثلث مال سے زیادہ جو وقف ہوگا وہ ان ورثہ کے حصص میں جائز ہوگا جو راضی ہیں۔ اگر کوئی وارث جو وقف سے ناراض ہو اپنا حصہ اس جائداد میں جبکہ وقف ناجائز فروخت کر ڈالے اور بعد ازاں معلوم ہو کہ واقعہ نے اس جائداد کے سوائے اور جائداد میں بھی چھوڑی ہیں اور چونکہ وہ جائداد واقعہ کے ثلث مال سے کم ہے لہذا اس کل جائداد کا وقف جائز ہے تو اس وارث نے جو اپنا حصہ بیچ ڈالا ہے اسکی بیع منسوخ نہ کیجائیگی مگر اسکو اسکی قیمت دے دینی پڑیگی تاکہ اس سے اور جائداد



خرید کر شامل کر دیا جائے۔

اگر کوئی شخص مرض الموت کی حالت میں اپنا مکان وقف کرے اور سب جائداد اسکی مقروض ہو تو وہ وقف منسوخ کیا جائیگا اور وہ مکان بیچ ڈالا جائیگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مکان خرید کر وقف کر دے اور بعد ازاں اسکی نسبت کوئی حق شفعہ کا دعویٰ کرے اور وہ دعویٰ ثابت ہو جائے تو اس صورت میں بھی وقف منسوخ کیا جائیگا۔

اگر کسی شخص نے کوئی جائداد بذریعہ بیع ناجائز خرید کر وقف کر دی ہو تو وہ وقف جائز ہوگا مگر وہ شخص اس جائداد کی قیمت کا دیدار بائع کو رہیگا۔ اور اگر وہ اس مکان کی جو ناجائز طور سے خرید کیا ہو مسجد بنائے تو ہلال کے نزدیک بلکہ سب علماء بر خفیہ کے نزدیک جائز ہے۔

اگر کوئی شخص یہ اقرار کرے کہ میری جائداد مقبوضہ میں سے کچھ جائداد صدقہ موقوفہ ہے تو اسکا قول معتبر سمجھا جائیگا اور وہ جائداد غریب کے مصرف میں لائی جائیگی۔

اگر کوئی شخص کہے کہ وہ یہ زمین میرے باپ کی صدقہ موقوفہ ہے اور اسکا باپ مر چکا ہو تو اسکا یہ اقرار جائز ہوگا۔ لیکن اگر اسکا باپ قرضدار مر اہوا اور اسکی اور کوئی جائداد نہ ہو جس سے وہ قرضہ ادا کیا جائے تو اسقہ زمین وقفی جب قدر قرضہ ادا کرنے کے لیے ضرور ہو چکا ہو متوفی کا قرضہ ادا کیا جائے گا اور باقی وقف ہو جائیگا۔ اگر واقعہ کا کوئی اور وارث ہو جو اس وقف کا اقرار نہ کرے تو اسکا حصہ وقف سے نکال دیا جائیگا کہ اس حصہ کو اسکا جو جی چاہے کر لے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ فلاں زمین میرے نفس پر وقف تھی تاکہ اس کے منافع میں سے

۱۔ یہ اس وقت ہوگا جبکہ اس شخص کے اقرار کے سوا اس وقف کا کوئی ثبوت نہ ہو۔



میں خود کھانوں اور لوگوں کو کھلاؤں تو ایسا وقف امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور علماء بریلج نے اُنکے اس قول کو اختیار کر کے یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ وقف اور اسکی شرط دونوں جائز ہیں اور صدر الشہید نے فرمایا ہے کہ فتویٰ امام ابو یوسف کے قول کے موافق ہے۔

جب کوئی شخص غریب پر اس شرط سے وقف کرے کہ اپنی حین حیات اپنی بسر وقات وہ اسی وقف سے کرے گا تو ابو بکر اسکان کے نزدیک ایسا وقف جائز ہے اگر کوئی شخص کہے کہ یہ جائد امین نے اپنے نفس پر وقف کیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک ایسا وقف جائز ہے اور واقعہ کے مرنے کے بعد وہ جائد و فقیر کو دی جائیگی۔ انصاری نے اپنی کتاب الوقف میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص بین الفاظ وقف کرے کہ ”یہ زمین میری خدا کی راہ میں وقف دائمی ہے اور اسکی آمدنی جب تک میں زندہ ہوں میرے مصرف میں آئیگی اور کچھ اور نہ کہے تو ایسا وقف جائز ہے اور جب وہ مر جائیگا تو اسکی منفعت غریب کو ملیگی۔ خصاف نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص کہے کہ ”یہ زمین میری وقف یا صدقہ موقوفہ اس طور سے ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں اسکی پیداوار میرے استعمال میں آئیگی اور میرے بعد میری اولاد کے مصرف میں آئیگی اور انکے بعد انکی اولاد کے مصرف میں وہ آگیاں گی جب تک میری نسل میں کوئی باقی رہے اور جب انہیں سے کوئی نہ باقی رہے تو غریب کو ملیگی۔“ تو امام ابو یوسف کے قول کے موافق ایسا وقف جائز ہے۔ اور بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص شرط کرے کہ اپنا قرضہ اور اپنے مصارف مال وقف سے دیگا تو یہ شرط جائز ہے۔

جب کسی شخص نے زمین یا اور کوئی چیز اس شرط سے وقف کی ہو کہ جب تک وہ زندہ رہے وہ زمین یا وہ چیز کلاً یا جزواً خود اس کے واسطے رہیگی اور اس کے بعد غریب کو دی جائیگی تو ایسا وقف امام ابو یوسف اور انکے مقلدین علماء بریلج کے نزدیک جائز ہے اور



اسی کے موافق فتویٰ ہے کیونکہ اس سے وقف کرنے کی ترغیب ہوتی ہے یہی طرح  
 ہو سکتا ہے مثلاً کوئی شخص کہے کہ اس شرط سے کہ وہ میرا قرضہ اسکی آمدنی سے ادا  
 کر دے یا یہ کہ وہ جب میں قرضدار مہاؤن تو وہ (مستولی) پہلے میرا قرضہ ادا کرے  
 یا یہ کہ وہ جب فلان شخص مر جائے تو اس وقف کی آمدنی سے ہر سال سو اسی  
 لیکر اسکی طرف سے حج بیت اللہ کرانا یا اسکی طرف سے کفارہ وغیرہ دینا، ان سب  
 صورتوں میں وقف جائز ہوگا۔ اور اگر واقعہ کہے کہ یہ صدقہ موقوفہ فی سبیل اللہ ہے  
 اور جب تک میں زندہ رہوں مستولی اسکی آمدنی جھکو دیا کرے اور کچھ نہ کہے تو ایسا وقف  
 جائز ہوگا اور اسکے مرنے کے بعد اسکی منفعت غبار کو دی جائیگی۔ اسی طرح سے اگر وہ کہے  
 کہ وہ یہ زمین میری صدقہ موقوفہ ہے جب تک میں زندہ رہوں اسکی آمدنی مستولی مجھ کو  
 دیا کرے اور میرے بعد میری اولاد اور اولاد کی اولاد کو اور انکی نسل کو دوانا جب تک  
 اُمین سے کوئی باقی رہے اور جب اُمین سے کوئی نہ باقی رہے تو غبار کو، یہ بھی  
 جائز ہے۔ اسی طرح سے اگر واقعہ یہ شرط کرے کہ وقف کی آمدنی سے اپنی بسر وقات  
 کر گیا اور اپنی اولاد کو نفقہ دیا اور اپنا قرضہ ادا کر گیا اور جب وہ مر جائے تو اسکی آمدنی  
 فلان شخص کو دی جائے جو فلان شخص کا بیٹا ہے اور اسکی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اسکی  
 نسل کو، یا وہ کہے کہ وہ فلان شخص کو اور اسکے بعد خود مجھ کو، تو یہ بطور وقف مشروط  
 جائز ہوگا اور واقعہ کے تقدم و تاخر سے کچھ فرق نہ ہوگا۔ یا کوئی شخص غبار پر اس شرط سے  
 وقف کرے کہ وہ اسکی آمدنی سے میں خود کھاؤں گا اور اوروں کو کھلاؤں گا جب تک میں  
 زندہ رہوں اور میرے مرنے کے بعد یہ میری اولاد اور اسکی اولاد کو دینگا دوانا جب تک  
 میری نسل میں کوئی باقی ہے تو ایسی شرط سے بھی وقف جائز ہے۔

۱۔ رد المحتار صفحہ ۵۷۲۔ فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۹۵۔ بیلی صاحب کی شرح حنفی صفحہ ۵۹

فتاواے قاضی خان صفحہ ۳۲۳۔ ۱۲۱ منہ۔



جب واقف یہ شرط کرے کہ زمین اس زمین کا مبادلہ جس زمین سے چاہو گنا کر دے گا اور اسکے مبادلہ میں جو زمین ملیگی اسکو وقف کر دے گا تو یہ وقف اور یہ شرط دونوں امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہیں اور اگر واقف یہ شرط کرے کہ اس زمین کو بچکر اسکی قیمت کو وقف کرے گا تو بھی جائز ہے۔ ہلال کا بھی یہی قول ہے اور اسی کے موافق فتویٰ ہے۔ مگر جب ایک مرتبہ اس زمین کا مبادلہ ہو چکا ہو تو پھر دوبارہ اسکا مبادلہ نہ ہو سکیگا مگر یہ کہ واقف کے کلام سے ثابت ہوتا ہو کہ اسکا یہ نشاء تھا کہ اسکا مبادلہ ہمیشہ ہوتا رہے۔ جب واقف نے لکھا ہو کہ زمین اس زمین کا مبادلہ دوسری زمین سے کر دے گا تو اسکا مبادلہ مکان سے نہیں کر سکتا نہ اسکے بالعکس کر سکتا ہے۔ مگر اسکی قیمت سے خراجی زمین مول لے سکتا ہے۔ جب مبادلہ کا اختیار اُس نے اپنے لیے باقی رکھا ہو تو اس مقصد کے لیے وہ مختار مقرر کر سکتا ہے لیکن اگر وہ یہ اختیار اپنے وصی کو دے جائے تو اُس وصی کا وصی اُسکو نہیں عمل میں لاسکتا۔ اور اگر یہ اختیار اُس نے اپنے لیے اور دوسرے شخص کے واسطے رکھا ہو تو وہ دوسرا شخص اُسکو اکیلا نہیں عمل میں لاسکتا مگر خود واقف اُسکو اکیلا عمل میں لاسکتا ہے جب مبادلہ کا اختیار ہر شخص کو دیا گیا ہو جو اس وقف کی نگرانی کرے تو جائز ہے اور ہر ایک نگرانی کنندہ اُسکو عمل میں لاسکتا ہے مگر جب واقف نے لکھا ہو کہ یہ اس شرط سے کہ فلان شخص کو اسکے مبادلہ کا اختیار ہوگا، تو وہ شخص مجاز اس اختیار کو واقف کی وفات تک نہیں عمل میں لاسکتا بغیر اسکے کہ اس مضمون کی شرط واقف نے بالتخصیص کر لی ہو۔ قیم یعنی قسط وقف کو اسکے مبادلہ کا اختیار نہیں ہے تا وقتیکہ اُسکو مبادلہ کی اجازت صاف نہ دے دی گئی ہو۔ اور جب یہ شرط کر لیا جائے کہ قسط مال وقف کا مبادلہ کر سکتا ہے تو واقف بھی ایسے اختیار کو عمل میں لاسکتا ہے گو ایسی شرط اُس نے اپنے لیے نہ کی ہو۔

زمین وقفی اگرچہ شور اور بیکار محض ہو مگر فروخت یا مبادلہ نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ



وقف میں ایسی شرط صاف صاف نہ کر لی گئی ہو۔ ایک مقام پر قاضی خان نے لکھا ہے کہ قاضی اسکی بیع کا حکم کر سکتا ہے گو ایسی شرط وقف میں نہ کی گئی ہو مگر دوسرے مقام پر انھوں نے انکار کیا ہے کہ قاضی ایسا اختیار نہیں رکھتا۔ لیکن قول اصح یہی ہے کہ اگر زمین وقفی بیکار محض ہو اور اسکی کچھ آمدنی نہ ہو تو قاضی اسکی بیع کا حکم دے سکتا ہے بشرطیکہ قیمت کافی پر بیع کی جائے۔

جب کوئی شخص کہے کہ میری زمین اللہ تعالیٰ کی راہ میں دوا صدقہ موقوفہ اس شرط سے ہے کہ اسکی پیداوار یا آمدنی کو میرا جس طرح جی چاہے صرف کرونگا، تو اسکو ایسا کرنا جائز ہے۔ لیکن اگر وقف کی آمدنی غریب کو دے یا حج میں صرف کرے یا کسی خاص شخص کو بخش دے تو پھر اسکا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اور اسی طرح سے اگر وہ کہے کہ میں نے اسکی آمدنی فلان شخص کو دی۔، تو پھر اسکو پھر نہیں سکتا البتہ انا کی بعد دوسرے کو دے سکتا ہے مگر جب اپنے ذاتی صرف میں لایرگا تو وقف باطل ہو جائیگا۔ لیکن اگر وہ کہے کہ اس شرط سے کہ جسکو میرا جی چاہیگا اسکی آمدنی دوں گا تو اور صورت ہو جائیگی۔

جب کوئی وقف اس شرط سے کیا جائے کہ وقف کو اختیار ہوگا کہ اسکا منافع جسے چاہے دے تو ایسا وقف جائز ہے اور اسکو اختیار ہوگا کہ اپنی حین حیات اسکی آمدنی کو جو چاہے کرے مگر ایسی کوئی کارروائی یا انتظام اسکی نسبت نہیں کر سکتا جسکی پابندی اسکے مرنے کے بعد فرض ہو نہ اسکی آمدنی کو اپنے ذاتی مصارف میں لاسکتا ہے۔ اگر وہ ایسا کرے تو وقف باطل نہ ہو جائیگا۔ مگر وہ جسکو چاہے اسکی آمدنی دے سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس شرط سے وقف کرے کہ غنیمت وقف کو اختیار ہوگا کہ جسکو چاہے اسکی آمدنی میں سے دے تو ایسا وقف جائز ہے اور



یہ اختیار وقت کی حیات اور اسکی وفات کے بعد بھی عمل میں آسکتا ہے اور جس شخص کو یہ اختیار دیا گیا ہے وہ اسکی آمدنی اپنی اولاد اور نسل کو دے سکتا ہے اور وقت کی اولاد اور نسل کو بھی دے سکتا ہے مگر اپنے مصارف ذاتی میں نہیں لاکتا یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اگر شخص مجاز وقت کا منافع خود لے لے تو کیا ہوگا وقت اسے عالمگیری میں لکھا ہے کہ یہ اختیار اسوقت اس سے سلب نہیں ہو جاتا جب وہ یہ کہے کہ میں نے اسکی آمدنی اپنے تئیں دی۔ صرف اتنا کہہ دینے سے شاید یہ اختیار نہ زائل ہو جائے مگر سوال یہ ہے کہ اگر وہ اسکی آمدنی کو ناجائز طور سے اپنے مصارف ذاتی میں لائے تو آیا بنصرہ خیانت نہ ہوگا۔ اس کے بعد جو عبارت قنوا سے عالمگیری میں لکھی ہے اسکو علماء برنج نے نہیں تسلیم کیا ہے۔ وہ عبارت یہ ہے دو میں نے اپنے نفس پر وقت کیا ایسا وقت ان علماء کے نزدیک ناجائز ہوگا جنکا یہ قول ہے کہ آدمی اپنے نفس پر نہیں وقت کر سکتا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ میری زمین فلان شخص کی اولاد پر اس شرط سے صدقہ موقوف ہے کہ انہیں سے میں جسکو چاہوں منتخب کر سکتا ہوں، تو جو اسنے کہا ہے وہی ہوگا اور جسکو اسکا جی چاہے منتخب کر لے یا ایک ہی کو سب دیدے۔ اور اگر وہ کہے کہ دو میں اس سال کسی کو نہیں منتخب کرتا، تو یہ بھی جائز ہے اور وقت کی آمدنی ان سب میں برابر تقسیم کی جائیگی۔ اور اگر وہ کہے کہ دو اس شرط سے کہ انہیں سے جسکو چاہوں اس وقت سے محروم رکھوں، اور وہ ان سب کو اسکی آمدنی سے محروم رکھے سوائے ایک شخص کے تو یہ بھی جائز ہے اور اگر یہ قیاس اسی کا مقتضی ہے کہ وہ ان سب کو اس سے نہ محروم کر سکے تاہم یہ اختیار بھی وہ رکھتا ہے۔ مگر جنکو اسنے محروم کر دیا ہے انکو پھر نہیں دے سکتا بلکہ وہ وقت غائب کا ہو جائیگا۔ اگر اسنے کہا ہو کہ دو میں نے انکو اس سال کی آمدنی سے محروم کیا، تو اس سال کی آمدنی میں انکا



کوئی حق نہ ہوگا بلکہ وہ غریب کو ملیگی۔

اگر کوئی شخص اپنی ام الولد یعنی اپنی اولاد کی مان پر اس شرط سے وقف کرے کہ اگر وہ میرے مرنے کے بعد دوسرا عقد کرے گی تو کچھ نہ پائیگی اور وہ عقد کرے بعد اس کے طلاق لے تو اس صورت میں اسکو کچھ نہ ملے گا مگر یہ کہ یہ شرط کر لی گئی ہو کہ جب وہ طلاق لے لیگی تو اسکو وقف کی آمدنی پھر دی جائیگی۔ علیٰ ہذا القیاس جب کسی شخص کی اولاد پر وقف کیا جائے سوائے اس اولاد کے جو شہر سے چلی جائے اور انہیں سے چند اشخاص شہر سے چلے جائیں مگر پھر مراجعت کریں۔ یا جب وقف کسی شخص کی اس اولاد پر کیا جائے جو تحصیل علم میں مشغول ہو اور انہیں سے بعض لڑکے تحصیل علم کو ترک کریں مگر بعد اسکے پھر تحصیل علم کرنے لگیں تو وہ سب وقف کی منفعت سے محروم ہونگے الا یہ کہ کوئی شرط اسکے خلاف کر لی گئی ہو۔ اور اگر کوئی شخص اپنی زمین اپنی اولاد اور اسکی نسل پر صدقہ موقوفہ دوا کرے اور انکے بعد غریب پر اس شرط سے کہ انہیں سے جو شخص حضرت امام اعظم ابو حنیفہ یا امام شافعی کی تقلید نہ کرے گا اس وقف کی منفعت سے محروم رہے گا تو جو لوگ امام اعظم یا امام شافعی کی تقلید ترک کر دیں گے انکو اسکی منفعت نہ دی جائیگی۔ اسی طرح سے اگر واقف نے کہا ہو کہ جب انہیں سے کوئی شخص مذہب اہل سنت و جماعت کو ترک کر کے رافضی ہو جائے تو وہ خارج کیا جائیگا۔ اس میں مرد اور عورت برابر ہیں اور جب یہ شرط کر لی جائے کہ جو شخص فرقہ حقہ سے یا اعتقادات حقہ سے انحراف کرے وہ خارج کیا جائے اور کوئی شخص دین حق کو ترک کر کے توبہ کرے اور پھر وہی دین اختیار کرے تو وہ وقف کی منفعت میں سے کچھ نہ پائے گا تا وقتیکہ کوئی شرط اس ضمن کی وقف میں نہ کر لی گئی ہو۔ علیٰ ہذا القیاس جب واقف نے کسی خاص مذہب کی تصریح کر کے کہدیا ہو کہ جو شخص اس مذہب سے منحرف ہو جائے اسکو اس وقف میں سے



کچھ نہ دیا جائے تو اس شرط کا ضرور لحاظ رکھا جائیگا۔ اسی طرح سے جب واقف نے یہ شرط کی ہو کہ یہ اگر میرے اقربا برہمن سے کوئی شہر بغداد سے چلا جائے تو اسکو کچھ نہ دیا جائے تو اس شرط کا بھی ضرور لحاظ رکھا جائے مگر یہ کہ اگر وہ شخص بغداد میں پہنچے تو پھر وقف کی منفعت میں سے اسکو دیا جائیگا۔

جن شرائط کا لحاظ رکھنا واجب ہے انہیں سے خصاف نے اس شرط کو قرار دیا ہے کہ ناظر زمین وقف کا پٹہ نہ دیکھا۔ پس اگر وہ اسکا پٹہ دیدے تو وہ پٹہ باطل ہوگا۔ اگر واقف یہ شرط کرے کہ مستولی اس زمین پر باغ لگا کر یا کاشت کر کے اسکی پیداوار کو زمین بانٹ سکتا یا یہ شرط کرے کہ جب ناظر یا مستولی اس زمین کا پٹہ لکھ دے تو اپنے عہد سے معزول کیا جائے۔ پس ایسی صورتوں میں اگر وہ ان شرائط کی خلاف ورزی کرے تو اپنے عہد سے معزول کیا جائے اور قاضی ایسے شخص کو مقرر کرے جسکو وہ جانتا کہ ان شرائط کی تعمیل کریگا۔

## فصل ششم

### مال وقف کا انتقال

زمین وقفی کو بذریعہ رہن یا دوسرے طور سے دو یا چاندروز کے لیے منتقل کرنا گو وہ انتقال مال وقف کی مرت یا کسی اور فائدہ کے لیے کیا جائے شرع محمدی میں قطعاً ناجائز ہے۔ لہذا جب کوئی جائداد ایک مرتبہ وقف کر دی گئی ہو تو اسی میں کوئی حق ملکیت نہیں باقی رہتا اور وہ بذریعہ بیع یا رہن یا سبب نہیں منتقل ہو سکتی نہ حقوق وراثت اسی میں جاری ہو سکتے ہیں۔

۱۔ فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۴۰۴۔ بیلی صاحب کی شرح حنفی صفحہ ۶۰۰۔ ۱۲ منہ ۱۵ مقدمہ مولوی عبداللہ بنام راج سری داسی۔ سلکٹ رپورٹ صدر عدالت دیوانی جلد ۷ صفحہ ۲۶۸ مطبوعہ ۱۳۳۵ھ و مقدمہ مسماۃ قادریہ بنام شاہ کبیر الدین احمد سلکٹ رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۴۰۔ و ابوالحسن



جو وقف مباح واقف نے اپنی حیات کیا ہو یعنی جہاں نفاذ اسکی وفات پر نہ موقوف رکھا گیا ہو وہ منسوخ نہیں ہو سکتا نہ اسپر اس بات کا اثر ہو سکتا ہے کہ وقف کے وقوع کے بعد خود واقف یا وہ لوگ جو اس کے احکام کی تعمیل کے لیے مقرر ہوئے ہوں کوئی ایسی بد اعمالی یا بد معاہدگی کریں جس سے وہ وقف لائق انتقال ہو جائے یا عدم قابلیت انتقال جو وقف کی لازم ماہیت ہے جاتی رہے۔

مگر یہ ثابت کروینا چاہیے کہ یہ زمین فی الواقع وقفی ہے۔ اگر صرف برائے نام وقف کی گئی ہو تو وہ وقف مانع انتقال نہ ہوگا۔

جو عطیہ کسی شخص کی ذات خاص کو اسکی معاش یا گزارہ کے لیے دیا گیا ہو وہ وقف نہیں تصور کیا گیا ہے۔ مگر یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اس عطیہ کی نوعیت میں اس کے وقت مخصوصہ سے تغیر ہو جائیگا۔ جب عطیہ عطیہ دار کو قطعی طور سے نہ دیا گیا ہو بلکہ اس غرض سے دیا گیا ہو کہ اسکی اولاد کے لیے ایک ذریعہ معاش مہیا ہو جائے تو شرع شریف کی رو سے وہ وقف جائز سمجھا جائیگا۔ پھر ملاحظہ کیجیے کہ جب عطیہ مثلاً زید کو وقف کے نام سے دیا گیا ہو اور کسی اور وقف زائد کا ذکر نہ کیا گیا ہو تو بھی زید کے مرنے کے بعد اس سے غریب و یتیم کو وقف پیدا ہو جائیگا اور زید کو اس چیز میں جو اسکو عطا کی گئی ہے حق ملکیت نہ باقی رہیگا

بنام حاجی محمد مسیح کر بلائی۔ سلکٹ رپورٹ جلد ۵ صفحہ ۷۷۔ وکلب حسین بنام سیف علی سلکٹ رپورٹ جلد ۵ صفحہ ۱۳۹۔ و مولوی عبداللہ بنام رضو دامجی۔ صدر دیوانی عدالت صفحہ ۱۹۲ مطبوعہ ۱۳۷۷ء۔ جمیون داس ساہو بنام شاہ کبیر الدین۔ مورس انڈین اسپلیس جلد ۲ صفحہ ۳۹۰ ویکلی رپورٹ جلد ۶ صفحہ ۳۰۔ وسید عیش الدین عرف کلامیان بنام سری متی درہو مائی۔ ویکلی رپورٹ جلد ۶ صفحہ ۵۵۔ ۱۲ سنہ ۱۹۷۷ء دیال چند ملک بنام سید کرامت علی۔ ویکلی رپورٹ جلد ۱۶ صفحہ ۱۶۔ ۱۲ سنہ ۱۹۷۷ء جادو نندن برال بنام کالی کمار گھوس صدر دیوانی عدالت صفحہ ۳۳ مطبوعہ ۱۳۷۷ء۔ و گنگا نرائن سرکار بنام ہندرابن چندر چوڈھری۔ ویکلی رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۱۴۲۔ ۱۲ سنہ ۱۹۷۷ء بی بی کنیز فاطمہ بنام بی بی صاحب جان۔ ویکلی رپورٹ جلد ۸ صفحہ ۳۱۳۔ ۱۲ سنہ۔



مگر جب کسی قابل وراثت جائداد پر وقف کا بار ڈالا جائے مثلاً کسی ولی یا پیر کی قبر پر وقف کیا جائے تو وہ اس طرح سے منتقل ہو سکتی ہے کہ وہ وقف اُس میں باقی رہے۔ ایسے مقدمات میں پہلا مترشح طلب یہ ہے کہ آیا وہ جائداد فی الواقع قابل وراثت ہے۔ اگر وہ جائداد فی الواقع وقف کی گئی ہے تو قابل وراثت نہ ہوگی۔ اگر وہ صاف طور سے وقف نہیں کی گئی ہے بلکہ صرف کسی ولی یا پیر کی قبر کے مصارف کے لیے دیدی گئی ہے تو بھی اس کا اثر شرعی عام ہی ہوگا۔ لیکن اگر وہ جائداد ہمیشہ قابل وراثت تصور کی گئی ہے تو صرف اس صورت میں وہ اصول جکاؤ کے مقدمہ مذکورہ حاشیہ میں کیا ہے جاری ہوگا اور وہ جائداد اس طور سے منتقل ہو سکتی ہے کہ وہ وقف اُس میں باقی رہے۔

مگر پتا ہر ہے کہ ایسے مقدمات میں عدالتوں نے شرع محمدی سے تجاوز کر کے یہ تجویز کیا ہے کہ کل منافع اس وقف کا امور مذہبی میں صرف کیا جائے تب یہ وقف صحیح ہوگا۔ چنانچہ مقدمہ فتویٰ بی بنام بھرت لال بھگت کا فیصلہ بالکل شرع محمدی کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ شرع محمدی میں وقف دائمی ناجائز نہیں ہے جیسے قانون انگلستان کے رو سے ناجائز ہے۔ لہذا جب کسی جائداد پر وقف کا بار ڈالا جائے اور وہ وقف بطور دائمی ہو تو وہ جائداد اسی مقصد کے لیے مجبوس سمجھی جائیگی اور قابل انتقال نہ ہوگی پس جن فیصلوں میں ایسے اوقاف قابل وراثت تجویز کیے گئے ہیں وہ اصول شرع محمدی کے موافق نہیں ہیں۔

بمقدمہ وال ریل صاحب بنام کھنڈکار غریب الاسلام یہ تجویز ہوا تھا کہ اگر کوئی عطیہ وقف مطلق ہو تو متولی اس کا پشہ اپنی مدت العمر سے زیادہ میعاد کا نہیں ہو سکتا۔

۱۔ مقدمہ فتویٰ بی بنام بھرت لال بھگت ویکلی رپورٹر جلد ۱ صفحہ ۲۹۹۔ ۲۔ مدت ۵ رپورٹ صدر دیوانی عدالت بطور نمبر ۱۷۰۰ صفحہ ۵۱۶۔ ۳۔ نیز مقدمہ شجاعت علی بنام ضمیر الدین۔ ویکلی رپورٹر جلد ۵۔



لیکن اگر متولی کا عہدہ موروثی ہے اور وہ ایک حق رعایتی اُس وقف میں رکھتا ہے تو وہ جائیداد قابل وراثت سمجھی جاگی جیسے ایسے وقف کا بار ڈالا گیا ہے جس کا حق ملکیت متولی اور اسکے ورثا کو دیا گیا ہے اور متولی اور اسکے ورثہ اس حق کو جو دیگر مالکان جائیداد کو حاصل ہے بے تکلف عمل میں لاسکتے ہیں یعنی اُس جائیداد کا پٹہ استمراری بھی دے سکتے ہیں مگر یہ سمجھنا مشکل ہے کہ مقدمہ مذکورہ بالا کے فیصلہ میں وقف مطلق سے کیا مراد ہے۔ اگر یہ مراد ہے کہ وہ وقف بالکل امور مذہبی کے لیے سمجھا جائے تو یہ اسے یقیناً غلط ہے اس واسطے کہ یہ بخوبی ثابت ہو چکا ہے کہ اوقاف اطفال وغیرہ پر کرنا بلکہ واقف کا خود اپنے نفس پر وقف کرنا جائز ہے۔ ایسی صورتوں میں بھی متولی موقوف علیہم کی طرف سے امین ہوتا ہے۔ پس کیا وہ برضا مندی یا بلا رضا مندی موقوف علیہم یا دیگر حقداران وقف اگر وہ خود بھی ایک حقدار ہو) موروثی پٹہ دے سکتا ہے؟ نہیں۔ وہ نہیں دے سکتا اس واسطے کہ اگر وہ موروثی پٹہ دے سکے تو اس سے اُن حقداروں کے حقوق کو ضرر پہونچے گا جو حقداران موجودین کے جانشین یا قائم مقام ہونگے۔

اس بحث میں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر مصارف چند روزہ جائیداد وقفی سے دیدیے جائیں تو اس سے وہ وقف باطل ہو جائیگا۔ اور مذہبی کاموں کے صرف موقوف ہو جانے سے وقف باطل ہو سکتا ہے۔

جو زمین مسلمان کا مال ہو اور حسین قبرین بنی ہوں وہ بعت اجرائے دگری فروخت نہیں ہو سکتی۔ اور نہ مقبرہ منتقل ہو سکتا ہے کیونکہ وہ وقف بطبع ہے۔ جب زمین عموماً قبرستان کے لیے وقف کی جائے تو وہ وقف صحیح ہوگا اور وقف کے

۱۔ نظر الحق نام ہراج دہلوی ہیکلی رپورٹ جلد ۱۳ صفحہ ۲۳۵-۲۳۶ مقدمہ دیال چنڈ  
نام سید کریم علی۔ ہیکلی رپورٹ جلد ۱۶ صفحہ ۱۱۶۔ رپورٹ صدر دیوانی عدالت بنگالہ صفحہ ۳۸ مطبوعہ  
۱۸۶۱ء منہ ۱۷ رپورٹ صدر دیوانی عدالت مالک مغربی و شمالی صفحہ ۲۵ مطبوعہ ۵ دسمبر ۱۸۶۲ء منہ ۱۸



ورثہ کو وراثت گناہ ملیگا۔ مگر تا وقتیکہ زمین وقفی پر کوئی مقبرہ نہ بنا ہو صرف اسپر چند  
قبور کا ہونا مانع اسکی تقسیم کا نہیں ہے بجز اس مقام خاص کے جہاں قبرین  
ہی ہوں۔

ایک مقدمہ میں کچھ اراضی انعامی جو مسجد کے لیے وقف کی گئی تھی بعلت  
ابراہیم ڈگری قرق کی گئی اور وہ ڈگری اس جائداد کے مرتن نے اصل  
عطیہ دار کے ورثہ پر جسے اسکو رہن رکھا تھا حاصل کی تھی۔ اس مقدمہ میں عدالت نے  
یہ تجویز کیا کہ یہ رہن از روئے شرع محمدی ناجائز تھا کیونکہ جوار ارضی امور مذہبی کے لیے  
وقف کی گئی ہو اسکو کوئی وارث اصل مالک راضی کا بیع یا رہن نہیں کر سکتا لہذا  
عدالت نے اس میں اتفاق کیا کہ یہ قرقی اٹھا لینی چاہیے۔

مگر بعض حالات مخصوصہ میں متولی قاضی کی منظوری سے مال وقف کو کلایا  
جزیراً رہن رکھ سکتا ہے جیسا سابق میں بیان کیا گیا بلکہ اسکے ایک جز کو  
مقتل بھی کر سکتا ہے۔ مگر جب ایسا فعل بلا اجازت قاضی کیا جائے تو وہ قطعاً  
باطل اور غیر موثر ہے۔

بمقدمہ مولوی عبداللہ بنام راج سری داسیا و یک کس دیگر مدعی نے  
(جو صدر کورٹ میں اپیلانٹ تھا) ایک مسجد کے متولی پر اس اراضی کے لگان کی  
مائش کی جو اس مسجد سے متعلق تھی۔ اور مدعا علیہا نے یہ بیان کیا کہ اس مسجد کے  
متولی سابق محمد افضل نے میرے شوہر سے پچاس روپیہ اسکی مرمت کے لیے  
قرض لیے تھے اور اسکے پاس آٹھ کوڑہ زمین اور تالیاب تین سال کے لیے رہن رکھا تھا

۱۵ رپورٹ صدر دیوانی عدالت بنگالہ جلد ۶ صفحہ ۱۳۶ مطبوعہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۲ء ۱۲۱ منہ  
۱۶ سلکٹ رپورٹ صدر عدالت بمبئی۔ صفحہ ۲۰۴۔ مطبوعہ ۱۹۳۹ء ۱۲۱ منہ ۵۳ سلکٹ  
رپورٹ جلد ۶ صفحہ ۶۶۱-۱۲۱ منہ۔



اور رہن نامہ نمونہ ۹ جیٹھ ۱۹۱۹ء فصلی دین یہ شرط لکھی تھی کہ اس قرضہ کا سود ایک روپیہ ماہواری  
تین برس تک دیا جائیگا اور بعد انقضائے مدت سے سال کے اگر قرضہ نہ ادا  
کیا جائیگا تو وہ کوئٹہ زمین کا لگان پانچ روپیہ سالانہ کے حساب سے اس قرضہ کے  
معاوضہ میں اُسکے ہاتھ بیع کیا جائیگا اور اس مالاب کا لگان ایک روپیہ ماہواری  
مستولی کو مصارف مسجد کے لیے دیا جائیگا۔ مدعا علیہا نے یہ بحث کی کہ چونکہ یہ قرضہ  
محمد افضل نے مسجد کی مرمت کے واسطے لیا تھا اور زر رہن ادا نہ کیا تھا لہذا  
اُسکا جائنشین یعنی مدعی اُس معاہدہ کا پابند ہے۔ عدالت ابتدائی نے مدعی کے  
دعوے کی ڈگری کی مگر عدالت اپیل ماتحت نے اُسکے فیصلہ کو اس وجہ سے منسوخ  
کیا کہ چونکہ مستولی سابق نے یہ رہن مسجد کے فائدہ کے لیے رکھا تھا لہذا یہ رہن  
جائز ہے۔ جب مدعی نے اپیل ثانی کیا تو صدر کوٹ نے مفتیان شرع کے فتوے کے  
موافق یہ تجویز فرمایا کہ جو زمین امور مذہبی کے لیے وقف کی گئی ہو اُسکو اور اُسکی  
آمدنی یا پیداوار کو بذریعہ رہن منتقل کرنا نہیں جائز ہے اور ایسے انتقال کے  
محرم جواز میں اس امر کو کچھ دخل نہیں ہے کہ وہ زمین مسجد کی مرمت یا اور کسی فائدہ  
کے لیے رہن رکھی گئی تھی۔

جب جائداد وقفی کی بیع اس وجہ سے منسوخ کی جائے کہ یہ جائداد قابل انتقال  
نہیں ہے اور اس عرصہ میں مشتری نے اتفاقاً اس پر کچھ چیزیں بیوالی ہوں تو وہ اسکا  
مستحق ہے کہ انکو وہاں سے اٹھا لیجائے بشرطیکہ اُنکے اٹھا لیجانے سے مال وقف  
کو کچھ ضرر نہ پہونچے۔ اگر انکو اٹھا لیجانا بلا ضرر رسانی مال وقف غیر ممکن ہو جیسے مثلاً  
مشتری نے اُس زمین پر درخت لگائے ہوں تو قاضی کو اختیار ہے کہ اگر مناسب سمجھے  
تو کچھ معاوضہ اُسکو دلوادے بشرطیکہ ان اشیاء سے جو اُس میں وقفی پر بنائی گئی ہوں  
اُسکی قیمت میں افزائی ہوئی ہو۔ اگر اصل مکان وقفی کو گروا کر کوئی مکان وغیرہ بنوایا ہو



یا و رخت آن قلمون کے لگائے ہوں جو مال وقف سے لیے گئے ہوں تو مشتری کا معاوضہ پانے کا مستحق نہ ہوگا۔ بلکہ بائع سے فقط وہ قیمت پھیر لینے کا مستحق ہوگا جو اُس نے دی ہے۔ کسی غیر سے جو مشتری یا اور کسی شخص نے مکان وقفی میں کیا ہو اس وقف کی حقیقت نہ بدل جائیگی۔ مشتری اُس نقصان کا ذمہ دار ہوگا جو اس وجہ سے کہ اُس نے مکان وقفی میں کچھ تغیر کیا ہے یا اس میں کچھ اضافہ کیا ہے اس میں واقع ہوا ہو اور اس کو اس کی حالت اصلی پر بحال کر دینے کا ذمہ دار ہوگا اور کسی اصلاح کا معاوضہ پانے کا مستحق نہ ہوگا تا وقتیکہ وہ اصلاح مکان وقفی سے علیحدہ ہونے کے قابل نہ ہو۔

اگر مشتری نے کوئی ایسی چیز بنوائی ہو جس سے مال وقف کو فائدہ ہوا ہو تو اس کو وہ اٹھا لیجانے کا مستحق نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص پُرانے تنور سے بہتر تنور وٹیاں پکانے کے لیے بنوائے تو وہ اس کو نہیں اٹھوا لیجا سکتا نہ اس کا کچھ معاوضہ پانے کا مستحق ہے لیکن اگر اُس نے لالٹینیں لگوائی ہوں تو ان کو اٹھا لیجا سکتا ہے یا اگر ان کو وہاں رہنے دے تو معاوضہ پانے کا مستحق ہوگا۔

مشتری مکان وقفی کی وہ قیمت پانے کا مستحق ہے جو اس کی بیع کی منسوخی کے وقت ہو وہ قیمت پانے کا مستحق نہیں ہے جو اُس نے دی ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص دس ہزار درہم کا مکان خرید کر اس میں رہے اور وہ مکان شکست ہو جائے تو جب اس کی بیع منسوخ کی جائے تو وہ قیمت پانے کا نہ مستحق ہوگا جو اُس نے اُس مکان کی دی تھی۔ اگر اس کی قیمت زیادہ ہو گئی ہو تو مشتری اُس اضافہ کے پانے کا مستحق ہوگا۔

اگر اس کا کوئی ثبوت نہ ہو کہ اس وقف کی منفعت کے کون لوگ مستحق ہیں یا متولیان سابق نے اس کی آمدنی کو کس طور سے صرف کیا تھا تو وہ وقف غریب کے مصرف میں لایا جائیگا۔

جب کوئی وقف عذرات شرعی سے منسوخ کیا جائے یعنی اس وجہ سے منسوخ



کیا جائے کہ یہ وقف شرط ناجائز ہے تو مال وقف واقف یا اسکے ورثہ پر عود کر گیا اور جب وہ منون تو بیت المال میں داخل ہوگا۔ جب تک وہ وقف قائم رہے گا مال وقف بیت المال میں نہ جائیگا بلکہ غبار و مساکین کی پرورش میں صرف کیا جائیگا یا اور کسی کا رخی میں صرف کیا جائیگا جس سے رفاہ عام متصور ہو۔

جو وقف عام سلطان یا حاکم وقت نے کیا ہو وہ بوجہ عدم حوازا یا اور کسی وجہ ہرگز نہیں منسوخ ہو سکتا مثلاً اگر سلطان یا امیر مسجد یا قبرستان یا تالاب یا نہر یا اور ایسے ہی مقاصد کے لیے وقف کریں یا علماء و فضلاء یا طلبہ علوم کے لیے وقف کریں تو وہ نہیں منسوخ ہو سکتا اگرچہ اس وقف کے انتظام میں قاضی مقتضی مصلح وقت وقتاً فوقتاً تغیر و تبدل کر سکتا ہے۔

کوئی شخص ایک مکان اپنی زوجہ کے رہنے کے لیے وقف کرے اور پھر مر جائے اور اسکی زن بوجہ عقد ثانی کرے تو اسکا حق سکونت اس مکان میں جاتا رہیگا اور اگر اسکا دوسرا شوہر اسکو طلاق بھی دیدے تو بھی وہ حق اسکو نہ ملیگا۔ جب کوئی مکان چند اشخاص کی سکونت کے لیے وقف کیا گیا ہو تو وہ اسکو آپس میں نہیں تقسیم کر سکتے ہیں۔ مگر جب کسی خاندان کے لوگوں کی سکونت کے لیے وقف کیا گیا ہو تو آپس میں صرف وہ اشخاص رہ سکتے ہیں جو ایک دوسرے کے محرم شرعی ہوں الایہ کہ وہ مکان ایسے کمرون یا مجرون میں منقسم ہو جنہیں کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکے بے اسکے کہ کوئی نامحرم جو اسی مکان میں رہتا ہو ان دونوں کی معاشرت باہمی میں منخل ہو مثلاً اگر کوئی مکان اس خاندان کی سکونت کے لیے وقف کیا جائے جس میں دو بیابے ہوئے بیٹے اور دو بیابہ بیوی بیٹیاں ہوں اور بیابہ بیوی بیٹیوں کے شوہر اسی مکان میں رہیں تو بیٹیوں اور بیٹیوں کے رہنے کے علاوہ علیحدہ علیحدہ حجرے ہونے چاہئیں۔



## بارہواں باب فصل اول

احکام وقف موافق مذہب شیعہ

مذہب شیعہ میں وقف وہ فعل ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کا عین محبوس ہو جاتا ہے اور اس کی منفعت بے قید رہتی ہے۔ جو اہر الکلام میں وقف کا مقصد یہ لکھا ہے کہ کسی چیز کا خدا کی راہ میں دوا جاری رکھنا جس لفظ سے وقف ہو سکتا ہے وہ وقف ہے یعنی وقف کیا میں نے۔ مگر اور کسی لفظ سے بھی ہو سکتا ہے جس سے وقف کا منشا ظاہر ہو جائے جیسا شرع حنفی کی بحث میں بیان کیا گیا۔ جو اہر الکلام میں لکھا ہے کہ شرع میں کوئی ایسا حکم نہیں ہے جس کی رو سے وقف سوائے لفظ وقف اور کسی لفظ سے ہو سکے مثلاً وقف لفظ حرامیت اور تصدقات سے بھی ہو سکتا ہے مگر چونکہ ان الفاظ سے دوام و استمرار نہیں ثابت ہوتا لہذا وقف کی نیت کو ظاہر کرنا ضرور ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ واجب وقف کا قصد وقف کرنے کا صاف ظاہر ہو تو چاہے جو لفظ اسے استعمال کیا ہو وہ وقف لا کلام نافذ ہوگا۔ اگر کوئی شخص ایسا لفظ استعمال کرے جس سے وقف کے معنی پیدا ہوں اور بعد ازاں اقرار کرے کہ اس کا مقصد اس سے وقف کرنا تھا تو وہ وقف نافذ ہوگا۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے یہ مکان غریبہ دوا وقف کیا تو یہ وقف ہوگا۔ اگر وہ کہے کہ میں نے یہ جسر کے راہ خدا میں یا یہ کہ میں نے یہ مال صبر کے ہسکا منافع خدا کی راہ میں یا تو یہ بھی وقف ہوگا۔



جامع الاحکام

جب وقف صحیح کیا گیا ہو تو ہبہ کے الفاظ کہنے سے اسکی تحقیق نہیں بدل چاہی۔  
 یہ بحث بمقدمہ فیہ بی بی وغیرہ بنام حاجی محمد کاظم اصفہانی وغیرہ پیش ہوئی تھی  
 جسکا فیصلہ کیٹ صاحب بٹس نے اسرار ماریج ص ۳۷۷ ارغ کو ذاب سیدی نظیر علی خان  
 کے وصیت نامہ کے معنی پر غور کامل فرما کر کیا تھا۔ نواب موصوف نے  
 اپنے وصیت نامہ میں اپنی ساری جائیداد اپنے وصی کے نام لکھ دی تھی جسکے وارث  
 ہونے کے مدعی مدعیان تھے مگر بطور وقف کے لکھی تھی جو بالکل موقوف علیہ کی  
 رائے پر موقوف تھا۔ مدعیوں نے یہ بحث کی کہ موصی نے یہ جائیداد اپنے وصی  
 میر محمد کاظم کو مطلقاً و قطعاً ہبہ کی تھی۔ مدعا علیہم نے یہ حجت کی کہ اگرچہ لفظ وقف  
 وصیت نامہ میں نہیں لکھا ہے جو انگریزی زبان میں اور انگریزی طریقہ سے  
 تحریر ہوا ہے تاہم یہ وقف جائز ہے۔

عالم حج نے اصل امر مبحث عنہ کی نسبت بعبارت ذیل تجویز لکھی۔  
 یہ بحث کی گئی ہے کہ اس وصیت نامہ کے ذریعہ سے میر محمد کاظم  
 اپنی جائیداد صرف برائے نام وقف کی ہے اور اسکی نیت یہ نہ تھی کہ اسکی تعمیل کی جائے  
 ۔ فرق ثانی کے کو نسلی فلپس صاحب نے جس مقدمہ پر بہت بھر دیا وہ مقدمہ  
 مارس بنام شیپ آف ڈرہیم تھا مگر میرے نزدیک اس مقدمہ میں اصل امر متقبح طلب یہ  
 نہیں ہے کہ آیا وقف صحیح و صالح ہوا ہے یا نہیں بلکہ یہ ہے کہ آیا مدعیہ کے دعویٰ میں  
 کامیابی ہوگی تاوقتیکہ وہ یہ ثابت کرے کہ موصی کا منشاء یہ نہ تھا کہ میر محمد کاظم بطور  
 متولی کے اس جائیداد کو لے۔ اگر موصی کا ارادہ یہ تھا کہ میر محمد کاظم بطور متولی کے لے  
 تو وہ کوئی حق رعایتی نہیں پاسکتا یا اس جائیداد سے منتفع نہیں ہو سکتا وصیت نامہ  
 لکھا ہے کہ میر محمد کاظم بطور متولی کے لے۔ پس اسکا بار ثبوت مدعیہ پر ہے کہ موصی کا  
 منشاء یہ تھا کہ میر محمد کاظم اس جائیداد کو بالکل بطور مالک کے لے۔ اس میں شک نہیں ہے



کہ کچھ حصہ اس جائداد کا مثل مسجد وغیرہ کے وقفی ہے پس یہاں تک تو میر محمد کاظم متولی کا  
 مگر مستقل آمدنی کی نسبت یہ بحث کی گئی کہ میر محمد کاظم اسکا مالک مطلق ہے۔ وصیت نامہ  
 تو یہی لکھا ہے کہ وہ صرف بطور متولی اس جائداد کو لے گا۔ اگر یہ کہا جاتا کہ متولی کا عہد متولی ہے  
 تو مدعیہ کی بحث کہ کچھ قوت ہو جاتی۔ مگر ایسا نہیں ہوا ہے۔ یعنی یہ نہیں کہہ سکتے کہ میر محمد کاظم  
 کے ورثہ کو اس جائداد میں حق انتفاع دیا گیا ہے جبکہ ہر متولی کو اختیار ہے کہ اپنی جگہ پر  
 دوسرے شخص کو متولی مقرر کرے۔ پس اب مجھکو وصیت نامہ کے مختلف فقرات پر جو متولیوں کے  
 تقرر اور ذمہ داریوں سے متعلق ہیں غور کرنا چاہیے۔ اگر میر اس مقدمہ کا فیصلہ بحیثیت ایک  
 جج کے نہ کرتا تو شاید میں یہ کہہ سکتا تھا کہ فیظیر علی خان کا منشاویہ تھا کہ یہ جائداد میرے دوست  
 کی اولاد کو وراثت ملے اور انہیں سے ہر شخص اپنے اختیار تقرر متولی کو اپنے وارث کے  
 حق میں عمل میں لائے یعنی اپنے بعض ورثہ کو متولی مقرر کرے۔ مگر وصیت نامہ کی عبارت  
 ایسی صریح و واضح ہے کہ شاید اسکے معنی میں میر اپنے قیاس کو کچھ دخل نہیں دے سکتا پھر  
 یہ بھی بحث کی گئی ہے کہ صرف یہ امر کہ وصی اس آمدنی سے جو صرف نہیں ہوئی ہے خود  
 منتفع ہو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وصی کی نیت تمام یہ تھی کہ ایک حق انتفاع پیدا ہو  
 اور فی الواقع اسے ایسا حق پیدا کیا۔ جو مقدمات بطور نظائر پیش کیے گئے ہیں انکو میں  
 نظر تفصیلی سے نہیں دیکھوں گا بلکہ صرف اس پر اکتفا کرتا ہوں کہ جن مقدمات کا حوالہ اسٹرکٹڈ میو  
 سٹر امیر علی نے دیا ہے علی انخصوص مقدمہ جان بی بی بنام عبد اللہ حجام اور مقدمہ  
 ایڈووکیٹ جنرل بنام فاطمہ بی بی اُن سے یہی ثابت ہوتا ہو کہ کچھ قیاس اس امر سے نہیں ہو سکتا  
 کہ وصی نے لکھا ہے کہ بقیہ آمدنی سے متولی خود منتفع ہو جب یہ ہوا تو میرے نزدیک  
 مدعیہ کی بحث نہیں چل سکتی اور یہ جو نتیجہ قرار دی گئی ہے کہ آیا فیظیر علی خان کی جائداد  
 ایک جزو میر محمد کاظم کی جائداد کا ہے یا نہیں ہے اسکا تصفیہ بصیغہ نفی کرنا چاہیے  
 یعنی یہ کہنا چاہیے کہ نہیں ہے۔



شریع الاسلام میں وقف کی تعریف یہ لکھی ہے کہ "وقف ایک معاملہ یا  
 معاہدہ ہے جسکا اثر یا نتیجہ یہ ہے کہ عین المال مجبوس ہو جاتا ہے اور اسکی منفعت یہ قید  
 رہتی ہے صرف ایک لفظ خاص سے وقف ہو سکتا ہے یعنی لفظ وقف سے یعنی وقف  
 کیا۔ اب ہا لفظ خاصیت یا صدقت یعنی مرام کیا یا صدقہ یا سو یہ الفاظ وقف کے لیے  
 کافی نہیں ہیں تا وقتیکہ انکے ساتھ کچھ قرائن نہ موجود ہوں کیونکہ فی نفسہ ان الفاظ میں وقف کے  
 سواے اور تاویل بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ وقف کی نیت سے استعمال کیے گئے ہوں  
 تو انکی پابندی اس شخص پر جسے انکو استعمال کیا ہے ایسا تا فرض ہے کہ قرائن سے انکے  
 معنی کی تعیین نہ ہو سکے۔ اور اگر واقعہ اقرار کرے کہ میں نے یہ کلمات وقف کی نیت سے  
 کہے تھے تو اسی کے قول کو دلیل گردان کر فیصلہ اسکے خلاف کیا جائے۔ بلکہ بعض  
 علما کا یہ قول ہے کہ اگر کوئی شخص کہے حبست یا سبتت تو بھی وقف ہو جائیگا گو قرائن  
 یہ معنی نہ نکل سکیں اسواسطے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ حبسوا الأصل و  
 سئلوا النشاء یعنی اصل کو روک رکھو اور پھل کو دوے ڈالو۔ مگر بعض علماء نے فرمایا ہے  
 کہ ایسی صورت میں وقف نہ ہو گا تا وقتیکہ قرائن دال نہ ہوں اسواسطے کہ ان الفاظ سے  
 عموماً وقف کے معنی سمجھے جائینگے اور قباض جواز وقف کی شرط ضروری ہے اور  
 قول راجح یہی ہے مگر اس اصول کو بھی ان شرائط سے مشروط سمجھنا چاہیے جنکا ذکر شرع  
 حنفی کے ضمن میں کیا گیا یعنی قباض واقعی یا تبدل قبضہ صریحاً شرط نہیں ہو بلکہ انتقال  
 ضمنی یا مجازی کافی ہے مثلاً واقعہ کو خود اپنے تئیں متولی مقرر کرنا جائز ہے۔ اس  
 صورت میں تبدل قبضہ نہیں ہو سکتا ہے۔ پس اس اصول کا انشاء متولی کا قباض واقعی یا حقیقی  
 نہیں ہے بلکہ اسکے قبضہ کی نوعیت کا بدل جانا ہے۔ اس صورت میں بغایت میں لکھا ہو کہ  
 واقعہ اپنا حق مال وقف پر عمل میں لاتا ہے اور اپنے قبضہ کی نوعیت میں کچھ تغیر نہ کرے  
 تو وہ وقف نافذ نہ ہوگا۔ جب وقف کسی رفاہ عام کے لیے کیا جائے تو قباض حقیقی ضرور



نہیں ہے بلکہ کسی شخص کا اسکو استعمال میں لانا جواز وقت کو کافی ہے۔  
جواہر الکلام میں لکھا ہے کہ جب وقت بطور صدقہ کیا جائے تب بھی اقباض  
شرط نہیں ہے۔ یہی حال مسجد یا اور کسی مصلحت عامہ کا بھی ہے۔ ان صورتوں میں  
صرف عدم اقباض سے وقف نہ باطل ہوگا۔ مگر جب موقوف علیہ مال وقف پر قبضہ  
کرنے کے قابل ہوں یا انکی طرف سے دوسرا شخص قبضہ کر سکتا ہو مگر ایسا نہ کیا جائے  
تب وقف غیر موثر ہے۔

جب ان سب شرائط کی تعمیل ہو جائے چنانچہ مکمل وقف موقوف ہے تو  
وقف نامہ طق ہو جائیگا (بشرطیکہ بحالت صحت نفس کیا گیا ہو) اور علماء رشید کے  
نزدیک قابل تنسیخ نہ رہیگا۔ جواہر الکلام میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں ابوحنیفہ نے  
اسے اختلاف کیا ہے اگرچہ خود انکے شاگرد ابو یوسف نے بعد ازاں اسے  
اختلاف کیا۔ اگر مال وقف کا قبضہ ایک مرتبہ تبدیل ہو جائے یا وقف کے تحت  
تصرف نہ رہے یا موقوف علیہم کے قبضہ میں یا انکی طرف سے متولیوں کے اختیار میں  
آجائے تو واقعہ اس وقف کو کہیں منسوخ کر سکتا نہ اس کے شرائط کو بدل سکتا ہے نہ اسکو  
راہ خدا سے یا ان مقاصد سے جن مقاصد سے وقف کیا گیا ہو پھر سکتا ہے۔

یہ سب اس وقف سے متعلق ہے جو عالم صحت میں کیا گیا ہو۔ لیکن اگر  
وقف اس حالت میں کیا گیا ہو جبکہ واقعہ مرض الموت کی حالت میں ہو تو گنا جائز  
میں بشرط رضا مندی ورثہ نافذ ہوگا ورنہ صرف ثلث مال واقعہ میں نافذ ہوگا۔ ہوا  
کہ وقف مثل اور افعال کے ہے جو فوراً نافذ ہوتے ہیں جیسے مہربان یا دیگر تصرفات  
شرعیہ۔ اگر مال وقف ثلث مال پر حاوی ہے تو کل وقف جائز ہے۔ اگر ثلث پر  
نہیں حاوی ہے تو بشرط وقف باعتبار اپنے تقدیم کے نافذ کی جائیگی یہاں تک کہ  
ثلث مال تمام ہو جائے۔



شرائع الاسلام (صفحہ ۲۳۴) میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص مرغن الموت کی حالت میں وقف کرے اور مہبہ اور بیع کرے اور غلام آزاد کرے اور ان افعال کے اسکے ورثہ نہ رہنی ہوں تو وہ اس وقت جائز ہوئے جبکہ انکا نفاذ ثلث مال میں ہو سکے ورنہ انکو بلحاظ تقیم زمانی ترجیح دیجائے گی اور ہر فعل کا نفاذ علی الترتیب کیا جائیگا یہاں تک کہ ثلث مال تمام ہو جائے بعد اسکے جو فعل باقی رہ جائیگا وہ باطل ہے۔

وہ معاملات شرعی جو صاحب معاملہ کے حین حیات جاری ہوں اور جو اسکے بعد مات نافذ ہوں ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ پہلی قسم کے معاملات میں ثلث جائداً موجودہ کالیا جائیگا اور دوسری قسم کے معاملات میں یعنی وصایا میں جائداد کی حالت بعد وفات موصی دیکھی جائیگی۔ اگر وقف میں متعدد وصیتیں داخل ہوں اور یہ تجویز کرنا کہ کسی کو کسی وصیت مقدم رکھی جائے یعنی جب سب وصیتیں بدرجہ مساوی اہم و ضروری ہوں تو اس صورت میں شیخ مرقی علیہ السلام کے نزدیک سب وصیتیں نافذ کی جائیں اور وہ ثلث میں وقف نافذ ہو سکتا ہے سب مقاصد کے اجراء میں صرف کیا جائے۔ شریعہ الاسلام میں لکھا ہے کہ جو جب کسی نے کچھ جائداد میں وصیت واسطے ادا کرنے چند فرائض کے کی ہو جنہیں سے بعض موصی پر فرض ہوں اور بعض میں اسکو اختیار ہو تو ان سبکو بجا لانا چاہیے بشرطیکہ ثلث مال موصی اس مقدمہ کے لیے کافی ہو جائے۔ اگر ثلث کافی نہ ہو اور ورثہ راضی نہ ہوں تو موصی کے مجموع مال سے پہلے وہ فرائض ادا کیے جائیں جو موصی پر اور جو کچھ باقی رہ جائے اسکے ثلث سے دیگر فرائض کی تعمیل کی جائے اور ابتداء اس فرض سے کی جائے جسکو موصی نے پہلے کہا ہو اور اسی طرح علی الترتیب تعمیل کی جائے لیکن اگر انہیں سے کوئی واجب عینی نہ ہو بلکہ سب واجبات کفائی یا تخیری ہوں تو صرف ثلث مال میں نافذ ہونگی اور ابتداء اس کام سے کی جائیگی جسکو موصی نے پہلے کہا ہو



اور یہی علی الترتیب کیا جائے یہاں تک کہ ثلث تمام ہو جائے۔

## فصل دوم

### شرائط متعلقہ مال وقف

یہ شرطیں چار ہیں۔ (۱) شے موقوف کو چاہیے کہ شے ماثری ہو۔ (۲) اسکو چاہیے کہ واقف کا ملک ہو۔ (۳) اسکو چاہیے کہ جب تک باقی رہے قابل اتفاع ہو یعنی اس سے کچھ منفعت مل سکے۔ (۴) اسکو چاہیے کہ قابل اقباض ہو یعنی اسپر قبضہ ہو سکے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ جب کوئی چیز خارج میں نہ موجود ہو تو اسکا وقف نہیں جائز ہے مثلاً قرضہ جو کسی کا واجب الادا ہو اسکو وقف کرنا نہیں جائز ہے۔ اس طرح سے شرف خارجی کا وقف نہیں جائز ہے اگر اسکی تصریح تعیین خاص طور سے نہ کر دی جائے مثلاً کوئی شخص کے کہ میں نے ایک مکان وقف کیا تو ایسا وقف ناجائز ہے تا وقتیکہ وہ یہ تصریح نہ کرے کہ کون مکان اُسے مراد لیا ہے۔ شرائع الاسلام میں لکھا ہے کہ عتقار اور اراضی اور مکان اور لباس اور سباب اور آلات مشروع کو وقف کرنا جائز ہے خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز کا وقف جائز ہے جسکے استعمال یا تصرف سے اتفاع جائز ہو سکے بشرطیکہ اسکا عین باقی رہے۔ مثلاً پالو گتے یا بلی کا وقف جائز ہے کیونکہ اُس سے فائدہ ہونا ممکن ہے۔ اور مفاتیح میں لکھا ہے کہ دین کسی شے غیر معین کو وقف کرنا اس وجہ سے ناجائز ہے کہ وہ غیر مشخص و غیر مقرر ہے۔ آخر الذکر مسئلہ میں اور اس مسئلہ میں بھی کہ آیا درہم و دینار یعنی روپیہ وقف کرنا جائز ہے طری بڑی قشیں میں جو اہر الکلام میں اس بحث کو طویل دیا ہے جسکا خلاصہ یہ معلوم ہوا ہے کہ بعض

اہل کھانا وغیرہ وقف کرنا اسوجہ نہیں جائز ہے کہ وہ استعمال میں تمام ہو جاتا ہے مگر پھول عموماً اور قندیلین اور چٹائیاں وقف کرنا اس شرط سے جائز ہو کہ انکو وقف کرنے کا رواج ہو اسکا ظاہر ہے کہ یہ حکم شرع کیسا وسیع ہے اور آدمی کو شرع کے باطن یا انتشار پر نظر کرنا چاہیے اسکا ظاہر نہ دیکھنا چاہیے مگر اس مقدمہ میں کہ آیا درہم و دینار وقف کرنا جائز ہے یا نہیں بعض علما کا قول یہ ہے کہ جائز ہے



فقہ میں علماء شیعہ مثل صاحب شرائع الاسلام اور مفتی ایسے وقف کے عدم جواز پر اہل ہین گشتیج مرتضیٰ  
 علم الہدیٰ اور ان علماء نے جنکے اقوال اس زمانہ کی ترقی کے موافق ہین فرمایا ہے کہ منفعت اور  
 روپیہ وقف کرنا اس حالت میں جائز ہے جبکہ وہ ہمیشہ تجارت میں صرف کیا جائے اور اس سے  
 دائمی ہو جیسا اس تقریر میں بیان چکا ہے جو شرع حنفی کے باب میں سابق میں لکھی گئی یہی قول بغیر شدہ  
 حالت تمدن کے موافق ہے جس اصول کے بموجب متقدمین علماء شیعہ نے یہ فرمایا ہے کہ روپیہ و منافع وقف  
 کرنا نہیں جائز ہے وہ اصول ہے کہ اسی چیزوں کو کچھ ثبات و قیام نہیں ہوتا یعنی جس صدقے سے وہ وقف  
 کی گئی ہین ان مقاصد میں صرف ہو جاتی ہین مگر جب یہ کسی تجارت میں لگایا جائے جس سے  
 منفعت حاصل ہو تو یہ عذر جو متقدمین کے نزدیک ایک عذر قوی تھا بالکل ضعیف ہو جاتا ہے اسوجہ  
 مشائیر علماء شیعہ نے ایسے اوقات کو جائز رکھا ہے۔ اگر شرطیوں کی تصریح نہ کر دی گئی ہو مگر تحقیق  
 دریافت ہو سکتی ہو تو اسکا وقف جائز ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص مومن مکان رکھتا ہو اور کہے کہ میں نے  
 اس میں سے ایک مکان وقف کیا ہے یعنی یا یہ مکان یا وہ مکان تو ایسا وقف جائز ہوگا۔  
 جواز وقف کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ مال وقفی واقع کا مال ہو ورنہ وقف ناجائز ہے  
 لکن اگر دوسرے شخص کے مال کو وقف کیا ہو اور وہ شخص اسکی تصدیق کرے تو وقف جائز ہو جائے گا۔  
 مال مشاع یعنی کسی چیز کے جزو غیر منقسم کا وقف جائز ہے اور اگر اسی طرح قبضہ  
 کیا جائیگا جس طرح معین کیا جاتا ہے۔

ایک شرط وقف کی یہ بھی ہے کہ واقف بالغ ہو اور رشید بھی ہو یعنی عقل کامل  
 رکھتا ہو اور اپنے مال میں تصرف کی قابلیت رکھتا ہو یعنی عدم قابلیت تصرف کی وجہ

اور میرے نزدیک جو طہی ہے کیونکہ یہ قول متقدمین کا ہے اور مبسوط میں لکھا ہے کہ بجز چند علماء کے اور سب کا  
 اجماع اس پر ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ درہم و دینار صرف ہو چاہیں ان سے کچھ منفعت نہیں مل سکتی اور اس اصول خلاف  
 کہ مال وقف کو چاہیے کہ ہمیشہ موجود رہے اور اسکی منفعت غریب کو دی جائے اور امور خیر میں کی جائے۔ مگر جب کسی چیز کی منفعت  
 ہمیشہ موجود رہے جیسے شہد کا چھتا تو اسکا وقف جائز ہے۔ جواہر الکلام ۱۱۸ منہ ۱ جامع اشتات ۱۲ منہ۔



شرعاً ممنوع انصرف نہ ہو گیا ہو صاحب جواہر الکلام نے بجا فرمایا ہے کہ قابلیت تصرف عقل کامل پر موقوف ہے اور شرح لمعہ میں صرف سلیم العقل ہونی کو شرط قرار دیا ہے۔  
 وقف عبادات میں داخل ہے یعنی کارِ ثواب ہے اور چونکہ مجنون اور صغیر کوئی تکلیف شرعی نہیں متعلق ہے یعنی جو شخص بوانہ یا جو لڑکا نابالغ ہو اس پر کوئی عبادت فرض نہیں ہے لہذا انکا وقف بھی ناجائز ہے کیونکہ وقف کی حقیقت اور اسکا اثر سمجھنے کے لیے عقل درکار ہے اور مجنون اور نابالغ اتنی عقل نہیں رکھتے۔ لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جب کوئی لڑکا مثلاً دس برس کے سن میں بالغ ہو گیا ہو تو اسکا وقف کیا اثر پیدا کرے گا۔ غالباً اسکا فعل ناجائز ہوگا کیونکہ شرع میں پندرہواں سال تمام ہونے تک مرشد کا قیاس نہیں کیا جاتا۔

واقف کو جائز ہے کہ مال وقف کی نگرانی کا اختیار اپنے واسطے باقی رکھے یا کسی شخص کے سپرد کر دے۔ مگر کوئی ایسی شرط نہیں جائز ہے جس سے وقف کو وقف منسوخ کرنا جائز ہو جائے۔ اور جب واقف کسی کو متولی مقرر کر چکا ہو تو پھر یہ اختیار اپنے لیے نہیں باقی رکھ سکتا کہ جب چاہے گا تولیت خود لے لے گا۔ چونکہ یہ ضرور ہے کہ ناظر یا متولی متدین ہو اور اپنا کام کرنے کے قابل ہو لہذا اگر وہ نالائق یا بے ایمان ہو یعنی وقف کے انتظام میں غفلت یا خیانت کرے تو وہ معزول ہو سکتا ہے یا اور کوئی شخص کو اس کے ساتھ شریک کیا جاسکتا ہے۔ جب وقف کوئی متولی وقف کے انتظام کے لیے نہ مقرر کیا ہو تو تقرر متولی موقوف علیہم سے متعلق ہوگا جب وقف چند خاص اشخاص پر کیا گیا ہو جو اپنی طرف سے متولی مقرر کر سکتے ہوں وہ بھی متولی مقرر کر سکتے ہیں اور حاکم شرع سے تقرر متولی اس وقت متعلق ہوگا جبکہ وقف کسی کے رفاہ عام کے لیے

۱۔ یہی قول بمقدمہ ہدایت النساء اختیار کیا گیا ہے۔ رپورٹ مالک مغربی و شمالی جلد ۲ صفحہ ۱۴۰۔ منہ  
 ۲۔ اسکی تفصیل شرح صفی کی بحث میں بیان کی گئی اور اس مسئلہ میں جہنم و شیعہ میں کچھ اختلاف نہیں ہے ۱۲۰ منہ



یا فی سبیل اللہ یا کسی قوم پر کیا گیا ہو۔

موقوف علیہ کے باب میں چار شرطیں ہیں۔ (۱) وہ موجود ہو۔ (۲) مالک جائیداد ہو۔ (۳) معتین ہو۔ (۴) ایسا شخص نہ ہو جس پر وقف کرنا نہیں جائز ہے۔

ان اصول کا نتیجہ شائع الاسلام میں یہ لکھا ہے کہ لہذا اگر ایسے شخص پر وقف کیا جائے جو موجود نہ ہو مثلاً جنین پر جو رحم مادر سے جدا نہوا ہو تو ایسا وقف صحیح نہ ہوگا۔ لیکن شخص غیر موجود پر بحیثیت قائم مقام شخص موجود وقف کرنا صحیح ہے جو اہل الکلام میں اس مسئلہ کی توضیح و کچھ طور سے کی ہے جس سے شیخ کا قول اس مسئلہ میں بخیر معلوم ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی شخص غیر موجود پر ابتداً وقف کرے تو وہ وقف صحیح نہ ہوگا مثلاً اگر کوئی شخص اس لڑکے پر وقف کرے جو نہ پیدائہوا ہو یا جنین ہو یعنی رحم مادر میں ہو گا ایک اعتبار سے وہ موجود ہے اور اس کے نام وصیت ہو سکتی ہے اور تقسیم ترکہ کے وقت وہ حصہ پانے کا مستحق ہے تاہم اس پر وقف کرنا نہیں جائز ہے۔ غالباً اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ مال وقف پر قبضہ کرنے کے قابل نہیں ہے مگر جب وقف شدہ غیر موجود پر بحیثیت قائم مقام شدہ موجود کے جو اسکی منفعت لے سکتی ہو کیا جائے تو ایسا وقف صحیح ہے۔

جب کوئی شخص پہلے شدہ غیر موجود پر پھر شدہ موجود پر وقف کرے تو ایسا وقف نہیں صحیح ہے مگر یہ امر کہ آیا اس سے کل عقد وقف باطل ہو جائیگا اسکے دو جواب ہو سکتے ہیں۔ بعض علماء کا قول جنہیں صاحب شائع الاسلام بھی ہیں یہ ہے کہ ایسا وقف باطل ہے مگر بعض علماء کا یہ قول ہے (جنہیں شیخ بھی داخل ہیں) کہ ایسا وقف شایع لے نہیں معلوم یہاں شیخ سے مراد شیخ محمد حسن نجفی صاحب جواہر الکلام ہیں یا شیخ الطائف ابو جعفر طوسی یا علم الہدی سید مرتضیٰ مقصود ہیں ۱۲۔ مترجم۔



غیر موجودہ پر باطل اور اشیاء موجودہ پر صحیح ہوگا۔ مثلاً وقف اس لڑکے پر جو ہنوز پیدا نہ ہوا ہو اور اسکے بعد ان لڑکوں پر جو پیدا ہو چکے ہوں انھیں لڑکوں پر صحیح ہوگا جو پیدا ہو چکے ہوں اور ایسے وقف کا عدم جواز طفل غیر موجود پر اسکا باعث ہوتا ہے کہ اسکا نفاذ اطفال موجودہ پر بہت جلد کیا جائے۔ جواہر الکلام میں لکھا ہے کہ فقہ حنبلی یحییٰ بن یحییٰ کا بھی یہی قول ہے اور اکثر علما کے اقوال کے موافق ہے۔

مصالح عامہ یعنی امور رفاه عام کے لیے یا امور مذہبی یا امور خیر کے واسطے جنکی منفعت میں سب بندگان خدا شریک ہو سکیں وقف کرنا جائز ہے مثلاً پل اور مساجد اور اموات کے کفن کے لیے وقف کرنا جائز ہے گو ایک وقت میں اس سے چند ہی اشخاص منتفع ہو سکیں اور اگرچہ خاص اشخاص کا نام نہ لیا ہو جنکے فائدہ کے لیے وقف کیا گیا ہے تاہم وہ جائز ہوگا اس واسطے کہ اس سے بندگان خدا منتفع ہو سکتے ہیں اور ایسا وقف جائز ہے جس سے مقصود عامہ خلافت کی نفع رسانی ہو مثلاً مدرسہ پر وقف کرنا یا کتب خانہ پر کتبائیں وقف کرنا۔

مسلم کا فر عربی پر نہیں وقف کر سکتا گو وہ اسکا قرابت دار نبی ہو مگر ذمی پر جو اسی بادشاہ کی رعیت ہو وقف کر سکتا ہے گو وہ واقف سے کچھ قرابت رکھتا ہو اور بالکل غیر آدمی ہو کیونکہ وقف کرنا ایک بندہ خدا پر خیر و احسان کرنا ہے جو شاید اسکی راہ و دست پر اختیار کرنے کا باعث ہو جائے۔ ذمی پر جواز وقف کی یہ دلیل ہے کہ صدقہ دینا اسکو جائز ہے مگر اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ مسلم معابد یهود و نصاریٰ پر یا کفار کے عبادت خانوں پر وقف کر سکتا ہے کیونکہ یہ تلزم اشاعت کفر کا ہے اور کفر کی تائید کرنا مسلمانوں کو حرام ہے۔ مگر ذمی غیر مسلم کی عبادت گاہ پر وقف کر سکتا ہے اور مسلم زمین پر ان مقاصد کے لیے بھی وقف کر سکتا ہے جو شرعاً مباح ہوں۔



جیسے اُنکے مکانات کی مرمت کرانا یا شفا خانے یا مسافر خانے وغیرہ بنوانا۔

زنا کاروں اور زنا قون اور شرابان خمر پر وقف کرنا نہیں جائز ہے اور نہ اُن کتابوں کی نقل لینے کے لیے وقف کرنا جائز ہے جبکہ اب تہریت و بچیل کہتے ہیں کیونکہ اُنہیں تغلب و تصرف اور تحریف ہوئی ہے۔ لیکن اگر ایسے اوقات کفار کریں تو جائز ہے۔ کوئی وقف جو باعث ارتکاب معصیت ہو جائز نہیں ہے۔

اگر کوئی مسلمان غریب پر وقف کرے تو ابتداءً اُسکی منفعت فقرا و مسکین کو دی جائیگی اور جب فقرا و مسکین نہ ہوں تو اور مسکین کو دی جائیگی۔ مگر جب غیر مسلم عموماً غریب پر وقف کرے تو وہ اُسکے غریب ہمسایوں کو بلا امتیاز مذہب و ملت دیا جائیگا۔

جب وقف عموماً مسلمانوں پر کیا گیا ہو تو اُس میں سب لوگ جو شرع شریف کے پابند ہوں اور اُنکے عیال و اطفال داخل ہوں گے۔ لفظ مسلم سے وہ سب لوگ خارج ہیں جو مطیع الاسلام نہیں ہیں اور جب وقف مومنین پر کیا گیا ہو یعنی اُن لوگوں پر جو طریق حق پر ہوں تو وہ صرف معتقدین ائمہ اثنا عشر کے مصرف میں لایا جائیگا۔

جو وقف عموماً مومنین پر کیا گیا ہو وہ ایسے مقاصد میں صرف کیا جائیگا جسے مومنین کو نفع پہنچے۔ اگر وقف شیعوں پر کیا گیا ہو تو علماء شیعہ کا شمار یہی ہے کہ وہ امامیہ مذہب کے لوگوں کے مصرف میں لایا جائیگا۔ جروہیہ شیعہ میں داخل ہیں اور اسمعیلیہ زیدیہ لے شائع الاسلام صفحہ ۲۲۵-۲۲۶ و مفتح ۱۲-۱۱۔ مٹے شیعوں میں ایمان کے وہ معنی ہیں ایک معنی عام اور ایک معنی خاص۔ ایمان کے معنی عام دل سے اقرار کرنا اُن احکام کا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و صحبہ وسلم پر منجانباً لائے ہوئے تھے۔ اور ایمان کے معنی خاص وہ ہیں۔ ایک افعال نیک کرنا دوسرے ائمہ اطہار کی امامت کا اعتقاد رکھنا۔ ۱۱-۱۲۔



ہو جائے تو وہ وقف اور کسی کار خیر میں یا امر مذہبی میں لگایا جائیگا مگر اولے یہی ہے کہ  
واقف کی نیت کا لحاظ کامل کر کے وہ وقف اس مقام میں لایا جائے۔ مثلاً جب وقف  
کسی مسجد پر کیا گیا ہو اور وہ مسجد نہ موجود ہو تو وہ دوسری مسجد کو دیا جائے اور مدرسہ کا  
وقف ویسے ہی اور مدرسہ کو دیا جائے و قس علی ہذا اس امر کا لحاظ کیا جائے جو  
وقف کو مد نظر تھا۔

جب وقف عموماً کسی کار خیر کے لیے کیا گیا ہو تو ہر کام میں صرف کیا جائیگا  
جو باعث تقرب الہی ہو۔

شرح لمعہ میں لکھا ہے کہ: اگر کوئی شخص راہ خدا میں وقف کرے تو وہ  
ہر کام میں لایا جائیگا جو موجب تقرب خدا ہو اس واسطے کہ راہ خدا سے مراد ثواب  
آخرت اور خوشنودی خدا ہے۔ پس غریب و مساکین کی اعانت اور مساحد کی تعمیر اور  
سڑکوں کی مرمت اور اموات کو کفن دینا جبین ثواب اور خوشنودی خدا متصور ہے  
یہ سب اہمیں داخل ہوگا۔ بعض علماء کے نزدیک اہمیں جہاد اور بعض کے نزدیک  
حج اور عمرہ بھی داخل ہے۔ مگر ہلکا قول صحیح ہے۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص بطریق  
احسان یا بہ نیت ثواب وقف کرے تو اسکے بھی وہی معنی ہیں۔ بعض علمائے فرمایا ہے  
کہ نیت ثواب سے مراد غریب و مساکین کو دینا ہے جبین ابتداء ذوی الارحام سے  
کرنی چاہیے۔ اور کار خیر سے فقراء و مساکین اور مسافروں اور مقروضین جو نیک  
کاموں میں مقروض ہو گئے ہوں اور غنم رقبات یعنی برودہ آزاد کرنا مراد ہے۔  
مگر واقف کی نیت کا لحاظ بہر حال رکھنا چاہیے۔

اگر کوئی شخص عموماً کار خیر کے لیے وقف کرے اور اسکے مقاصد کی  
تعیین و تصریح نہ کرے تو وہ فقراء کے مصرف میں اور ان تمام مصارف میں لایا جائیگا  
۱۲ مفاتیح ۱۱۲۔



مین داخل ہین۔

جب موقوف علیہ کسی خاص نسبت سے بیان کیا جائے تو جتنے اشخاص اس نسبت میں داخل ہوں وہ سب اس وقف کی منفعت میں شریک کیے جائینگے۔ مثلاً اگر وقف امامیہ پر کیا گیا ہو تو سب پیروان ائمہ اطہار ائمین داخل ہین۔ اگر وقف زیدیہ پر کیا گیا ہو تو وہ سب لوگ جو زید ابن علیؑ کی امامت کے قائل ہین۔ ائمین داخل ہونگے۔ اسی طرح سے جب موقوف علیہ کسی خاص بزرگ کی نسل میں ہو تو سب لوگ جو باپ کی جانب سے اسکی اولاد میں ہوں ائمین داخل ہونگے مثلاً بنی ہاشم میں وہ سب لوگ داخل ہین جو ابوطالب اور عمارت اور عباس اور ابولہب کے واسطہ سے ہاشم ابن عبدمناف کی اولاد میں اور بنی طالب میں وہ سب لوگ داخل ہین جو ابوطالب ابن عبدالمطلب کی اولاد میں ہین خواہ مذکور ہوں خواہ اناث بشرطیکہ باپ کی طرف سے ابوطالب کی اولاد میں عرفاً کہلاتے ہوں گو اس سلسلہ میں اختلاف ہے۔

اگر کوئی شخص بنی تمیم پر وقف کرے تو جائز ہے اور اسکی منفعت بنی تمیم میں جو لوگ ملیں انھیں کوومی جائے۔

اگر کوئی شخص اپنے حیران یعنی ہمسایوں پر وقف کرے تو یہ دیکھا جائیگا کہ عرفاً اسکے ہمسایہ کون لوگ ہین۔ مگر بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ہر شخص جسکا مکان واقف کے مکان سے چالیس وجب کے فاصلہ پہ اسکا ہمسایہ سمجھا جائیگا اور یہی قول صحیح اور معتبر ہے۔ اور بعض علماء کا یہ قول ہے کہ لفظ ہمسایہ میں وہ سب اشخاص داخل ہین جو واقف کے مکان کے ادھر ادھر چالیس مکانوں میں رہتے ہوں مگر اب یہ قول متروک ہے۔

اگر کوئی شخص کسی کاررفاہ عام کے لیے وقف کرے مگر وہ کام موقوف



جو باعث تقرب و خوشنودی خدا ہوں جیسے طلبہ کو وظائف دینا اور مساجد اور پل اور مدارس اور شاہد بنوانا اور حجاج کی اعانت کرنا اور مردوں کے لیے کفن مہیا کرنا اور مسکوعہ مسلمانوں کے فائدہ کے لیے صرف کرنا جائز ہے۔

جواہر الکلام میں یہ اصول اس طرح بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مصلحت عامہ کے لیے وقف کرے یعنی مثلاً مسجد یا پل یا اور اسی قسم کی کوئی چیز بنوائے اور اسکے آثار و علامات بالکل محو ہو جائیں تو اس صورت میں مال وقف کی آمدنی کا رہا ہے خیر میں عموماً صرف کی جائیگی۔ مگر ترجیح اسی وقف کو دی جائیگی جو اس وقف کے مقصد و اصلی سے اقرب اور شبہ ہوئے اس سے ظاہر ہے کہ شیعہ میں تقسیم وقف کا مسئلہ حنفیہ سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ جیسا اس مسئلہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص عموماً کارہائے خیر کے لیے وقف کرے (اصالۃ البر والاحسان) تو اس میں کچھ اختلاف نہیں ہے کہ مال وقف فقراء و مساکین کے مصرف میں لایا جائیگا اور تمام امور خیر اور مقاصد نیک میں صرف کیا جائیگا جو باعث تقرب خدا سے تقالے ہوں لفظ ہر۔ میں سب امور نیک داخل ہیں جیسے عزاء کی اعانت کرنا اور ضعف کی دستگیری کرنا اور مسلمانوں کی حالت کو ترقی دینا اور حج اور جہاد وغیرہ کرنا۔

ابن حنبلہ کے سوانے اکثر علماء شیعہ نے اتفاق کیا ہے کہ جب وقف کا مقصد صحیح یا ضمنانہ بیان کیا گیا ہو تو وہ باطل ہے۔ مگر ابن حنبلہ کا قول ہے کہ جب کوئی شخص کسی مال کو دے کہ راہ خدا میں صدقہ ہے یعنی وقف ہے گو وہ ان لوگوں کی نصیح نہ کرے چہر وقف کیا گیا ہے تاہم وہ ان لوگوں کے مصرف میں لایا جائیگا جسکو خدا نے صدقہ اور زکات کا مستحق فرمایا ہے یعنی فقراء و مساکین اور معذورین۔ یہ قول ابن حنبلہ کا اور علماء کے اقوال کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اور سب علماء نے



بھی تو یہی فرمایا ہے کہ جب کوئی خاص موقوف علیہ یا کوئی خاص مقصد وقف کا نہ بیان کیا گیا ہو اور وقف امور مذہبی اور مقاصد خیر کے لیے صاف صاف کیا گیا ہو تو وہ ایسے مقاصد میں صرف کیا جائیگا جسے عموماً مسلمانوں کو نفع ہو۔

اگر کوئی شخص اپنی اولاد یا اپنے بھائیوں یا عزیزوں پر عموماً وقف کرے تو ذکور و اثناث اور قریب و بعید سب اس میں برابر حصہ پائیں گے الا یہ کہ واقعے نے تصریح کر دی ہو کہ انکو کس ترتیب سے دیا جائے یا صاف یہ کہہ دیا ہو کہ یہ ذکور کو یا سطلے ہے کہ اس صورت میں تقسیم حصص موافق قاعدہ معینہ ہوگی۔ جب وقف چچا اور ماموں پر منع کیا گیا ہو تو انکو برابر حصہ ملیگا۔ جب وقف آن لوگوں کے لیے ہو جو واقف کے قرابت میں یا قرب ہوں تو پہلے وہ اُس کے والدین اور اولاد کو دیا جائیگا بعد اُس کے بھائیوں اور بہنوں اور انکی اولاد کو دیا جائیگا اور اُن کے ساتھ اُس کے اجداد کو بھی دیا جائیگا اور جب وہ نہ ہوں تو چچا اور ماموں اور انکی اولاد کو دیا جائیگا۔

### فصل سوم

وہ شرائط جن پر وقف کا جواز موقوف ہے

وقف کا جواز چار شرائط ضروریہ پر موقوف ہے۔

(۱) وقف کو دائمی ہونا چاہیے۔

(۲) اُسکا نفاذ فوراً کیا جائے یعنی جو وقت اُس کے نفاذ کا مقرر

کیا گیا ہو اُسکو چاہیے یقینی و قطعی ہو۔

(۳) موقوف پر قبضہ دیا جائے یا یہ کہ جسے مال وقف واقع کا مال باقی رہے

۱۔ جو اہل کلام ۱۲ منہ ۱۱ جامع التثبات ۱۲ منہ ۱۱ سپر اجماع ہو کہ وقف کو فوری ہونا چاہیے

اور کسی واقعہ کے وقوع پر نہ موقوف ہونا چاہیے الا یہ کہ اُسکا وقوع قطعی و یقینی ہو شرائع الاسلام ۱۲ منہ

۱۱ مقدمہ حاجی کلب حسین بنام محمد بی بی رپورٹ مالک مغربی و شمالی جلد ۴ صفحہ ۱۵۵-۱۲ منہ



(۴) واقف کا حق مال وقت میں بالکل زائل ہو جائے۔

پہلی شرط کے باب میں قول مختار عموماً یہ ہے کہ وقف کا دائمی ہونا اسپر موقوف ہے کہ ایک شے یا چند اشیاء پر کیا گیا ہو جسکی نسبت یہ گمان ہو سکے کہ فرداً فرداً یا بالجموع ہمیشہ باقی رہیں گے۔ جو وقف مصالح عامہ یعنی امور رفاہ عام کے لیے یا امور نیک اور کارہا خیر کے لیے عموماً کیا گیا ہو یا خاص کسی کام کے واسطے کیا گیا ہو جس سے سب بندگان خدا کو فائدہ ہو وہ وقف دائمی ہے کیونکہ وہ سب خلق اللہ کے فائدہ کے لیے ہے۔ اور کار خیر بھی فی نفسہ دائمی ہوتا ہے کیونکہ ہر زمانہ میں غریب ضرور ہوتے ہیں فی الواقع کوئی دائمی کام برادر احسان کا وقف دائمی کے لیے کافی ہے مثلاً اسلئے وقف کرنا کہ اہل مسجد یا امام بارگاہ کے لوگوں کو پانی یا شربت پلایا جائے یا کسی عبادت گاہ میں روشنی کیجائے یا مردوں کو کفن دیا جائے یا کسی مدرسہ کا کتب خانہ قائم رکھا جائے یا کفار سے جہاد کیا جائے یا غریب سادات کربلا سے محلے کا تکفل کیا جائے یا وہان کی نہر یا اور کسی مکان مقدس کی مرمت کیجائے۔ مگر یہ مثلاً زید پر وقف کیا گیا ہو اور یہ نہ گمان کیا گیا ہو کہ زید کے مرنے کے بعد وقف کیونکر صرف کیا جائے اور کسی بات سے واقف کی نیت نہ معلوم ہو کہ آئندہ اس وقف کی آمدنی کیونکر صرف کیجائے تو اس صورت میں وہ وقف صرف واقف کی حین حیات جاری رہیگا اور اسکے مرنے کے بعد قول مشہور یہی ہے کہ وقف یا اسکے ورثہ پر عود کریگا۔ مگر بعض علما کا قول یہ ہے کہ باقی امور خیر میں عموماً صرف کیا جائیگا یہی اس صورت میں بھی ہوگا جبکہ وقف زید اور اسکی اولاد پر کیا گیا ہو۔

اگر کوئی جائداد دو شخصوں پر وقف یا جس کیجائے اور انہیں سے ایک مر جائے تو جو زندہ ہے گا وہ اسکی منفعت باوامر الحیات پائیگا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ نصف جو متوفی کا حصہ ہے واقف پر عود کریگا۔ مگر پہلا قول احوط معلوم ہوتا ہے۔

جب کوئی شخص اپنے فرزند پر ایک سال کے لیے یا اسکی مادام الحیات



وقف کرے اور باقی غراب پر تو ایسا وقف بطور وقف دائمی جائز ہے اجماعاً  
یعنی باتفاق علماء۔

اگر کوئی شخص اپنے بیٹوں پر اس طرح سے وقف کرے کہ ایک سال  
کے لیے عمر و پراورد دوسرے سال کے لیے زید پر و قس غلیٰ ہذا اور اُن کے بعد  
غراب پر اس طور سے کہ غریب اہل علم پر سال بھر اور یاحدا و پر مہنگار لوگوں پر  
جو محتاج ہوں دوسرے سال اور غریب مشائخ پر تیسرے سال تو ایسا وقف  
جائز ہے اور نافذ کیا جائے۔

وقف معلق ناجائز ہے۔ مثلاً کوئی شخص کہے کہ یہ وقف اس وقت ہوگا  
جب زید آئیگا یا جب کل کا دن آئیگا تو ایسا وقف باطل ہے۔

### فصل چہارم

وقف کے حق کا زائل ہو جانا۔

شرائع الاسلام میں لکھا ہے کہ دو اقباض جواز وقف کی ایک شرط ہے۔ پس اگر  
قبل تکمیل وقف واقع مر جائے یا دیوانہ ہو جائے تو وقف باطل ہو جائیگا یا قبضہ  
کی نوعیت مال وقف اور مقاصد وقف کی نوعیت پر موقوف ہے۔ اگر ایسے  
چند اشخاص پر وقف کیا گیا ہو جو مال وقف پر قبضہ کرنے کی قابلیت رکھتے ہوں  
تو اقباض واجب ہے۔ مگر جب وقف امور خیر یا عموماً بندگان خدا کے فائدہ  
کے لیے کیا گیا ہو تو اقباض کی ضرورت نہیں ہے۔

شرائع الاسلام میں اس اصول کو اس طرح بیان کیا ہے کہ جب وقف  
فقراء اور علماء دین پر کیا جائے تو ایک ناظر جائداد وقفی پر قبضہ کرنے کے لیے  
مقرر کرنا ضرور ہے۔ لیکن جب وقف کسی کارِ رفاه عام کے لیے کیا جائے تو صرف وقف



اس تبدیل قبضہ پر ولایت کرتا ہے جو شرعاً مقصود ہے اور قبول کی شرط مطلق ضرور نہیں ہے اور صرف ناظر یا متولی کا قبضہ کافی ہے۔ اگر کوئی شخص مسجد یا عبادت خانہ وقف کرے تو یہ وقف جائز ہے گو اس میں ایک ہی شخص نماز پڑھے۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص قبرستان وقف کرے تو اس میں ایک مردہ دفن ہونے سے بھی وہ وقف جائز ہو جائیگا۔ لیکن اگر لوگ کسی مسجد میں نماز پڑھیں یا قبرستان میں مردہ دفن کریں درحالیکہ وقف کے خاص الفاظ نہ کہے گئے ہوں یا اسکا صیغہ نہ پڑھا گیا ہو تو وہ مسجد یا قبرستان مالک کی ملک سے نہ نکل جائیگا۔  
 وہ اور یہی نتیجہ اس وقت بھی ہوگا جبکہ صیغہ وقف تو پڑھا گیا ہو مال وقف پر قبضہ نہ دیا گیا ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ قبضہ کی نوعیت کا بدل جانا بھی ضرور ہے۔

قبضہ اس متولی کا جو مال وقف کی نگرانی کے لیے مقرر کیا گیا ہو کافی ہے اور خود واقع متولی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح سے اگر وقف واقع کی نابالغ اولاد پر ہو اور مال وقف واقع ہی کے قبضہ میں رہے تو بھی وہ وقف جائز ہے۔ واقع کا قبضہ اسکی نابالغ اولاد کی طرف سے کافی ہوگا۔ اسی طرح سے اگر وادایا باپ یا دادا کا وصی نابالغوں کی طرف سے مال وقف پر قبضہ کرے تو کافی ہے۔

جواز وقف کی شرط چہارم کے باب میں سنی اور شیعہ میں بڑا اختلاف ہے امام ابو یوسف کے نزدیک واقع مال وقف میں سے کھا سکتا ہے یعنی اس میں ایسا حق باقی رکھ سکتا ہے۔ مگر مذہب شیعہ میں جواز وقف کے لیے یہ ضرور ہے کہ وقف کوئی حق مال وقف میں نہ باقی رہے چنانچہ جواہر الکلام میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص



اپنے نفس پر وقف کرے تو ایسا وقف اجنا باطل ہے۔ اسی طرح سے جو وقف  
واقف پہلے اپنے نفس پر کرے بعد اُس کے غیر پر وہ بھی باطل ہے گو بعض علماء نے  
مثل شیخ کے فرمایا ہے کہ وہ وقف واقف کے نفس پر باطل ہوگا۔ قول اول  
احوط معلوم ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر وقف دوسرے شخص پر اس شرط سے  
کیا جائے کہ واقف کا قرضہ اور مصارف معمولی ادا کرے گا تو بھی وقف ناجائز ہوگا۔  
اس قول کا مؤید وہ جواب ہے جو ابو الحسن علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام نے علی  
ابن سلیمان کے نامہ کا لکھا تھا۔ اُس نے امام علیہ السلام کو خط میں یہ لکھا تھا کہ۔  
”وَجُعِلَتْ فِدَاكَ يَا بَنَیَّ رَسُولَ اللَّهِ یَعْنِیْ مِیْنِیْ اَبِیْ زَیْنَبِیْنِ اَسَے فرزند رسول میری  
کوئی اولاد نہیں ہے اور میں نے کچھ زمین اپنے باپ سے پائی ہے اور میں اُسکو اپنے  
غریب اور ضعیف برادران ایمانی پر وقف کرنا چاہتا ہوں۔ پس اگر میں اپنی زندگی میں  
اُسکو وقف کروں تو کیا مدام الحیات احمین سے کھا سکتا ہوں۔ امام علیہ السلام نے  
اُس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ۔

قَدْ وَصَلَتْ اِلَیَّ كِتَابُكَ یَعْنِیْ تِیْرَ اَخْطِیْ مَجْهُوْیْہِیْنِ اَوْ مَضْمُونِ مَعْلُومِ ہُوا۔ اگر تو اپنی زمین  
اس شرط سے وقف کرے کہ احمین سے خود کھایا کرے گا تو ایسا وقف جائز ہوگا۔ اگر  
تو وارث رکھتا ہے تو اُس زمین کو بیچ کر ایک جزو اُسکی قیمت کا فقراء کو دے یا ہقدر  
احمین سے اپنے لیے باقی رکھ جو تیری زندگی بھرتی بسر اوقات کو کافی ہو۔ اور  
ما بقی فقرار کو دے۔

مذکورہ ذیل استفتا جس سے اس سلسلہ کی مفصل کیفیت معلوم

ہو جائیگی۔ جامع الثقات سے لیا گیا ہے۔

استفتاء اگر کوئی شخص کچھ جائیداد اس طرح وقف کرے کہ میں نے یہ وقف  
دو ادا کیا اور اُسکی تولیت میں نے اپنی زندگی بھر اپنے لیے رکھی اور اپنے مرنے کے بعد



اپنی اس اولاد کے لیے جو اکبر اور الیق ہو بطناً بعد لیلین اور مین نے یہ قرار دیا ہے کہ مال وقف کا منافع خراج اور مصارف تحصیل و ادا کرنے کے بعد مین اپنے ذاتی امور میں صرف کرے گا اور میرے مرنے کے بعد دسواں حصہ اس منافع کا بعد وضع کرنے کے محضون اور مصارف دیگر کے متولی کو بطور حق اخذیت کے دیا جائے اور باقی میری اولاد میں براہ تقسیم کر دیا جائے مگر میرے بیٹوں کا حصہ انکی اولاد کو نہ ملے۔ اور تھوڑے عرصہ کے بعد واقعہ مر جائے اور تین بیٹے اور ان بیٹوں کی اولاد چھوڑ جائے جو اسکی زندگی میں مر چکے ہوں تو آیا اسکے پوتے مال وقف مین سے کچھ پائینگے۔

جواب۔ یہ وقف ابتدا میں ہی سے باطل ہے کیونکہ واقعہ نے مال وقف کا منافع اپنی مادام الحیات اپنے لیے باقی رکھا ہے۔ اور جواز وقف کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ وقف مال وقف سے بالکل دست بردار ہو جائے۔ پس جب اسنے اپنے نفس پر وقف کیا تو باطل ہوا گوا اپنے بعد اسنے اور وں کو مستحقین قرار دیا ہے۔ اسکے نفس پر وقف کا باطل ہونا اجتماعی یعنی متفق علیہ ہے اور اور لوگوں پر بھی یہ وقف اکثر علما کے نزدیک باطل ہے کیونکہ اور وں پر اس وقف کے جواز کے جو دلائل ہیں وہ ضعیف ہیں سب طرح سے اگر وہ وقف اس شرط سے کرے کہ اپنا قرضہ اور اپنے مصارف روزمرہ اس میں سے ادا کرے گا تو یہ بھی ناجائز ہے۔ لکن اگر وہ یہ شرط کرے کہ اسکی اولاد اور عیال مال وقف مین سے کھائینگے تو جائز ہے جیسا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انکی دختر نیک اختر صلوات اللہ علیہا کے فعل سے ظاہر ہے اور اس اعتبار سے واجب النفقہ اور غیر واجب النفقہ میں کچھ فرق نہیں ہے۔ اسی طرح سے متولی یا ناظر کو مال وقف سے تنخواہ دینا یا اس میں سے کھانے کی اجازت دینا یا اور وں کو اس میں سے کھانا جائز ہے۔ مسالک میں صاف لکھا ہے کہ جب وقف خود متولی ہو تو اسکو بحیثیت متولی مال وقف مین سے کھانا جائز ہے اور یہ کھانا واقعہ کی منفعت ذاتی مین نہیں داخل ہے



اگرچہ صاحب کفایہ نے اس میں شک ظاہر کیا ہے کہ آیا وقف اس حیثیت سے مال وقف  
 میں سے کھا سکتا ہے فی الواقع اس مسئلہ میں بڑی بڑی دقتیں ہیں اس وجہ سے اکثر لوگوں نے  
 اس میں کلام کیا ہے کہ آیا وقف کو بحیثیت متولی مال وقف میں سے کھانا جائز ہے۔ مثلاً  
 آدمی اپنا مال اپنی اولاد پر اس شرط سے وقف کر سکتا ہے کہ تولیت اس کی زندگی بھر کے  
 پاس ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس اولاد کو ملے جو سب زیادہ لائق ہوا اور وقف  
 یہ بھی شرط کرے کہ نو حصے مال وقف کے اسکو بحیثیت متولی ملین اور ایک حصہ اس کی  
 اولاد کو دیا جائے اور اس کے مرنے کے بعد بیوان حصہ اس مال کا اس کے لائق ترین اولاد کو  
 بحق تولیت ملے اور باقی سب اولاد پر برابر تقسیم کر دیا جائے ایسی صورت میں میرے  
 نزدیک وقف نہیں جائز ہوگا۔ البتہ وقف کو جائز ہے کہ اپنی مادام الحیات تولیت  
 اپنی اختیار میں رکھے اور یہ شرط کرنا بھی جائز ہے کہ خود متولی مال وقف میں سے کھائے  
 اور اوروں کو کھلائے۔ ان دو مقدمات سے ہمارے علمائے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جب  
 وقف نے یہ شرط کر لی ہو کہ متولی خود مال وقف میں سے کھائے اور اوروں کو بھی  
 کھلائے اور خود وقف متولی ہو تو اسکو اس مال میں سے کھانا جائز ہے گو چند علمائے اس کے  
 جواز میں کلام کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ متولی کے مال وقف میں سے کھانے کا جواز  
 اس کے حیثیت متولی پر موقوف ہے اور وقف کے متولی ہونے پر نہیں موقوف ہے۔  
 اور اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ جب متولیوں کے لیے عموماً کچھ مال وقف میں سے مقرر کیا گیا ہو  
 تو اگر خود وقف متولی ہو تو اسکو اس قدر لینا جائز ہے جب قدر اور متولیوں کے لیے مقرر کیا گیا ہو  
 مگر میں نے یہ قول کسی عالم کا نہیں دیکھا ہے کہ جب خود وقف متولی ہو تو اسکو جائز ہے  
 کہ جب قدر چاہے مال وقف میں سے لے سکتا ہے صرف اس وجہ سے کہ وہ خود متولی ہے  
 اس کے یہ معنی ہیں کہ وقف کا ایسا عام اختیار اپنے لیے باقی رکھنا جس سے وہ سب سے بڑا حصہ  
 مال وقف کا لینے کا مجاز ہو جائے اور موقوف علیہم کے لیے بہت کم باقی رہ جائے اس



شرط کے منافی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ واقف مال و وقف میں اپنے حق ملکیت بالکل دست بردار ہو جائے۔ البتہ یہ قاعدہ اُس صورت میں نہ جاری ہوگا جس میں کسی شخص نے غریب پر وقف کیا اور وہ خود غریب ہو جائے یا اُس نے علماء پر وقف کیا ہو اور وہ خود عالم ہو جائے۔ اسی صورتوں میں واقف وقف کی منفعت میں شرکت کا مستحق ہوگا خواہ وقف کرنے کے وقت وہ غنی ہو خواہ فقیر ہو اور خواہ بعد از ان غنی ہو جائے خواہ فقیر ہو جائے۔ لیکن اگر اُس نے یہ شرط کر لی ہو کہ اگر میں فقیر ہو جاؤں گا تو اس کی منفعت میں شریک ہوں گا تو یہ جائز ہوگا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب وقف من جہۃ العام یعنی عام مقصد کے لیے کیا گیا ہو تو وقف کو ائمین شریک ہونا جائز ہے۔ اس عبارت سے ظاہر ہے کہ جب خود واقف متولی ہو تو اُس کو مال وقف میں سے ہقدر لینا جائز ہے جب قدر متولیان کی تنخواہ مقرر کی گئی ہو۔

جامع اشتات میں ایک و تنقنا بھی لکھا ہے جس پر توجہ کرنا لازم ہے کیونکہ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقف کہاں تک اپنا حق مال و وقف میں باقی رکھ سکتا ہے۔ استنقار۔ زید نے ایک جائداد میں چھ دام اور ایک چکی میں سے چھ دام وقف کر کے وقف نامہ لکھ دیا اور اس پر ایک مجتہد کی گواہی لکھوا دی جواب دے گئے ہیں۔ اُس وقف نامہ کا مضمون یہ ہے کہ مال وقف میں سے چار دام واقف کی اولاد کو اور کو بیٹا بعد بطن ملیں اور اگر اولاد نہ ہو تو اولاد انکاش کو دو امانت ملیں۔ اور دو دام مشہور مقدسہ رجب و شعبان و رمضان کے مصارف میں لائے جائیں تاکہ اُس کا ثواب واقف کی روح کو پہنچے اور ماہ رجب و شعبان میں پندرہ قرآن خوان رکھے جائیں اور ہر قرآن خوان چار چار پیارہ قرآن مجید کے پڑھے اور وقف کے مرنے کے بعد نمازین پڑھیں اور روزے رکھیں اور اُس کا ثواب اُس کی روح کو بخشیں اور اپنی زندگی بھر واقف اُس وقف کا متولی رہے اور اُس کے مرنے کے بعد اُس کا بڑا بیٹا متولی ہو و قس علی ہذا اور اپنی حیات واقف منفعت وقف کا



۱۔ بحق قبولیت خود لیا کرے اور پہلے اسکی اولاد کو دیا جائے اور اسکے مرنے کے بعد  
 پہلے متولی کو دیا جائے اور باقی اسکی اولاد میں تقسیم کیا جائے آیا ایسا وقف جائز ہے  
 ۔ جواب ۔ اس استفتاء کا جواب نہیں ہو سکتا ہے اسکے کہ اس میں تین اعتبارات سے  
 بحث کی جائے ۔ اگر وہ صرف وہ وقف نامہ جسکا مضمون اس استفتاء میں لکھا ہے اس  
 وقف کے شرائط پر شاہد ہے تو اس وقف کے جواز میں جو جو چیز کلام ہو سکتا ہے  
 (۱) دو دوام کے وقف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وقف واقف کی وفات تک نہیں نافذ ہوگا  
 اس واسطے کہ واقف نے جو ہدایت اسکی منفعت کے صرف کے باب میں لکھی ہے اسکا نفاذ  
 تو اسکے وفات کے بعد صرف بطور وصیت ہو سکتا ہے کیونکہ واقف نے لکھا ہے کہ اسکی  
 آمدنی سے قرآن خوان رکھے جائیں اور فقراء کو کھانا کھلایا جائے اور نمازین وغیرہ  
 پڑھوائی جائیں تاکہ اسکا ثواب اسکی روح کو پہنچے ۔ مگر وقف کے جواز کی ایک شرط  
 یہ بھی ہے کہ اسکا نفاذ فوراً کیا جائے ۔ اس سلسلہ میں دو دوام کا وقف واقف کی  
 وفات پر موقوف رکھا گیا ہے اور اس جز وقف کی منفعت کا کوئی مستحق نہیں ہے  
 مگر یہ قیاس کیا جائے کہ خود واقف اسکا مستحق ہے اور یہ ناجائز ہے ۔ اور اگر یہ کہا جائے  
 کہ اس دو دوام کی منفعت واقف کی وفات کے وقت تک کسی کار خیر میں عموماً صرف  
 کی جائے اور اسکے مرنے کے بعد قرآن خوان وغیرہ کو دیا جائے جیسا اُس نے لکھا ہے  
 تو یہ خود وقف نامہ کے مضمون کے خلاف ہے ۔ پس چرطا ہر ہے کہ یہ وقف باطل ہے  
 کیونکہ معنایہ وقف واقف کے نفس پر ہے ۔

اسی طرح سے اگر کوئی شخص اس شرط سے وقف کرے کہ وقف کی  
 آمدنی سے اسکا قرضہ ادا کیا جائے تو ایسا وقف ناجائز ہوگا ۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی  
 جائداد اس غرض سے وقف کرے کہ فروخت کی جائے اور محاصل بیع سے اسکا  
 قرضہ ادا کیا جائے اور باقی کسی کار تجارت وغیرہ میں لگا کر اسکی منفعت امور مذہبی



یا کار اے غیرین صرف کیجاے یا کسی مسجد یا امام باڑہ وغیرہ کے مصرف میں لائی جاے یا اور رسوم مذہبی یا عبادت میں صرف کیجاے تو ایسا وقف جائز ہوگا۔

اگر کوئی شخص اپنے نفس پر اور فقرائی پر وقف کرے تو نصف وقف ہوگا جو فقرا پر ہے جائز ہوگا اور نصف وقف جو واقف کے نفس پر ہے باطل ہوگا۔  
ہائی کورٹ نے یہی اصول بمقدمہ حاجی کلب حسین بنام مہرن بی بی جاری کیا۔ اس مقدمہ کا فیصلہ ایسا اہم و ضروری ہے کہ اسکو بالاسٹیٹ بائل نقل کرنا فائدہ ہے خالی نہیں ہے۔

سالہ ۱۹۵۶ء میں ایک عورت صاحبزادی بیگم نے ایک وقف نامہ تحریر کر کے کچھ روپیہ اور کچھ مال مقبوضہ اپنا بعض امور مذہبی اور دیگر امور کے لیے حسب تفصیل دیل وقف کیا یعنی دوثلث مال وقف اپنی زندگی بھر اپنے مصارف ضروری کے لیے وقف کیا اور باقی ایک ثلث وقف کی آمدنی کا واقعہ سے پانچ حصوں پر تقسیم کر کے لکھا کہ انہیں سے کچھ حصے تو بعض اشخاص مندرجہ وقف نامہ کو دیئے جائیں جنکے سپرد امور مذہبی کا انصرام کیا گیا ہے اور باقی رسوم مذہبی مصرف وقف نامہ میں صرف کیے جائیں۔ واقعہ نے اپنے تین متولیہ مقرر کیا اور یہ لکھا کہ پچیس حصص مصرف وقف نامہ اسکے زمانہ تولیت میں وقف رہیں گے اور اس مال وقف کو منتقل کرنے کا اختیار نہ خود اسکو ہوگا نہ اسکے تفویض اریا قائم مقام کو ہوگا اور یہ بھی لکھا ہے کہ واقعہ کی تولیت کے بعد جو متولی مقرر ہو اسکو چاہیے کہ مالگذاری سرکاری اور مصارف انتظام وغیرہ سے جو کچھ بچے اسکے ۱۶۵ حصے کر کے ۵۵ حصے اپنی متولی گری کیواسطے رکھے اور باقی ماندہ حصص حسب ہدایت مندرجہ وقف نامہ چند اشخاص کو جنکی تصریح اسمین موجود ہے بطور خیرین کے دے کہ چند رسوم مذہبی ادا کریں اور اور چند مقاصد



نذہبی میں صرف کرین اس وقت نامہ کی رو سے ۵۵ حصص آمدنی وقت میں سے واقعہ  
کی حیات میں ایک حصہ مدعی کو ملنا چاہیے تھا جو ہائی کورٹ میں سپانڈنٹ کی حیثیت  
رکھتا تھا اور منجملہ ۱۶۵ حصوں کے جنہیں وقت کی آمدنی تقسیم کی گئی تھی ۱۰ حصے واقعہ  
کی تولیت ختم ہونے کے بعد خود اسکو اور اسکے مرنے کے بعد اسکے ورثہ کو بطناً بعد  
بطن اس شرط سے ملنے چاہیے تھے کہ وہ ان رسوم نذہبی کو ادا کیا کرین جسکی  
تصحیح وقت نامہ میں لکھی ہے۔

واقعہ ۱۸۷۳ء میں مرگئی اور جب سپانڈنٹ نے وہ حصص نہ پائے  
جو اسکو دستاویز اسامہ میں بطور وقف دیے گئے تھے تو انکے دلاپانے کی  
نالش کی عدالتہائے ماتحت نے مدعیہ کے دعوے کی ڈگری دی۔ اپیل خاص میں شہ  
کی گئی کہ سپانڈنٹ کو چاہیے تھا کہ نالش دائر کرنے سے پیشتر عدالت کی منظوری حسب  
وضع ۱۸۷۳ء حاصل کرتی۔ اس عذر کی نسبت ہائی کورٹ نے یہ تجویز فرمایا کہ  
وہ اس دفعہ میں عدالت کی منظوری حاصل کرنی صرف اس صورت میں ضروری لکھی ہے جبکہ  
نالش اس کیٹ کے بموجب دائر کیجائے۔ مگر یہ نالش اس کیٹ کی رو سے نہیں دائر ہوئی ہے  
بلکہ سپانڈنٹ نے یہ نالش واسطے دلاپانے ایکٹ کی حق کے بموجب دستاویز مکتوبہ  
اسامہ دائر اسکو دیا گیا ہے دائر کی ہے۔ اس ایکٹ میں ان اشخاص کو نالش کرنے کا  
اختیار دیا گیا ہے جبکہ نالش کرنے کا حق بلا لحاظ اس ایکٹ کے مشکوک ہو سکتا ہے مگر اسپین  
ان لوگوں سے جو سپانڈنٹ کی حیثیت رکھتے ہوں نالش کرنے کا وہ حق نہیں دے کیا گیا کہ  
جو وہ قطع نظر اس ایکٹ کے رکھتی ہوں اور نہ اسپین انپیر لازم کر دیا گیا ہے کہ نالش  
دائر کرنے کے لیے عدالت کی منظوری حاصل کرین علاوہ برین یہ ایکٹ ان اوقات  
متعلق ہے جسے قانون ۱۹۱۳ء اس وقت متعلق نہ تھا جو وقت یہ ایکٹ پاس  
ہوا تھا۔ اور ہمارے نزدیک اس قانون کے احکام اس وقت سے نہیں متعلق ہیں



جو بذریعہ دستاویز اسلئے کیا گیا ہے۔ اس جائداد وقفی کا انتظام عہدہ داران گورنمنٹ کے  
کبھی نہیں اختیار کیا تھا نہ جسوقت ایکٹ مذکور پاس ہوا تھا اسوقت متولی کو نامزد کرنا گورنمنٹ  
سے کیسی عہدہ دار گورنمنٹ سے متعلق تھا۔ شاید بعض حالات میں متولی کو نامزد کرنا آئندہ  
کسی عہدہ دار سرکاری سے متعلق ہو جائے مگر منور یہ امور وقوع میں نہیں آئے ہیں۔  
لہذا ہم اس عذر کو نامنطور کرتے ہیں۔

اسکے بعد حجامانی کورٹ نے سب سے بڑے عذر کا تصفیہ بعبارت فیل  
فرمایا ہے۔ یہ بحث کی گئی ہے کہ اسلئے وقف نامہ جائز از روئے مذہب  
امامیہ نہیں ہے۔ اولاً اسواسطے کہ صاحبزادی سلیمہ جائداد وقفی پر تاریخ وقوع ہجرت تک  
جوشملہ میں ہوا تھا بعض ہی۔ ثانیاً اسواسطے کہ اسنے دوثلث آمدنی جائداد وقفی کی  
اپنی حیات تک اپنے مصارف ضروری کے لیے باقی رکھی۔ مذہب یہ میں جواز وقف  
اسپر موقوف ہے کہ وقف مطلق اور غیر مشروط ہوا اور شے موقوفہ پر قبضہ کرا دیا جائے  
اور واقف کے قبضہ سے بالکل نکال لیجائے۔ پس ہکو پہلے اس میں غور کرنا چاہیے کہ آیا مال وقف  
قبضہ کرا دیا گیا تھا۔ از روئے شرع محمدی واقف کو اپنے تین خود متولی مقرر کرنا جائز ہے  
پس جب واقعہ نے خود اپنے تین متولیہ مقرر کیا اور اپنے کردار سے بعد تحریر کرنے وقف  
اسلئے کے یہ ظاہر کر دیا کہ وہ جائداد وقفی پر سب شرائط وقف نامہ بطور متولیہ قابض ہے  
تو ہائے نزدیک قبضہ کا ثبوت کافی اسقدر موجود ہے جسقدر شرعاً ضرور ہے۔ مگر ہماری رائے  
یہ بھی ہے کہ دوثلث جائداد وقفی کا وقف بموجب وقف نامہ اسلئے وقف جائز نہیں ہوا۔  
واقف نے دوثلث منفع مال وقف میں سے اپنی حیات تک اپنے مصارف کے لیے  
باقی رکھا لہذا اس صورت میں اور ان صورتوں میں جو شرائع الاسلام میں لکھی ہیں کچھ فرق  
نہیں ہے۔ اب اس امر کا تصفیہ کرنا باقی رہا کہ کیا دوثلث مال وقف کی نسبت وقف نامہ اسلئے  
کے ناجائز ہونے کی وجہ سے کل وقف باطل ہو گیا یا صرف اس دوثلث کی نسبت باطل ہوا۔



شرائع الاسلام میں لکھا ہے کہ جب وقف کسی شخص پر اس شرط سے کیا جائے کہ وہ  
 واقف کا قرضہ یا مصارف ضروری مال وقف سے ادا کرے تو ایسا وقف باطل ہے  
 مگر یہ شرط نامحدود منفعت کی نسبت ہے اور اس مقدمہ میں آمدنی کا ایک ثلث جزر محدود ہے  
 اور واقفہ کے دنیاوی فائدہ کے سوا اور مقاصد کے لیے مطلقاً اور واپس وقف کیا گیا  
 اور واقفہ کے قبضہ سے لہلہ کل گیا ہے اور حبشع یعنی کسی چیز کے جزر غیر منقسم کا وقف جائز ہے  
 تو یہ کو یہ نتیجہ کرنا بھی جائز ہے کہ وقف نامرہلہ ایک ثلث آمدنی وقف کی نسبت جائز ہے  
 اور یہ حصہ مال وقف کا اس وقف کے لیے کافی ہے جسکو واقفہ نے لکھا ہے کہ اسکی  
 تولیت کے بعد نافذ کیا جائے۔ لہذا رپاٹنٹ کے دعوے میں دو ثلث کی کمی کرنی چاہیے  
 اگرچہ واقف کو اپنے نفس پر وقف کرنا نہیں جائز ہے تاہم اگر وقف  
 راہ خدا میں کسی امر مذہبی یا کاریہ کے لیے کیا ہے یعنی مثلاً مسجد کے واسطے کیا ہے تو  
 واقف کو اس سے منتفع ہونا جائز ہے یعنی اس مسجد میں نماز جماعت میں شریک ہونا اور  
 خود اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ سب طرح سے وقف عام میں جائز ہے جیسے پل یا میاں فرغانہ  
 جو وقف عام نہوا و جسکی منفعت میں واقف ایک حد تک خود ضمناً شریک ہو سکتا ہے اس کے  
 مابین جو امر ضروری بقضیہ طلب ہے وہ یہ ہے کہ آیا واقف نے وہ حق اپنے لیے عداً  
 باقی رکھا ہے۔ اگر واقف منفعت وقف میں اسی خفیف شرکت کرے کہ یہ معلوم ہو کہ  
 اس وقف سے واقف نے جس جائداد کی تدبیر صرف اپنے ذاتی فائدہ کے لیے کی ہے  
 تو ظاہر ایسی شرکت اسکی ناجائز نہ ہوگی۔ نتیجہ ان دقیق دلائل سے نکالا گیا ہے جو  
 جواہر الکلام میں لکھی ہیں۔

اگر کوئی شخص اس شرط سے وقف کرے کہ عند الضرورت جائداد وقفی کو  
 واپس کر لیا تو یہ شرط جائز ہوگی مگر وقف باطل ہوگا اور صرف بطور جس کے نافذ ہوگا  
 اور جب کوئی ضرورت لاحق ہوگی تو وہ جائداد واقف پر عود کرے گی۔ مگر وہ ضرورت



ایسی ہو جو عرفاً و رواجاً جائز سمجھی جائے نہ یہ کہ کوئی فرضی یا قیاسی ضرورت ہو۔ حیثاً و وقتاً  
واقف پر عود کر کے تو اختیار انتقال اس سے متعلق ہو جائیگا۔

یہ شرط کرنا نہیں جائز ہے کہ واقف جسکو چاہیگا منفعت وقت سے خارج  
کر دیکر یہ شرط کرنا جائز ہے کہ نئے لوگ اس منفعت میں شریک کیے جائیں گے۔  
الاولہ وقت جو اولاد پر کیا گیا ہو۔

جب وقف کسی کی اولاد پر عموماً کیا گیا ہو تو اس میں وہ اولاد بھی داخل ہے  
جو وقف کے بعد پیدا ہوئی ہو گو اس مضمون کی خاص شرط نہ کر لی گئی ہو۔ مگر جب اولاد پر  
وہ جائداد وقف کی جائے جو ان کے حوالہ کر دی گئی ہے تو اس میں وہ اولاد نہ داخل ہوگی جو  
وقف کے بعد پیدا ہوئی ہو مگر یہ کہ ایسی خاص شرط کر لی گئی ہو۔

جب کسی کے اطفال صغیر پر وقف کیا جائے تو واقف شرائط وقف کو  
اس طرح سے نہ بدل سکیگا کہ اسکی منفعت میں غیر لوگ بھی شامل ہو جائیں الا یہ کہ اسے  
اس مضمون کا اختیار اپنے لیے باقی رکھا ہو۔

اقباض موقوف علیہ اول کا شرط ہے اور با بعد کی کارروائی میں قبضہ کا لحاظ  
مطلق نہیں رہتا۔ انتقال میں قبضہ واقعی ضرور نہیں ہے بلکہ صرف نوعیت قبضہ میں کچھ  
تغیر کر دینا لازم ہے کیونکہ واقف وقف کر کے موقوف علیہ کی طرف سے بطور متولی قابض ہو سکتا ہے  
اس کے اس طرح قابض رہنے کا کچھ اثر اس وقف کی حقیقت شرعیہ پر نہ ہوگا۔

چونکہ موقوف علیہ اول کے اقباض سے صرف یہ مراد ہے کہ قبضہ کی  
نوعیت میں کچھ تغیر کر دیا جائے لہذا تفویض یا اقباض نحوائی یا ضمنی کافی ہے۔ شرع حنفی  
کی بحث میں بیان ہو چکا ہے کہ جب موقوف علیہ یا متولی کا قبضہ پیشہری سے موجود ہو تو باضابطہ  
طور سے اسکا قبضہ کرنا کچھ ضرور نہیں ہے مثلاً جب نے ایک جائداد جو اس کے قبضہ میں ہو



اپنے کارندہ بکر کے ذریعہ سے وقف کی ہو اور بکر کو اس کا متولی مقرر کیا ہو تو پھر اس کا قبضہ کرانے کی کچھ ضرورت نہیں ہے کیونکہ بکر کا تعلق بحیثیت کارندہ گری وقف کے ساتھی جاتا رہے گا اور وہ جائیداد اس کے قبضہ میں بحیثیت متولی بدستور باقی رہے گی۔

لہذا یہ عبارت جو شرائع الاسلام میں لکھی ہے کہ "اقباض موقوف علیہ اول کا ضرور ہو" اس میں اور قرائن اور حالات کا بھی لحاظ کامل کرنا ضرور ہے اور خود موقوف علیہ یا موقوف علیہم کا اقباض بھی ضرور نہیں ہے۔ بلکہ جو شخص اس کا کارندہ یا محتار صریح یا ضمنی ہو وہ قبضہ کر سکتا ہے۔ جب وقف کسی عام امر مذہبی یا کار خیر کے لیے کیا گیا ہو مثلاً فقراء یا علماء یا طلبہ وغیرہ پر وقف کیا گیا ہو تو موقوف علیہم من حیث المجموع تو اکیس طرح نہیں قبضہ کر سکتے۔ لہذا حاکم کا قبضہ یا اس شخص کا قبضہ کافی ہے جس کو وقف یا حاکم منتظم مال وقف مقرر کر دے۔

واقف کو اپنے تئیں یا اور شخص کو وقف کا متولی مقرر کرنا جائز ہے۔ جب وقف کسی مصلحت عامہ یا کار خیر عام کے لیے کیا جائے مثلاً مسجد یا پل یا سرائے وغیرہ تو ایسے وقف میں قبول شرط نہیں ہے نہ کسی شخص خاص کا اقباض شرط ہے جو اس مصلحت یا کار خیر عام سے منتفع ہو صرف ناظر یا متولی یا منتظم وقف کا قبضہ کر دینا کافی ہے۔ جب واقف نے کوئی متولی یا منتظم مقرر کر دیا ہو تو حاکم شرع اسے پوچھنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ جب اس کے تقرر کی نسبت کچھ تنازع واقع ہو تو حاکم شرع ایک ناظر مقرر کر دے گا کیونکہ وہ سب مسلمانوں کے حقوق کا حافظ ہوتا ہے۔

جب وقف مسجد کے لیے کیا جائے یعنی جب کوئی جگہ یا کوئی مکان مسجد کے لیے وقف کیا جائے تو اگر وہ ان ایک آدمی نے بھی نماز پڑھی ہو تو بھی وہ وقف جائز ہوگا۔ اسی طرح سے قبرستان میں ایک مردہ کے دفن ہونے سے بھی وقف ہو جائیگا۔ مگر یہ ذہن نشین ہے کہ مالک کی نیت کا ظاہر ہونا واجب ہے مثلاً اگر مالک مکان کسی شخص کو



اپنے مکان میں نماز پڑھنے کی اجازت دے یا اگر اپنے مکان میں کسی کو ہمیشہ نماز پڑھنے کی اجازت دے تو ایسی اجازت سے وہ مکان مسجد یا عبادت خانہ نہ ہو جائیگا۔ لیکن اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے اپنا مکان بطور مسجد کے وقف کیا اور بعد اُسکے کسی اور شخص کو وہاں نماز پڑھنے دے تو اتنا کرنے سے وہ وقف ہو جائیگا۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص مسجد کے قطع کا مکان بنوائے اور کسی کو اُس میں نماز پڑھنے کی اجازت دے تو اتنا کافی ہے گواہوں نے بتصریح وقف نہ کیا ہو۔

اگر کوئی مردہ کسی زمین میں دفن کیا جائے یا کسی مکان میں نماز پڑھی جائے مگر واقعہ نے اُسکے وقف کی نیت صریحاً یا ضمنیاً نہ بیان کی ہو تو یہ اُس زمین یا اُس مکان کے وقف کے لیے کافی ہے۔

اگر باپ یا دادا اپنی کوئی جائیداد اپنے بیٹے یا پوتے پر وقف کرے اور اسکی طرف سے اُس جائیداد پر قابض ہے گواہ اسکا متولی مقرر ہو چکا ہو تو ایسا قبضہ جائز ہے اور شرعاً موقوف علیہ کا قبضہ سمجھا جائیگا۔

جو مال امور مذہبی یا کارہ سے غیر کے لیے وقف کیا گیا ہو اس میں حق اللہ تعالیٰ کا ہے اس واسطے کہ کوئی مال نہیں ہے جسکا کوئی مالک نہ ہو اور چونکہ ایسے وقف عام کا کوئی مالک خاص نہیں ہوتا لہذا وہ مال ضمنیاً مال خدا سمجھا جائیگا۔ جب کسی شخص کی اولاد کی اولاد پر وقف کیا گیا ہو تو بیٹے کی اولاد بیٹی کی اولاد کے ساتھ اسکی منفعت میں شریک ہوگی۔

جب وقف کسی کی اولاد اور اسکی اولاد پر کیا گیا ہو تو اُس میں تیسری پشت کی اولاد نہ شامل ہوگی الا یہ کہ واقعہ کے کلام سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اسکی نیت یہ تھی کہ سب اولاد جو اسکی نسل سے ہو اس وقف کی منفعت میں شریک کی جائے۔

جب کسی کی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اسکی اولاد پر وقف کیا جائے



تو اسکی نسل میں جو لوگ زندہ رہ گئے ہوں وہ سب اس وقف کی منفعت میں برابر حصہ پائینگے الا یہ کہ یہ کہہ دیا گیا ہو کہ انکو بطناً بعد بطن دیا جائے کہ اس صورت میں ایک بطن کے بعد دوسرے بطن کو ملیگا۔

جب وقف عموماً اولاد پر کیا جائے تو اسکی منفعت واقف کی سب لاو پائیگی اور جب امنین سے کوئی زندہ نہ رہیگا تب ہی فقراء کو دیا جائیگی۔

جب وقف کسی مسجد پر کیا گیا ہو اور وہ مسجد خراب و برباد ہو گئی ہو یا جس محلہ یا گائون میں وہ مسجد ہے وہ ویران ہو گیا ہو تو بھی وہ وقف باقی رہیگا اور مال وقف واقف پر عود نہ کر گیا باوجودیکہ اس مسجد کے آثار و علامات کے سواے اور کچھ بھی نہ باقی رہا ہو اس مسئلہ پر علماء شیعہ کا اجماع ہے۔

جب کوئی مکان وقفی ایسا برباد ہو جائے کہ کچھ آثار و علامات اُس کے نہ باقی رہیں تو حبش میں پر وہ مکان بنا تھا وہ وقف سے خارج نہ ہو جائیگی۔ اور فروخت نہ ہو سکیگی یعنی اُس مکان کے خراب ہو جانے سے اُسکا وقف نہیں باطل ہو جائیگا کیونکہ وقف کی خاصیت دوام و استمرار ہے۔

جب یہ معلوم ہو جائے کہ اگر مال وقف کو بیکر محل بیع یعنی اسکی قیمت کسی تجارت میں لگائی جائے یا اور کوئی جائداد کثیر لمنفعت خرید لی جائے تو مستحقین یا موقوفین عظیم کو زیادہ فائدہ ہوگا تو متولی اس جائداد کو فروخت کر سکتا ہے جب موقوفین عظیم یا مستحقین وقف میں تنازعات پیدا ہوں اور یہ معلوم ہو کہ وقفی جائداد کو اسکی ہیئت اصلی پر رکھنے سے نقصان عظیم ہوگا تو اسکو فروخت کرنا جائز ہے۔ واقف کو اس مضمون کی شرط کرنا جائز ہے کہ متولی کو اختیار ہوگا کہ اس جائداد کو بیکر اسکی قیمت کسی ایسے کام میں لگائے جس سے زیادہ تر فائدہ ہو۔

جب وقف غراب پر کیا گیا ہو تو غراب شہر کو اور جو لوگ اُس سے



منتفع ہونا چاہیں انکو دیا جائیگا۔ متولی کو یہ ضرور نہیں ہے کہ لوگوں کو تلاش کر کے منفعت وقف ائین تقسیم کرے۔ امام ابو جعفر ثانی یعنی امام محمد تقی علیہ السلام نے ابو علی ابن سلیمان کے نامہ کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب کسی شخص کی اولاد محتاج پر کچھ زمین وقف کی گئی ہو تو اسکی منفعت ائین سے ان لوگوں کو دی جائیگی جو اس شہر میں رہتے ہوں جہاں وہ زمین وقفی ہو۔ یا جو لوگ اسکو لینے آئیں انکو دی جائے متولی کو انکی تلاش کرنا واجب نہیں ہے۔

صدقہ بعد اقباض نہیں منسوخ ہو سکتا کیونکہ وہ بمنزلہ ہبہ بالعوض کے ہے صدقہ سے مقصود تقرب اور خوشنودی خدا حاصل کرنا ہے اور جب صدقہ کر دیا گیا تو خوشنودی خدا حاصل ہو گئی پھر منسوخ نہیں ہو سکتا ہے۔

## تیسرا بیان باب

### فصل اول

احکام وقف موافق مذہب مالکی

سائیر اصحاب عالم فریسی نے اپنی کتاب کے باب الاوقاف کے مقدمہ میں شرع مالکی کے باب میں تقریر بذیل لکھی ہے۔

وقف کا مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے جاری ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث لکھی ہے کہ حضرت عمر ابن الخطابؓ کو کچھ جائداد خیرین مل گئی تھی پس ایک روز انھوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں اس جائداد کو بہت عزیز رکھتا ہوں یا رسول اللہ میں اس جائداد کو کیا کروں کہ خداوند عالم مجھے رضی اور خوشنود ہو۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اسکو وقف کر کے اسکی آمدنی فقراء پر تقسیم کرو۔ حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کی تعمیل ارشاد کی اور اس جائداد کو وقف کیا۔ وقف فروخت نہیں ہو سکتا نہ ہبہ نہ رہن ہو سکتا ہے نہ وراثت مل سکتا ہے۔



در اصل وقف ایک قسم کا عطیہ کسی امر دینی یا کار خیر کے لیے تھا جس سے واقف کو مال وقف سے فوراً دست بردار ہو کر اس کا رخیر کے لیے دیدیا پڑتا تھا جس کام کے لیے وہ وقف کیا گیا تھا۔ مگر خلفاء راشدین اور علماء دین کو منظور ہوا کہ اوقاف بکثرت وقوع میں آئیں اسلئے انھوں نے وقفین کو اجازت دی کہ درمیانی حق داریا موقوف علیہم جتنی چاہیں مقرر کریں تو پھر یہ سمجھنا کیا مشکل ہے کہ وقف کا اصول دران جالیکہ اپنی ہیئت اصل پر باقی ہے مسلمانوں کی جائداد میں مانع تو ریش ہوا ہے اور زوجہ اور مادر اور دختر و خواہر کے حقوق میں خارج ہوا ہے اور مسلمان کی ساری جائداد کو اسکی اولاد کو زمین باقی رکھا ہے۔ مگر سب اوقاف و خیران و ازواج واقف کو محبوب الارش نہیں کر دیتے۔ بلکہ بعض اوقاف اسی ہیں جنہیں مال وقف سب اولاد پر بلا امتیاز ذکر وراثت برابر تقسیم کیا جاتا ہے اور اکثر اوقاف ایسے بھی ہیں جنہیں تقسیم موافق نص قرآنی کے ہوتی ہے آخر الذکر اوقاف سے صرف ایک ہی غرض معلوم ہوتی ہے کہ مال وقف میں ایک ہی خاصیت پیدا ہو جائے تاکہ اسکو سلطان غصب یا ضبط نہ کر سکے۔ اوقاف کے باب میں صوبہ اچیرس کے حنفیہ اور مالکیہ دونوں فرقوں کے احکام متضاد بھی ہیں اور مختلف بھی ہیں مسلمانوں کا ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے مسائل کو اختیار کر سکتا ہے۔ مگر دونوں فرقوں کا مذہب نہیں اختیار کر سکتا۔

جو لوگ ہبہ کر سکتے ہیں وہ سب شرعاً وقف بھی کر سکتے ہیں۔ پس واقف کو چاہیے کہ (۱) آزاد ہو غلام نہ ہو (۲) صحیح العقل ہو مجنون نہ ہو (۳) صحیح و سالم ہو یعنی مرض الموت میں نہ مبتلا ہو۔ بیمار آدمی کا وقف مثل وصیت کے ہے۔ اگر وراثت پر کیا گیا ہو تو بطل ہے اگر غیر وراثت پر کیا گیا ہو تو فقط ثلث مال میں نافذ ہو سکتا ہے چنانچہ خلیل ابن سحیح

۱۰ یہ قول امام غنیم ابو حنیفہ کا ہے۔ امام مالک کے نزدیک واقف وقف سے اپنی بیوی کو نہیں خارج کر سکتا ۱۱۔  
۱۲ سائر اصحاب کی شرع مالکی صفحہ ۲۴۴۔ اس باب کے احکام وقف اکثر اسی کتاب سے لیے گئے ہیں ۱۲۔



فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص مرض الموت کی حالت میں ورثہ پر وقف کرے اور اسی شخص میں مر جائے تو وہ وقف باطل ہے مگر جب ورثہ کے سواے اپنی نسل کے اور لوگوں پر وقف کرے تو جائز ہے بشرطیکہ وقف میں ثلث متروکہ سے زیادہ نہ شامل ہو۔

(۴) جس مال کو وقف کیا ہے اُس پر قابض ہو یعنی اُس پر اختیار رکھتا ہو۔

لہذا بعد التوّن نے وقف کو باطل کر دیا ہے (الف) جب واقف بہت مقروض ہو گیا ہے اور مال وقف کو بیچا اُس کا قرضہ ادا کرنا پڑا ہے۔ (ب) جب واقف کا قرضہ اُسکی جائداد سے زیادہ ہو گیا ہے۔ (ج) جب واقف قبضہ مالکانہ جائداد وقفی پر اسوقت نہ رکھتا تھا جب اُس نے اُسکو وقف کیا تھا۔

(۵) بالغ و عاقل ورشد ہوا اور بکار خود مختار ہو۔ لہذا عورت بلا رضا مندی اپنے شوہر کے اپنے مال کے ایک ثلث سے زائد کو نہیں وقف کر سکتی۔

غیر مسلم حسین سب شرائط جمع ہوں اپنی جائداد کا یا جزا وقف کر سکتا ہے جو لوگ دین اسلام کے پیرو نہیں ہیں انکو صرف ایک وقف کرنا شرعاً نہیں جائز ہے یعنی وہ مسجد پر کوئی چیز نہیں وقف کر سکتے۔ جب ایک کتاب میں لکھا ہے کہ کافر مسجد پر کچھ نہیں وقف کر سکتا۔ وقف ہر شخص پر ہو سکتا ہے جو جائداد پر قبضہ کر سکتا ہے۔ اور جو لڑکے ہنوز نہ پیدا ہوئے ہوں اپنا ورثہ یا غیر موجودہ پر بھی ہو سکتا ہے لہذا واقف اشخاص ذیل کو موقوف علیہم قرار دے سکتا ہے۔

(الف) مسلم یا غیر مسلم کو بشرطیکہ وہ دارالاسلام کا باشندہ ہو۔ لفظ مطیع الاسلام جو فقہاء نے لکھا ہے اُس سے یہی مراد ہے اور مسئلہ ذیل کا بھی یہی مفاد کہ وقف غیر مسلم پر جو دارالحرب کا باشندہ ہونا جائز ہے۔

(ب) مردوں اور عورتوں کو۔

(ج) بالغون اور نابالغون کو۔



(د) ورثہ اور غیرورثہ کو۔

(ه) غیرون کو۔

(و) کارہائے خیر کے لیے مثلاً قبرستان یا کاروانسرا

یا کسی ولی کا مقبرہ یا خرمین شریفین یعنی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ۔

(ز) محتاجون اور بیارون اور لنگڑوں ولون کو۔

واقف کو اختیار ہے کہ موقوف علیہم اپنے خاندان یا غیر خاندان سے مقرر کرے مگر

کلام اسمین ہے کہ آیا یہ اختیار اسکا مطلق ہے۔ اور آیا اسکو اتنا اختیار ہے کہ اپنی

بیٹیوں کو وقف سے خارج کرے۔ خلیل بن اسحق کا کلام اس باب میں قطعی ہے

وہ فرماتے ہیں کہ دو بیٹیوں کو خارج کر کے بیٹوں پر وقف کرنا شرعاً نہیں جائز ہے۔

اور یہی قاعدہ صوبہ الجیس کی عدالتوں نے ہمیشہ جاری کیا ہے۔ چنانچہ ایک گریمن

جو ۳۰ دسمبر ۱۹۰۷ء کو صادر ہوئی تھی یہ عبارت لکھی ہے کہ دو چونکہ مسلمانوں کے

عقائد مذہبی اور قوانین دینی کا دار و مدار قرآن مجید پر ہے اور ترتیب و طریقہ میراث

نصوص قرآنی سے اخذ کیا گیا ہے اور چونکہ تقسیم ترکہ میں اولاد اناث کو ایک حصہ یا گیا ہے

اور اولاد ذکور کی خاطر سے اناث اپنے حق سے محروم نہیں کھی گئی ہیں مگر یہ کہ شارع

علیہ السلام کے حکم میں کوئی غلط فہمی کرے لہذا جو وقف اناث کو محروم کر کے کیا گیا ہو

وہ بالکل خلاف شرع اور مخالف احکام شارع ہے پس ایسے وقف کو باطل کر دینا جائز ہے۔

پھر دوسری ڈگری مصدورہ ۳۰ نومبر ۱۹۰۷ء میں لکھا ہے کہ یہ وقف

موافق مذہب بالکی ہوا تھا اور اس مذہب میں اولاد اناث وقف کی منفعت سے خارج

نہیں ہو سکتی لہذا وقف نامہ باطل ہے۔ سیدی خلیل کے نزدیک وقف اپنے بیٹوں کو

۱۔ شرع منفی کے احکام وقف اور اگنیو صاحب کا قانون اوقاف صفحہ ۳۶۹-۳۵۳ ملاحظہ ہو ۱۲

۲۔ مذہب منفی میں ایسا وقف مکروہ ہے باطل نہیں ہے ۱۲



وقف سے شرعاً خارج کر سکتا ہے اور پرن صاحب لکھتے ہیں کہ بیٹیوں کے بالعکس بیٹے وقف سے خارج ہو سکتے ہیں مگر عدالتین اُن علماء مالکی کے قول پر عمل کرنا نہیں جائز سمجھیں جبکہ یہ مقولہ ہے اور عدالتون نے اُس اصول کو جسے سیدی خلیل نے مقرر کیا ہے ایسا وسیع کر دیا ہے کہ بیٹے اور بیٹی دونوں پر حاوی ہو گیا ہے اور یہ اعانہ کر دیا ہے کہ کوئی بیٹا اور بیٹی منفعت وقف سے نہ خارج کیجائے عدالت الجیس کی ایک ڈگری مصدورہ ۲۰ مارچ ۱۸۶۵ء میں لکھا ہے کہ یہ نص قرآنی کے بموجب بیٹا متروکہ پدری میں ایک سہم معین نے پکا مستحق ہے اور اس سے صرفاً و ضمناً محروم نہیں ہو سکتا پس جو وقف باپ نے اپنے بیٹے پر کیا ہوا اور بیٹی کو اُس سے خارج رکھا ہوا اسکو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ فی الواقع ایک وقف تلبیسی ہے اور بالکل خلاف شرع ہے اور اسوجہ سے اُس وقف کو منسوخ کرنا واجب ہے۔

بہر کیف صرف پہلے طبقہ کی اولاد کا اخراج وقف سے ممنوع ہے۔ اور سیدی خلیل نے فقط اُن اوقاف کو ناجائز فرمایا ہے جو بیٹیوں کو خارج کر کے بیٹیوں پر کیے گئے ہوں۔ لہذا عدالتون نے اسٹنارٹ ویل کا احسراج وقف سے منظور فرمایا ہے۔

(الف) پوتا۔

(ب) نواسی۔

(ج) بیٹی کی سب اولاد نواسا ہو خواہ نواسی۔

(د) پوتیان۔

واقف نہ صرف موقوف علیہم اول کو مقرر کر سکتا ہے بلکہ سب حقداران وقف کو یکے بعد دیگرے جس ترتیب سے چاہے نافذ کر سکتا ہے اور اسکو اختیار ہے کہ جو حق جائینی شرع میں دیا گیا ہے اُسکے علاوہ کوئی خاص حق جائینی عطا کرے۔

واقف کہہ سکتا ہے کہ (۱) حق قائم مقامی تسلیم کر لیا جائے (۲) منفعت



وقف موقوف علیہم پر فردا تقسیم کیا ہے۔ (۳) تقسیم موقوف علیہم پر بلحاظ انکی تدریس۔  
 ضمانت کے کیا ہے۔ اگر وقف نامہ میں یہ امور نہ لکھے ہوں تو قوا عدول کی پابندی  
 کی جائیگی۔

قائم مقامی کے باب میں کچھ وقت نہیں ہے۔ قائم مقامی کا اصول  
 شرع محمدی میں نہیں ہے۔ پس جس طرح امور وراثت میں اس اصول کو جاری کرنیگی  
 کوئی وجہ نہیں ہے اسی طرح اوقاف میں بھی نہیں ہے۔

اب رہی دوسری بات یعنی موقوف علیہم پر فردا تقسیم کرنا۔ اسکی تفصیل  
 یہ ہے کہ پہلی پشت میں یعنی واقف کی اولاد صلیبی میں تو تقسیم فردا ضرور ہوگی۔ لیکن  
 دوسری پشت و تیسری پشت وغیرہ میں تقسیم بالجمع ہوگی موافق اس قاعدہ کے جو فقہ  
 ابن رشد نے مقرر کیا ہے اور جسکو اکثر علما لاکھی نے جاری کیا ہے۔ بیاباب کا حصہ  
 پائیگا اور اسکے چچا کے صادق ہو گئے۔ اس واسطے کہ ہر اولاد کی وجہ سے اسکے  
 باپ کی نسل باقی رہتی ہے۔

اس سلسلہ کو ابجیرس کی عدالتوں نے متواتر جاری کیا ہے چنانچہ ایک  
 ڈگری مصدورہ ۲۰ اپریل ۱۲۶۹ء حالات ذیل صادر ہوئی تھی۔

دو ایک وقف چند پشتوں میں دورہ کرتا ہوا دو بھائیوں تک پہنچا  
 جنکا نام محمد اور حاج علی تھا۔ محمد ۱۲۶۹ء میں مر گیا اور سات اولاد چھوڑ گیا۔ ابجیرس کے  
 قاضی نے مال وقف کے قبضہ کے دعوے کا قبضہ تیار ۲۰۔ اکتوبر ۱۲۶۹ء (۱۲۶۹ء) اپریل  
 میں تیار ۲۰۔ اپریل ۱۲۶۹ء بحال ہا یہ کیا کہ محمد کی اولاد چونکہ ایک شعبہ خاندان کی  
 قائم مقام ہے لہذا اپنے باپ کا نصف حصہ لیکر باہم تقسیم کر لے اور حاج علی چونکہ دوسرے  
 شعبہ کا رئیس ہے لہذا باقی نصف وقف اُسکو دیا جائے۔

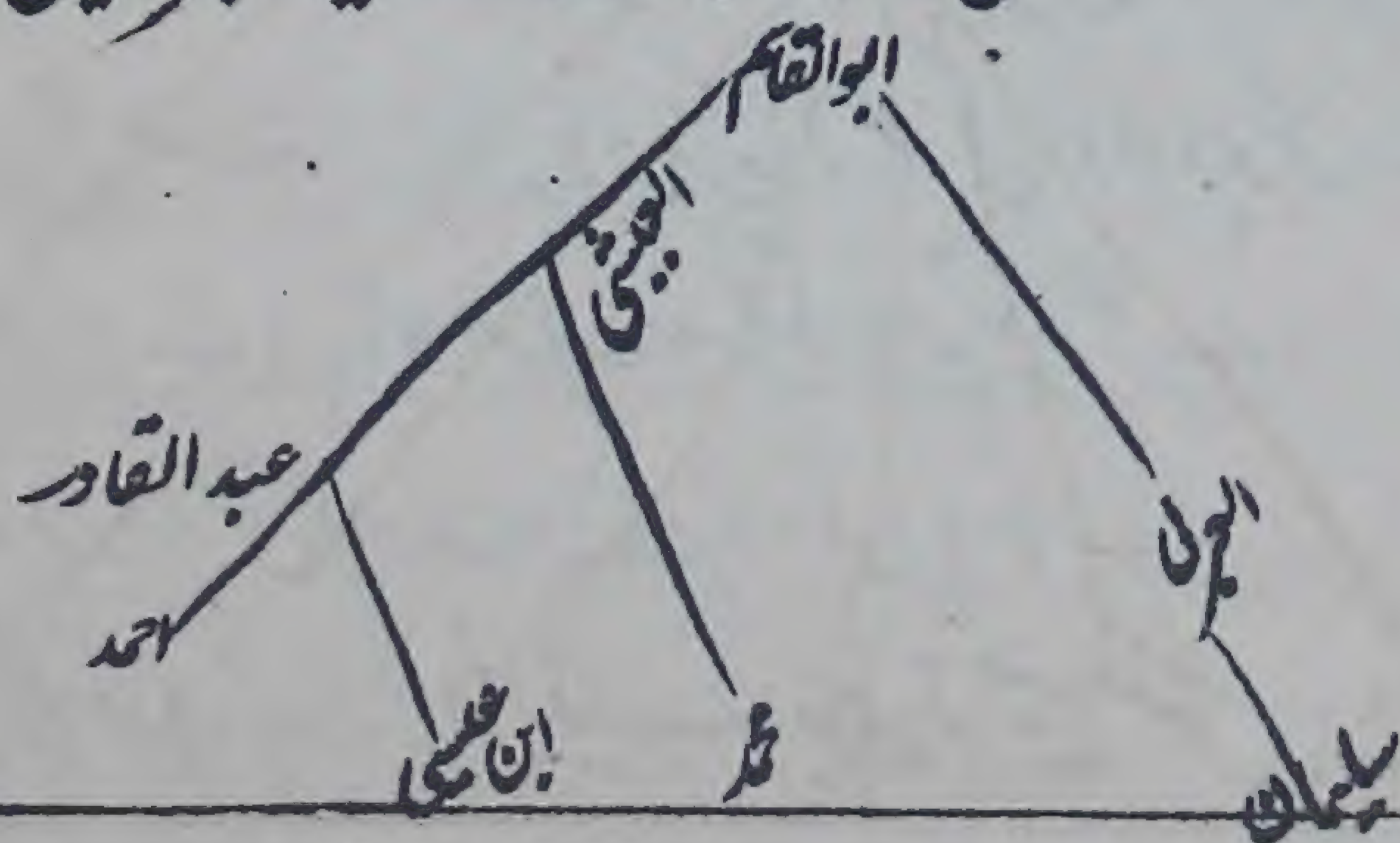
تقسیم وقف سے متعلق تیسرے امر کی توضیح خلیل ابن اسحق نے



یہ فرمائی ہے کہ اگر واقف نے حصوں کی مقدار معین مقرر کر دی ہے تو ذکر و بیان  
برابر حصہ پائیکے۔

واقف یہ بھی شرط کر سکتا ہے کہ برادران عینی اور برادران علاتی  
دونوں کو وقف سے حصہ دیا جائے مگر جب کوئی ایسا خاص فقرہ وقف نامہ میں لکھا ہو  
تو برادران عینی اور برادران علاتی دونوں کو برابر حصہ ملیگا۔ چنانچہ شیخ المحطبت نے  
فرمایا ہے کہ برادران عینی اور برادران علاتی کے حقوق اسوجہ سے مساوی ہیں  
کہ انکی قرابت باپ سے ایک درجہ کی ہے اور ایک حکم شرعی رکھتی ہے اور سیدی  
خلیل نے فرمایا ہے کہ اگر واقف یہ شرط کرے کہ فلان شخص کا حصہ اس کے سب سے قریب  
رشتہ دار کو دیا جائے اور اگر اس شخص کے برادران عینی اور برادران علاتی اور  
برادران اخیانی سب موجود ہوں تو کیا برادران عینی کو برادران علاتی پر ترجیح  
دی جائیگی؟ نہیں نہیں ترجیح دی جائیگی اس واسطے کہ وہ سب درجہ قرابت میں برابر  
ہیں۔ سیدی خلیل کی کتاب کے شارح عبدالباقی نے بھی یہی لکھا ہے کہ سب سے  
قریب رشتہ دار سے مراد مصنف کی یہ ہے کہ برادر عینی اور برادر علاتی کے حقوق  
مساوی ہیں کیونکہ باپ سے وہ درجہ قرابت میں برابر ہیں۔

قریب القرابت اور بعید القرابت دونوں وقف میں برابر پائیکے بشرطیکہ  
وقف نامہ میں یہ شرط لکھی ہو ورنہ قریب القرابت بعید القرابت کو محبوب کر دیا۔  
اس قاعدہ کو سمجھنے کے لیے شجرہ ذیل لکھا گیا ہے۔

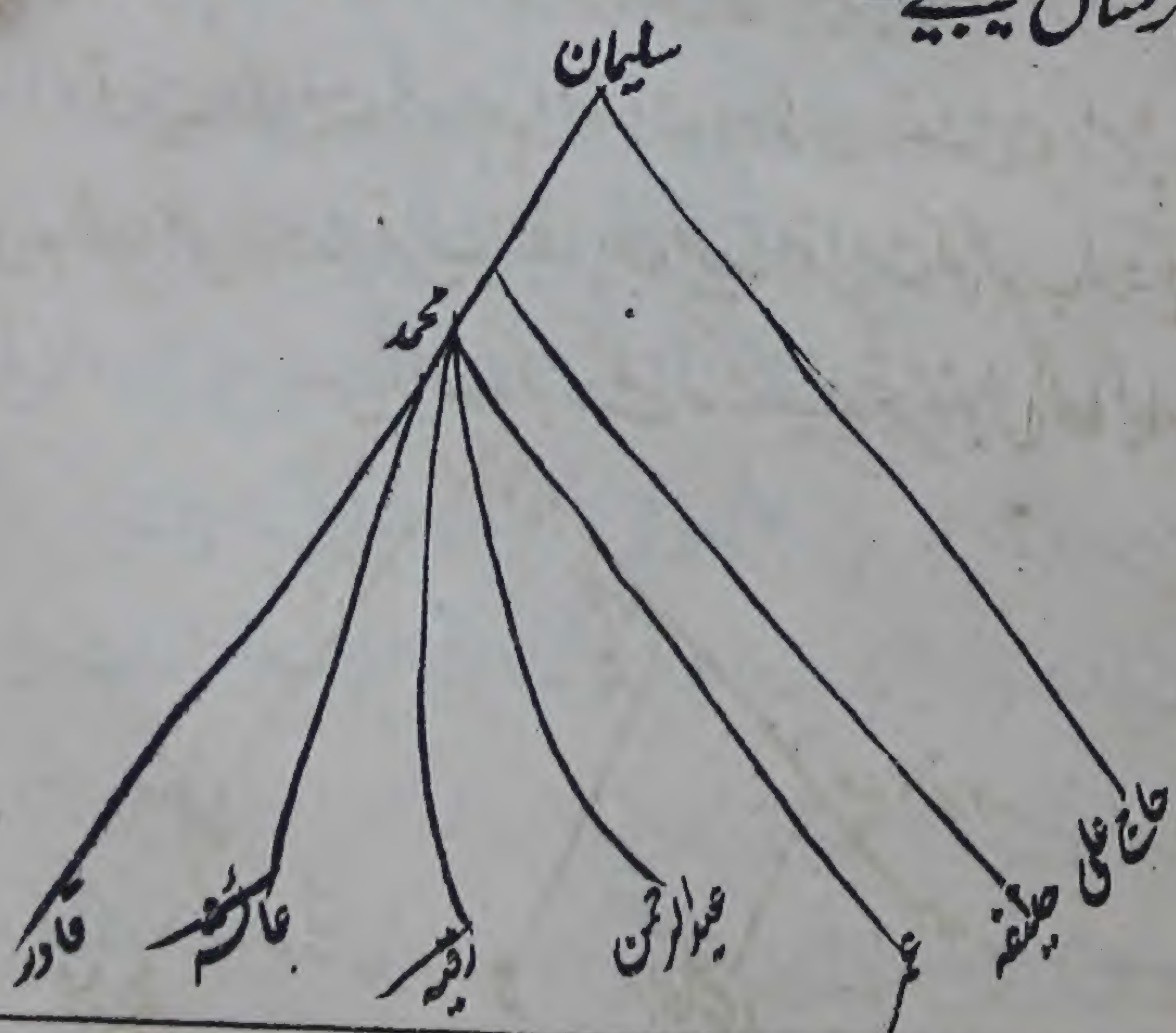




ابو القاسم واقف کی دو اولاد یعنی العربی اور لعیشی تھے وہ دونوں مال وقف میں نصف نصف حصہ پانے کے مستحق ہوئے۔ العربی کے مرنے کے بعد منافع وقف دو حصوں پر تقسیم کیا گیا یعنی لعیشی اپنے نصف حصہ پر قابض رہا اور سلیمان نے اپنے پرستو فی العربی کا نصف حصہ پایا۔ لعیشی کے دو بیٹے تھے عبدالقادر اور محمد عبدالقادر اپنے باپ کی حیات میں مر گیا اور دو بیٹے احمد اور عیسیٰ چھوڑ گیا۔

سوال۔ جو نصف حصہ لعیشی کو ملا تھا وہ اب کس کو ملیگا۔  
جواب۔ اگر وقف نامہ میں کوئی خاص شرط نہیں لکھی ہے تو محمد کو ملیگا اور کسی کو نہ ملیگا۔  
اس واسطے کہ اُس کے بھتیجے احمد اور عیسیٰ واقف سے قرابت میں ایک جہ اس کے بعید ترین اور اپنے باپ کے قائم مقام نہیں ہیں کہ وہ پہلے ہی مر چکا تھا۔ اگر واقف نے یہ شرط کی ہوتی کہ سب درجہ کی اولاد برابر پائیگی یعنی قریب القربت اور بعید القربت سب برابر پائینگے تو احمد اور عیسیٰ اور محمد لعیشی کا حصہ پانے کے بالمشارکت مستحق ہوتے اور ہر ایک انہیں سے ایک سدس منفعت وقف سے پاتا۔ یہ موافق اس فیصلہ عدالت بحیرس کے ہے جوہ مئی ۱۸۷۷ء کو صادر ہوا تھا۔

ایک اور مثال لیجیے۔





سلیمان نے اپنی سب اولاد پر بلا امتیاز ذکر و اثاث وقف کیا اور جب اسکی نسل میں کوئی نہ ہو تو اپنے دو بھائیوں حاج علی اور محمد پر اور انکی اولاد پر بلا امتیاز ذکر و اثاث سلیمان اولاد مر گیا لہذا وہ وقف اسکے دو بھائیوں کو پہونچا۔ محمد مر گیا اور پانچ اولاد چھوڑ گیا اور انھوں نے وہ نصف جو انکے باپ کا تھا باہم تقسیم کر لیا بعد ازاں عبدالرحمن مر گیا اور صرف ایک بیٹی رقیہ چھوڑ گیا جسے برخلاف عام قاعدہ میراث کے اپنے باپ کا پور حصہ پایا۔ اسکے بعد حاج علی اولاد مر گیا۔

سوال۔ حاج علی کا نصف حصہ کسکو ملیگا۔

جواب۔ قادر اور عائشہ اور عمر اور حنیفہ ایک ایک بیع پائینگے۔ اب ہی رقیہ وہ حاج علی کے حصہ میں سے کچھ نہ پائیگی کیونکہ وہ اس سے قرابت میں ایک درجہ نسبت اپنے چچاؤں اور پھپھیوں کے بعید تر ہے اور چونکہ قائم مقامی کی شرط نہیں ہوئی لہذا وہ اپنے باپ کے حق کا وکوف نہیں کر سکتی جو پہلے ہی مر چکا تھا۔ یہ فیصلہ عدالت الیجرس نے ۲۰۔ اپریل ۱۳۳۷ء کو کیا تھا۔ جب موقوف علیہم میں سے کوئی شخص اولاد مر جائے تو اسکا حصہ سب سے قریب کے رشتہ دار کو ملیگا جیسا اس مثال سے ظاہر ہے۔ بعض اوقات واقف یہ تصریح کر دیتا ہے کہ ان دونوں میں سے جو پہلے مر جائیگا اسکا حصہ دوسرے کو ملیگا۔ مگر اکثر وقف ناموں میں یہ کچھ نہیں لکھا ہوتا اور اس سکوت کے معنی علیتین سمجھتی ہیں کہ گویا فقرہ مذکورہ بالا وقف نامہ میں لکھا ہے مثلاً ایک شخص احمد بن عبدالقادر نے اپنی اولاد پر وقف کیا اور جب میں سے ایک اولاد مر گیا تو اسکا حصہ اسکے چار بھائیوں اور بہنوں کو اس طرح ملا کہ ایک ایک بیع سبے پایا اور یہ موافق فیصلہ مجلس سیدیہ مصدورہ ۳ ستمبر ۱۳۵۷ء کے ہوا۔ اسی طرح سے ایک وقف چند موقوف علیہم کو ملا اور جب ان میں سے ایک مر گیا تو جو زندہ ہے تھے ان میں جھگڑا ہوا جسکا فیصلہ عدالت الیجرس نے بذریعہ ڈگری مصدورہ ۲ ستمبر ۱۳۵۷ء عزیہ کیا کہ اسکا حصہ ان لوگوں پر برابر تقسیم کر دیا جائے جو اس سے درجہ



قربت میں برابر ہوں۔ اس فیصلہ کو قاضی حلقہ ۵ نے تیار کر دیا۔ اس سلسلہ کو مل کر بنا اس وقت کچھ مشکل نہیں ہے۔  
مصدورہ ۵ جو لائی گئی ہے اس کے تحت ایک شعبہ سے ہوں اس لئے کہ ان سب میں رشتہ  
جبکہ سب موقوف علیہم واقع کی نسل کے ایک شعبہ سے ہوں اس لئے کہ ان سب میں رشتہ  
قربت موجود ہے اور وہ سب ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ مگر جن صورتوں میں موقوف علیہم  
جنکو واقع نے مقرر کیا ہے ایک ہی خاندان سے نہ ہوں اور نہیں سے کوئی لاولد مر جا  
تو ان صورتوں میں کیا ہوگا کیا اس کا حصہ اُس کے ساتھ کے موقوف علیہم کو ملیگا جہاں اگر وقت نہ  
میں کوئی ویسا فقرہ لکھا ہو جیسا سنیہ ۷ کے وقت نامہ میں لکھا تھا یا اور کوئی ایسی شرط  
لکھی ہو جس سے یہ قیاس ہو سکے کہ واقع کی مرضی یہ تھی کہ وقت اس شخص کو ملے جو زندہ ہو  
تو اس سوال کا جواب بصیغہ اثبات دیا جائیگا یعنی وہ ہاں ملیگا لکھا جائیگا۔ یہ اس اصول  
مستند ہو سکتا ہے جو خلیل بن اسحق نے مقرر فرمایا ہے کہ جو وقت دس آدمیوں پر  
اس شرط سے کیا گیا ہو کہ اپنی مادام الحیات اس سے منتفع ہوں نہ ان سب کے مرنے کے بعد  
واقع پر عود کر گیا اور اگر واقع نہ ہو تو اُس کے ورثہ کو ملیگا۔  
مگر جب ایسی کوئی شرط وقت نامہ میں نہ لکھی ہو تو موقوف علیہم ترک کا  
وعدہ نہ چلیگا اور متوفی کا حصہ اُس کے وارث کو ملیگا یا واقع پر عود کر گیا اگر وراثت  
و جانشینی کی تصریح واقع نے نہ کی ہو جیسا اس عبارت سے ظاہر ہے کہ جو جب وقت  
دو خاص آدمیوں پر کیا گیا ہو اور اُن کے بعد فقراء پر تو جب ان دونوں میں سے کوئی جا گیا  
اُس کا حصہ فقراء کو دیا جائیگا۔

## فصل دوم

کون پسین وقت ہو سکتی ہیں۔

خلیل بن اسحق نے فرمایا ہے کہ سب قسم کا مال جیسے واقع اپنے تصرف یا اختیار کو عمل میں  
لا سکتا ہے شرعاً وقت ہو سکتا ہے۔ بلکہ بعض علماء نے اس سے بھی ترقی کر کے فرمایا ہے کہ جو



منفوت باربر داری کے جائیروں یا گھوڑوں سے یا ان غلاموں کی خدایات سے جو بیاریوں کی تیار داری کرین حاصل ہو وہ بھی وقف ہو سکتی ہے۔ آیا طعام خالص وقف ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اسکا جواب اس مسئلہ پر موقوف ہے کہ آیا جائیداد منقولہ کو وقف کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ میں بڑا اختلاف کیا ہے۔ مگر عموماً ائمہ میں اتفاق معلوم ہوتا ہے کہ جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ دونوں وقف ہو سکتی ہیں۔ اور پرن صاحب نے لکھا ہے کہ مذہب مالکی میں یہی ہے۔ اور یہی اصول عدالت البحرس کی ایکٹ گری میں قائم رکھا گیا ہے۔ خلیل ابن آحق نے فرمایا ہے کہ کتاب کتب خانہ کے لیے اور گھوڑا جہاد کے لیے اور زرہ وقف کرنا جائز ہے۔ مگر وقف کے مقصود اصلی کے خیال سے اور اس خیال سے بھی کہ جب وقف کیا جاتا ہے تو واقعہ کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ اصل جائیداد امور مذہبی کے لیے قائم رکھی جاوے اور صرف اسکی منفوت موقوف علیہم کو دیجاوے علماء نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو چیزیں استعمال سے فنا ہو جائیں یا چند مدت میں معدوم ہو جائیں انکو وقف کرنا نہیں جائز ہے۔

مگر ہر قسم کی جائیداد منقولہ اسوقت وقف ہو سکتی ہے جبکہ اسکو بچکا اسکی قیمت سے کوئی جائیداد غیر منقولہ خرید لیجاوے۔ آلات زراعت اور ہل جو تنے کے بیل اور اور جائیداد جو مقاصد زراعت کے لیے رکھے جائیں وقف ہو سکتے ہیں۔ ائمہ میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔

کسی خاص جائیداد کا ایک جز بھی وقف کرنا جائز ہے۔ اور جب کوئی مکان وقف کیا گیا ہو اور اسکا ایک حصہ واقف کا قرضہ ادا کرنے کے لیے فروخت کیا گیا ہو تو باقی وقف باقی رہیگا۔ وقف کرنے کے وقت واقف کا مال وقف پر فی الواقع قابض ہونا بھی کچھ ضرور نہیں ہے۔ بلکہ آئندہ کے مال کو وقف کرنا بھی شرعاً جائز ہے۔ یہ اصول البحرس کے قاضی کے دو فیصلوں میں جو ۱۲۷۷ھ اور ۱۲۷۸ھ میں صادر ہوئے تھے قائم رکھا گیا ہے۔ ۱۲۷۸ھ کے فیصلے میں یہ عبارت لکھی ہے



و آدمی کو جائز ہے کہ اپنا کل مال جو اس کے پاس ہو یا جو اس کو آئندہ ملنے والا ہو خدا کی راہ میں وقف کر دے مگر وہ وقف صرف اس جائداد میں نافذ ہوگا جس پر موقوف علیہ کا قبضہ قبل وفات واقع ہو گیا ہو۔

سیدی خلیل فرماتے ہیں کہ وہ وقف ان الفاظ سے ہو سکتا ہے۔

وقف یا صدقت۔ یعنی میں وقف کرتا ہوں یا صدقہ کرتا ہوں۔ مگر ان صیغوں میں شے موقوف کو بھی بیان کر دینا لازم ہے۔

باوجودیکہ وقف ایک امر اتم ہے مگر وقف میں کوئی رسم شرعی ادا کرنا

یا اس کو مشہور کرنا کچھ ضروری نہیں ہے۔ بلکہ گواہوں کے سامنے وقف کرنا کافی ہے۔ مگر

جواز وقف دو شرطوں پر موقوف ہے۔ ایک یہ کہ وقف حیثیت کسی امر مذہبی یا کار خیر کی

رکھتا ہو۔ دوسرے یہ کہ شے موقوف منتقل کر دی جائے اور وقف کے حقوق ملکیت اس کے

سلب ہو جائیں۔ پہلی شرط تو عموماً حقیقت وقف کا نتیجہ ہے۔ لہذا جب وقف خاصہ شیئ میں

پر کیا جائے تو اس کا مقصود آخری ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ خیرین شریفین یا مسجد یا کار و انشرا

یا قبرستان یا کسی مشہور یا فقراء وغیرہ کے مصرف میں لایا جائے۔

وقف نامہ میں عموماً یہ فقو لکھ دیا جاتا ہے کہ جب ہر شخص جو موقوف علیہ مقرر

کئے گئے ہیں بالکل فنا ہو جائیں تو یہ وقف فلان فلان شخص کو دیا جائے گا۔ واضح ہو

کہ بعض امر مذہبی ایسا بھی ہوتا ہے جس میں خیرات کا خیال نہیں شامل ہوتا۔ سیدی خلیل نے

خاص یہ بات بیان کی ہے اور پیرن صاحب نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ اگر موقوف علیہ نہایت

آسودہ حال ہوں تو بھی وقف جائز اور موجب ثواب ہوگا۔

دوسری شرط کی بہت تاکید لکھی ہے۔ یعنی لکھا ہے کہ اگر موقوف علیہ کا

قبضہ نہ کر دیا جائے تو اگرچہ وہ بالغ ہو چکا ہو تو بھی وہ وقف باطل ہے۔ محمد صاحب

فرماتے ہیں کہ وہ قبضہ کر دینا وقف کی شرط ضروری ہے اور اگر واقعہ میں غفلت یا شرم پوشی



کرے اور مال و وقت کا انتظام اور اُس میں تصرف خود کرتا رہے تو اسی بات سے وقف ہل  
ہو جائیگا اور شرعاً ناجائز سمجھا جائیگا۔

ہبہ نامہ کی طرح وقف نامہ میں بھی ایک فقرہ اس مضمون کا لکھ دیا جاتا ہے  
کہ موقوف علیہ نے قبضہ کر لیا۔ مگر یہ لکھ دینا ثبوت قطعی قبضہ کا ہمیشہ نہیں ہوتا بلکہ اسکی تائید میں  
شہادت بھی ہونی چاہیے۔ موقوف علیہ اگر بالغ ہو تو خود قبضہ کرے اگر نابالغ ہو تو اسکا باپ  
یا ولی قبضہ کرے۔ جب وقف کسی امرد ہی یا کارخیر کے لیے کیا جائے تو اس کے منتظم یا ناظر کا  
قبضہ کرنا چاہیے۔ اقباض صرف اُس صورت میں ضرور نہیں ہے جبکہ باپ نے اپنے  
نابالغ بیٹے پر وقف کیا ہو بشرطیکہ اور امور سے ثابت ہو جائے کہ وقف کرنے کا ارادہ تھا  
یعنی (الف) یہ امر کہ وقف کی آمدنی موقوف علیہ کے فائدہ کے لیے صرف کی گئی ہے۔  
(ب) یہ بات کہ باپ خود اس سے نہیں منتفع ہوتا رہا۔

الغرض قبضہ کر لینا ضرور ہے مگر کس نہ مانہ میں قبضہ کرنا چاہیے۔ حکم شرع  
یہ نہیں ہے کہ وقف نامہ لکھنے کے ساتھی قبضہ کر دیا جائے۔ بلکہ صرف انا حکم ہے کہ قبضہ اُس  
ہنگام میں کر دیا جائے جبکہ واقف میں وہ شرائط موجود ہوں جن پر جواز وقف موقوف ہے  
یعنی جبکہ وہ مال و وقت کو دیدینے کی قابلیت رکھتا ہو اور اُس پر اپنے حق ملکیت کو ختم  
لا سکتا ہو۔ خلیل بن اسحق فرماتے ہیں کہ وقف اُس صورت میں ہل ہے جس صورت میں  
قبضہ قبل وفات واقف یا قبل لاحق ہونے اُس مرض کے جو باعث اسکی موت کا ہوا ہو نہ  
کر لیا گیا ہو۔ واقف کو وقف میں شرائط کرنے کا اختیار ہے اور ان شرائط کی تعمیل واجب ہے  
وہ جس طریقہ کو مقرر کر سکتا ہے جس طریقہ سے وقف کا انتظام کرنا چاہیے۔ اور ایک  
شخص یا چند اشخاص کو اس کے انتظام کے لیے مقرر کر سکتا ہے اور یہ قرار دے سکتا ہے  
کہ کس ترتیب سے یہ وقف کس کس کو ملے یا کس کس کام میں لایا جائے اور یہ کہہ سکتا ہے  
کہ اگر موقوف علیہ مفلس ہو جائے تو مال وقف کو منتقل کر سکتا ہے اور یہ شرط کر سکتا ہے کہ بعض



صورتوں میں وقف اُس کے ورثہ پر عود کر گیا۔ پس یہاں تک اُس کو اختیار ہے اُس کے نہیں ہے۔  
 یعنی اگر وہ یہی کوئی شرط کرے جو وقف کے خلاف ہو اور جس سے اُس کو یہ اختیار باقی رہے  
 کہ وقف کے شرائط کو بدل دے یا اُس کو منسوخ کر دے یا جائداد غیر منقولہ کو بیچ دے۔  
 الغرض اگر وہ کوئی ایسی شرط کرے جس سے وقف زائل ہو جائے تو وہ شرط باطل اور کالعدم ہے  
 خلیل بن اسحق کے نزدیک دوام وقف کی شرط ضروری نہیں ہے  
 اور انکی کتاب کے دو شراح یعنی الکرخی اور عبدالباقی نے یہ بھی لکھا ہے کہ چند روزہ اوقاف  
 بلکہ وہ اوقاف بھی جو سال بھر کے لیے کسی شخص کی حیات تک کیے گئے ہوں شرعاً درست  
 اور جائز ہیں۔ اور جب کوئی موقوف علیہ مقرر کیا گیا ہو تو ایسے اوقاف کی آمدنی بعد نقصان  
 میعاد و فقر کو دی جائیگی۔

سوال۔ کیا وقف کو واقع صرف اپنی رائے سے منسوخ کر سکتا ہے اور کیا وہ وقف سے  
 فقرات میں موقوف علیہ کا قبضہ کرانے سے پیشتر کچھ تغیر و تبدل کر سکتا ہے۔  
 اس سوال کا جواب فقہائے مالکی نے جنہیں ابن الحاج اور عبد السلام و خلیل ہیں  
 بصیغہ نفی دیا ہے۔ وقف چاہے جس طور سے کیا گیا ہو اُس کو اپنی ہیئت اصلی پر باقی رہنا  
 چاہیے اور اُسی ہیئت سے بلا ترمیم نافذ ہونا چاہیے۔ اور اگر وقف نامہ کی عبارت مشکوک و  
 مبہم یا ناقص ہو یا اُس کے ت سے معافی ہو سکے ہوں تو اُس کو قاضی پس لہجاً یا چاہیے اور وہ  
 رسم درواج یا عرف کے موافق یا جس طریقہ سے اُس کا عمل درآمد اس وقت تک ہوا کہ  
 موافق حکم دیکھا۔

## فصل سوم

### وقف کا اثر یا نتیجہ شرعی

جائداد کو وقف کرنے سے تین اثر پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی غیر قابل الانتقال و ناقابل توثیق  
 ہو جاتی ہے اور اس پر کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا۔ مال وقف غیر قابل الانتقال سوچا ہے



اگر وہ ختم خدا کا مال ہو جاتا ہے کہ ظاہر اس سے بندگان خدا کی نفع رسانی مقصود ہوتی ہے اور موقوف علیہم صرف اسکی منفعت کے مستحق ہوتے ہیں اور اسکو منتقل نہیں کر سکتے۔

مگر اس اصول سے چند استثنائیں ہیں۔ اگر مال وقف زمین یا کوئی جائداد منقولہ ہو جو بیکار ہو گئی ہو تو اسکو بچکر اسکی قیمت سے اور کوئی جائداد خرید لیجائے۔ اگر کسی مسجد کو بڑھانا منظور ہو اور اسکو بڑھانے کی تدبیر صرف یہ ممکن ہو کہ اس سے ملحق زمین کو فرو کر کے اسکی توسیع کے لیے سرمایہ بہم پہنچایا جائے تو اسکو بیع کرنا جائز ہو جائیگا۔ اگر موقوف علیہ مفلس ہو اور وقف کی آمدنی سے اسکی بسر اوقات نہ ہو سکے تو اس صورت میں اسکا انتقال قاضی کی اجازت سے ہو سکتا ہے بشرطیکہ واقف نے وقف نامہ میں اس مضمون کا کوئی فقرہ لکھا یا ہو بلکہ اگر ایسا فقرہ نہ لکھا ہو تو بھی وہ جائداد باجائز قاضی منتقل ہو سکتی ہے۔

اگر واقف مقروض مرا ہو تو اس کے قرضخواہ مال وقف سے قرضہ لے سکتے ہیں اور جب انکا قرضہ ادا ہو جائے تو باقی مستحقین وقف کے فائدہ کے لیے کسی کام میں لگا دیا جائے۔ مال وقف کا مبادلہ ہو سکتا ہے مگر اسکا مبادلہ صرف اسوقت جائز ہوگا جبکہ قاضی دونوں جائدادوں کی قیمت کو برابر سمجھ کر اسکو منظور کر لے۔ تب وہ جائداد جو مال وقف کے مبادلہ میں آئی ہے وقف ہو جائیگی اور اس میں بھی وہی قاعدہ جاری ہوگا جو اصل وقف میں جاری تھا اور اگر وہ وقف کسی خاص مقصد کے لیے کیا گیا ہو اور وہ مقصد فوت ہو جائے تو وہ اور کسی امر مذہبی یا کار خیر میں صرف کیا جائیگا جسکو حتی الامکان اس وقف کے مقصد اصلی کے مشابہ ہونا چاہیے۔ جب واقف ایک جائداد وقف کر کے اسکی آمدنی سے یا مدرسہ بنوانے کا حکم دے اور وہ پل یا مدرسہ سرکار بنوا چکی ہو تو اس وقف کی آمدنی سے اسی قسم کی کوئی چیز بنوائی جائیگی اور اگر یہ بھی نہ ممکن ہو تو اس سے واقف کے مفلس قریار کی پرورش کی جائیگی اور عصبیات کو ترجیح دی جائیگی۔

مال وقف غیر قابل الانتقال اسوقت نہیں باقی رہتا جبکہ وہ مقصد جس



مقصد سے وقت کیا ہے فوت ہو گیا ہو۔

اگرچہ موقوف علیہ مال وقف کو منتقل نہیں کر سکتے مگر اس سے منتف ہوتے ہیں اور اس کی کل منفعت لے سکتے ہیں۔ اور اس پر اصل کا لٹا یا وکالتا یعنی بذریعہ منتظم قابض ہو سکتے ہیں۔ یہ موقوف علیہ اور منتظم وقف مال وقف کا پٹہ یا ٹھیکہ طویلانی میعاد کا دے سکتے ہیں زیادہ سے زیادہ مبعاد کا پٹہ یا ٹھیکہ سیدی خلیل کے نزدیک دو سال کا اور اور علماء کے نزدیک تین سال کا دیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ کہ اس شخص کو دیا جائے جو موقوف علیہ مال کے بعد موقوف علیہ ہو گا کہ اس کے دس سال تک کا ٹھیکہ یا پٹہ دینا جائز ہے۔ لیکن اگر وقف کی مرت کی ضرورت ہو تو اس کے ٹھیکہ کی میعاد زیادہ ہو سکتی ہے۔ ہوا سٹے کہ اصول یہ ہے کہ جائداد وقفی کی مرت ہمیشہ اچھی طرح کرنا چاہیے اور موقوف علیہ اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے ناظر یا متولی کو مجبور کر کے اس مکان کو جو گراہب تا ہو کر ایہ پر دلو اسکتے ہیں اور اس کے کرایہ کو بالکل اس کی تعمیر یا مرت میں صرف کر سکتے ہیں۔

(ب) وہ سر اثر وقف کا یہ ہے کہ مال وقف میں بادشاہ یا اور

کسی شخص کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔

(ج) تیسرا اثر وقف کا یہ ہے کہ مال وقف ناقابل تو ریش ہو جائے

اور اس کے مستحق وہی لوگ ہو جاتے ہیں جن کو واقعہ نے لکھا ہے۔ اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے کہ جو تمام مال وقف کی وراثت کا واقعہ نے مقرر کر دیا ہو اس کی پابندی کرنی واجب ہے۔ یہ قول سیدی خلیل کا ہے اور ابراہیم حلبی نے یہ فرمایا ہے کہ دو وقت اختیار کر لیں رکھنا ہے کہ منفعت وقف جبکہ چاہے دے۔

باب چہارم  
احکام وقف موافق مذہب شافعی

۱۔ یہ احکام کتاب منہاج الطالبین سے لیے گئے ہیں ۱۱۔



یہ ضرور ہے کہ وقف اپنی مرضی ظاہر کرنے کے قابل ہو اور اپنی جائداد میں تصرف کی قدرت رکھتا ہو اور ایسی چیز وقف کرے جس کا استعمال یا فائدہ دائمی ہو۔ لہذا اغذیہ یا عطریات وقف نہیں ہو سکتے باستثناء ان چیزوں کے جائداد منقولہ اور غیر منقولہ دونوں کا وقف جائز ہے۔ مشاع یعنی مال مشترک کا وقف جائز ہے۔ مگر اپنا گوشہ وقف کرنا نہیں جائز ہے۔

جو مکانات یا درخت دوسرے شخص کی زمین پر ہوں اور اس زمین پر ان مکانات یا درختوں کے مالک کا قبضہ پٹہ یا ٹھیکہ کی بنا پر ہو انکو وقف کرنا جائز ہے۔

کسی شخص کیسی قوم پر وقف کرنا اس وقت ناجائز ہے جبکہ وہ شخص یا وہ قوم مال وقف پر قبضہ حقیقی یا مجازی نہ کر سکے۔ لہذا طفل نازا پیدہ یا غلام پر وقف کرنا نہیں جائز ہے۔

اس اصول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ذمی پر وقف کرنا جائز ہے مگر مرتد اور کافر حربی پر اور اپنے نفس پر وقف کرنا نہیں جائز ہے۔ کسی مرغیر مباح کے لیے بھی وقف کرنا نہیں جائز ہے مثلاً یہود و نصاریٰ کے معابد بنانے کے لیے وقف کرنا جائز نہیں ہے مگر یہود و نصاریٰ کے شفا خانہ پر ایک کار غیر مجبور وقف کرنا جائز ہے انبیاء اور فقراء اور علماء اور مساجد اور مدارس ان سب پر وقف کرنا جائز ہے۔

وقف کا ارادہ ایسے صاف الفاظ سے ظاہر کرنا چاہیے جو میں نے

اس چیز کو وقف کیا یا میرا کھیت فلان شخص پر وقف ہے یا لفظ وقف کے

علاوہ۔ حرامت اور تصدق بھی صاف وقف پر دلالت کرتے ہیں تاکہ کتب بھی

کافی ہے کہ یہ چیز فروخت یا ہبہ کی جائے۔ کہ میں نے اسکو راہ خدا میں بخش دیا یا وقف کیا یا لفظ

نیئے کا لفظ وقف پر صاف دلالت نہیں کرتا ہے گو وقف کی نیت وقف کرنے کی ہو۔ دینے کا



جلد دوم  
لفظ صرف اس وقت میں کافی ہوگا جو کسی شخص یا چند اشخاص پر نہ کیا جائے بلکہ کسی قوم پر  
یا سب بندگان خدا پر علی العموم کیا جائے مگر اس کے ساتھ وقف کا ارادہ بھی شرط ہے  
وہ میں نے اس شے کو محرم کیا یا میں چاہتا ہوں کہ یہ ابد الابد تک اس حالت میں رہے  
یہ الفاظ صاف وقف پر نہیں دلالت کرتے ہیں مگر وہ میں اس عباد کو مسجد کے لیے  
رکھتا ہوں یا ان الفاظ سے البتہ وہ جگہ مسجد کے لیے وقف ہو جائیگی۔

جو وقف کسی شخص خاص کو کیا جائے وہ کامل نہیں ہوتا تا وقتیکہ قبول نہ ہو جائے  
اور اس قبول کو چاہیے کہ انکار سابق کے بعد نہ وقوع میں آئے وہ میں اپنی اس زمین کو  
سال بھر تک وقف کرتا ہوں، ان الفاظ سے وقف کرنا باطل ہے۔ لیکن اگر ان  
الفاظ سے وقف کیا جائے کہ وہ میں اپنی اولاد پر وقف کرتا ہوں یا فلاں شخص پر اور  
اس کے بعد اس کی اولاد پر وقف کرتا ہوں، اور کچھ نہ کہا جائے تو ایسا وقف اس شخص اندان کے  
فنا ہو جانے کے بعد بھی بعینہ باقی رہیگا۔ جب اس وقف کا مقصد فوت ہو جائے اور موقوف علیہم  
میں سے کوئی نہ باقی رہے تو اس کی منفعت واقع اور اس کے سب سے قریب شہدار پر عود  
کرگی علاوہ برین مذہب شافعی میں وہ اوقاف باطل ہیں جنکی منفعت کا کوئی ایسا قابض  
نہ مقرر کیا گیا ہو جو فوراً اس پر قبضہ کر سکے۔ مثلاً اگر وقف ان الفاظ سے کیا جائے کہ وہ میں  
اس اولاد پر وقف کرتا ہوں جو میرے یہاں پیدا ہوگی، تو ایسا وقف ناجائز ہے کیونکہ  
اس وقف پر کوئی قبضہ کرنے والا نہیں ہے۔ لیکن اگر درمیانی موقوف علیہم میں سے کوئی  
فوت ہو جائے تو وقف باطل نہ ہو جائیگا۔

جس وقف کا کوئی مقصد نہ ہو وہ معتبر نہیں ہے۔ اور نہ وقف ایسے  
امرا اتفاقی پر موقوف ہو سکتا ہے جو شاید کبھی وقوع میں نہ آئے۔ مثلاً وہ میں اس شرط سے  
وقف کرتا ہوں کہ زید آجائے، اور وقف میں اختیار شرط بھی باطل ہے۔ اور جو  
شرائط مقرر کیے جائیں اسکی تعمیل ایماذاری سے کرنی چاہیے جیسے مثلاً واقع کے یہ شرط



کر لی ہو کہ یہ زمین وقفی کرایہ یا پٹہ پر نہ دی جائے یا جو مسجد اس نے بنوائی ہے وہ کسی مذہب خاص مثلاً مذہب شافعی کے عبادات کے لیے مخصوص ہے۔ آخر الذکر صورت میں صرف وہ لوگ جو مذہب شافعی رکھتے ہیں اس مسجد کی منفعت میں شریک ہو سکتے ہیں۔ یہی قاعدہ مدرسہ یا سرائے کے باب میں بھی جاری ہوگا۔ جب دو شخصوں پر وقف کیا جائے اور ان کے بعد غراب پر تو جب ان دونوں میں سے کوئی مر جائے اسکا حصہ منفعت وقف میں دوسرے شخص کو دیا جائے گا جو زندہ رہ گیا ہے غراب کو نہ ملے گا بلکہ غراب اس سے اس وقت منتفع ہونگے جب کہ وہ دونوں آدمی مر جائیں۔ اس مسئلہ کی تائید خود امام شافعی نے فرمائی ہے۔

جب وقف ان الفاظ سے کیا جائے کہ یہ وقف میری اولاد اور اولاد کی اولاد پر ہے یا تو اسکی منفعت واقف کی اس اولاد اور اولاد کی اولاد میں جو وقف کرنے کے وقت موجود ہو برابری تقسیم کر دی جائے اور جب یہ الفاظ یہ جو انکی نسل سے ہو یا بطناً بعد بطن، بڑھا دیے جائیں تب بھی یہی ہوگا۔ لیکن برخلاف اسکے جب واقف نے یہ الفاظ کہے ہوں کہ میری اولاد پر اس کے بعد اسکی اولاد پر اس کے بعد اسکی اولاد پر کے بعد دیکرے، یا پہلی اولاد پر پہلے یا تو پشتیں ایک دوسرے کے بعد وقف کی منفعت پائینگے اور پہلی پشت کے لوگ سب پیشتر پائینگے۔ جب وقف صرف اولاد پر کیا گیا ہو تو اولاد کی اولاد کا اُس میں کچھ حق نہیں ہے۔ اور الفاظ نسل و پشت، اور بطن و اولاد و احفاد میں وہ اولاد بھی داخل سمجھی جائیگی جو واقف کی بیٹی کی نسل سے ہو مگر یہ کہ واقف نے کہہ دیا ہو کہ وہ اولاد کی اولاد جو میرے نام سے پکاری جائے جب واقف نے چند الفاظ کے پیشتر کوئی ایسا لفظ کہا ہو جو سب مناسب رکھتا ہو تو وہ سب متعلق سمجھا جائیگا۔ مثلاً واقف نے کہا ہو کہ میں اپنے وقف کرتا ہوں جو میرے پیارے ہیں میرے لڑکے اور پوتے اور بھائی۔ تو واقف نے اپنی اولاد اور اسکی اولاد اور اپنے بھائیوں کو اپنے پیارے کہا ہے۔ یہی جب بھی ہوگا جب کہ



چند الفاظ کے بعد اور کوئی ایسا فقرہ واقف نہ کرنا ہو جس سے مناسبت نہ لگتا ہو بشرطیکہ  
 ان الفاظ میں اتصال و عاطفہ (اور) کے ذریعہ سے ہوا ہو۔ مثلاً واقف کہے کہ وہ میں  
 اپنی اولاد پر اور اپنے بھائیوں پر جو میرے پیارے ہیں وقف کرتا ہوں، یا یہ کہے کہ  
 بشرطیکہ انہیں سے کوئی شخص فاسق و فاجر یا بد معاش نہ ہو۔

مال وقف کا ملک اللہ تعالیٰ پر منتقل ہو جاتا ہے یعنی اس مال میں  
 اس وقت سے کسی آدمی کا کوئی حق نہیں باقی رہتا۔ اور اس وقت سے وہ نہ وہ وقف کا  
 مال رہتا ہے نہ موقوف علیہ کا صرف وقف کی منفعت موقوف علیہ کا مال ہوتا ہے اور  
 اُسکو اختیار ہے کہ خواہ اُس سے خود منتفع ہو خواہ کسی اور شخص کے ذریعہ سے اُسکا فائدہ  
 حاصل کرے یعنی اُس مال کو عاریتاً یا مستاجرانہ دے۔

جو شخص وقف کی منفعت پر قابض ہو وہ جائیداد وقفی کا لگان یا کرایہ  
 یا جو کچھ اس میں پیدا ہو جیسے میوہ یا آون یا دودھ یا جانوروں کے بچے ان سب چیزوں کا  
 مستحق کامل ہے اگرچہ ایک قول یہ بھی ہے کہ وقفی جانوروں کے بچے بھی وقف ہو جاتے  
 ہیں۔ جب کوئی وقفی جانور مر جائے تو اسکی کھال قابض منفعت وقف کا مال ہے مگر  
 شافعیہ کے نزدیک غلام وقفی کے قاتل سے جو دیت یا خونبھا ملنا چاہیے وہ قابض  
 منفعت وقف کا مال نہیں ہے بلکہ اُسکو چاہیے کہ اُس روپیہ سے ایک اور غلام خریدے  
 جو بعض غلام مقتول کے وقف ہو جائیگا اور اگر یہ غیر ممکن ہو تو اُسکو چاہیے کہ غلام مقتول  
 کے عوض میں اُسکے خونبھا کے روپیہ سے کوئی خبر غیر منقسم کسی غلام کا خرید لے۔  
 شافعیہ کے نزدیک درخت کا وقف اُسکے خشک ہو جانے کے بعد  
 بھی نہیں زائل ہوتا کیونکہ درخت کے خشک ہو جانے سے اُسکی لکڑی نہیں بیکار ہو جاتی  
 گو بعض علماء شافعیہ کا یہ قول ہے کہ اُس درخت کو غلام کر کے اُسکا روپیہ اسی طرح  
 صرف کیا جائے جس طرح غلام مقتول کا خونبھا کا روپیہ۔ پھر انہی مسجد کی چٹائیاں اور ٹوٹی ہوئی



و ہنیاں بک سکتی ہیں مگر یہ صرف اس شرط سے جائز ہے کہ یہ چیزیں ہمیشہ سوختنی کے کام میں نہ لائی جائیں جس زمین پر کوئی مسجد بنی ہو وہ کسی حال میں نہیں فروخت ہو سکتی گو وہ مسجد منہدم ہو گئی ہو اور اسکو از سر نو بنوانا غیر ممکن ہو۔

جب وقف کا انتظام واقف نے اپنے لیے مخصوص رکھا ہو یا کسی تیسرے شخص کے سپرد کیا ہو تو واقف کے منشاء کی تعمیل کرنی چاہیے لیکن اگر واقف نے ایسی کوئی شرط نہ کی ہو تو مذہب شافعی میں یہ حکم ہے کہ اسکا انتظام قاضی کے سپرد کرنا چاہیے منتظم وقف کو چاہیے کہ عادل اور ثقہ ہو اور اس کے انتظام کی قابلیت جسمانی و نفسانی دونوں رکھتا ہو یعنی قوت بدنی اور عقل سلیم رکھتا ہو منتظم کا کام یہ ہے کہ مال وقف کی حفاظت اور استحکام کرے اور اس کے محاصل کو وصول و تقسیم کرے لیکن اگر صرف انتظام خراب اس کے سپرد کیا گیا ہو تو اسکو اپنے حدود اختیار سے تجاوز نہ کرنا چاہیے۔ واقف کو بہر حال اختیار ہے کہ منتظم وقف کو مفرول کر کے دوسرے شخص کو اسکی جگہ پر مقرر کرے مگر یہ کہ خود اس نے وقف نامہ میں اسکو منتظم مقرر کر دیا ہو۔ جو بھیک یا پٹہ منتظم وقف نے دیا ہو وہ بعینہ و سیما ہی رہیگا گونہ رخ گران ہو گیا ہو یا کوئی اس سے زیادہ دینے کو کہے۔

## پندرھواں باب

### وقف کا دستور العمل

شرع محمدی میں بہت صاف احکام اس باب میں موجود ہیں کہ موقوف علیہ یہ حق رکھتا ہے کہ کسی جائداد کے وقفی ہونے کا اعلان عدالت سے کرائے کسی وقف کی آمدنی میں حصہ نہ لے گا مستحق اپنے تئیں ثابت کرے۔ حکم شرع یہ ہے کہ ہر موقوف علیہ ہر وقت قاضی کی خدمت میں جا کر اپنے حق شرعی کا دعویٰ کر سکتا ہے اور اسکی کچھ قید نہیں ہے کہ کس طریقہ سے وہ دعویٰ کر سکتا ہے۔ مگر ہندوستان کے واصفان قوانین نے بعض قسم کے اوقات کے باب میں چند قواعد مقرر کر دیے ہیں جو غور طلب ہیں علی الخصوص جبکہ ہائی کورٹ کلکتہ اور ہائی کورٹ



آل آبادین وقت کے ضابطہ کی نسبت اختلاف ہوا ہے۔

بلاد اسلام میں یہ دستور ہے کہ اوقاف عامہ جنکی منفعت میں سب لوگ  
عموماً شریک ہیں اور اس کا اختیار اور تنظیم اور نگرانی ایک خاص عہدہ دار سرکاری سے متعلق  
کیجاتی ہے جسکو ناظر اوقاف کہتے ہیں۔ مگر قاضی بحیثیت قائم مقام سلطان سب اوقاف  
عامہ و خاصہ کا کیوریٹر یعنی تنظیم عام ہوتا ہے۔ جب سرکار انگریزی کی عملداری پہلے پہل  
مالک بنگالہ میں بسا تھی یا شاہ دہلی ہوئی تو اس وقت بہت سے اوقاف اس ملک میں  
جا بجا پائے گئے جو بادشاہان وقت یا والیان ملک نے کیے تھے۔ چند عرصہ تک تو وہ  
اوقاف اسی بد انتظامی کی حالت میں رہے جو زوال سلطنت اسلامیہ کے باعث سے  
سپاہ ہوئی تھی۔ مگر ان میں معلوم ہوا کہ ان اوقاف کے تحفظ اور ابقار کے لیے  
ایک قانون پاس کرنا ضرور ہے۔ اور اس غرض سے قانون ۱۹۱۷ء پاس ہوا۔ اس کے  
مقاصد اسکی تہید سے بخوبی ظاہر ہیں۔

۱۹۱۷ء میں گورنمنٹ نے تمام اوقاف مذہبی ہندو و اہل اسلام سے  
قطع تعلق کر لینا مناسب تصور فرمایا اور صرف ان اوقاف کو اپنے اختیار میں رکھا جو  
مقاصد دنیوی کے لیے عمل میں آئے تھے کیونکہ یہ خیال کیا گیا کہ ایک عیسائی گورنمنٹ کو ہندو  
اور اہل اسلام کے اوقاف دینی سے تعلق رکھنا خلاف قاعدہ اور خلاف مصلحت ہے۔ اس  
حکمت عملی کو نافذ کرنے کے لیے ایک ۱۹۳۳ء پاس کیا گیا۔ اس ایکٹ کی تہید اور ابتدائی دفعات  
میں اسکا منشا قطعی طور سے بیان کیا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ اسکا اثر ان  
اوقاف پر محدود رکھا گیا تھا جو ان متولیوں پر منتقل کر دیے گئے تھے جو اس ایکٹ کے  
دفعات ۴۴ سے ۴۷ تک کے موافق مقرر ہوئے تھے۔ چنانچہ اسی ایکٹ کی رو سے مقدمہ  
دلروس بانو بیگم بنام سید صغریٰ بیگم کا فیصلہ کیا گیا تھا اور اس فیصلہ میں یہ بھی لکھا تھا کہ



جب ایسا انتقال وقوع میں آیا ہو تو جن اشخاص کا ایسے اوقات میں کچھ حق ہو وہ عدالت سے اجازت لیکر ان کے متولی یا نظم پر نالش کر سکتے ہیں اور کوئی نالش سموع نہ ہوگی تا وقتیکہ جب دفعہ پہلی عدالت سے اجازت نہ ملے گی گئی ہو۔ مگر جب اوقات کی حراست ان متولیوں سے نہ متعلق کر دی گئی ہو جو حسب منشاء ایکٹ ہذا مقرر کیے گئے ہوں تو نالش کی اجازت لینے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ فی الواقع دفعہ ہم سے یہ تک کے بموجب جو انتقال عمل میں آیا ہو وہ معیار اس امر کا سمجھا جاتا تھا کہ آیا یہ وقت از قسم اوقات عامہ ہے یا نہیں ہے اگر اس کا انتظام یا درست ہوڑاؤں روئیوں نے حسب منشاء قانون ۱۹۱۷ء کو اختیار کی ہوتی اور بعد ازاں متولیوں پر بموجب ایکٹ ۱۹۶۱ء منتقل کر دی ہوتی تو بادی النظر میں وہ وقت ایسا قرار پاتا جسکی منفعت میں حصہ پانے کے مستحق خاص و عام ہوتے جو اصول بمقدور لروں یا تویم بنام سیٹھ منظر علی خان درباب نوعیت اور منشاء ایکٹ ۱۹۶۱ء کے مقرر کیا گیا ہے وہ بمقدور جان علی بنام رام ناتھ منٹل ضمنا منسوخ کر دیا گیا ہے۔ اس مقدمہ میں جو فیصلہ ہوا ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ ہر ایک مسجد یا شوالہ یا کالج یا اور کوئی مذہبی کارخانہ جس کے مصارف کے لیے شاہان سابق نے یا اور اشخاص نے زمین وقت کی ہو وہ اس ایکٹ کے منشاء میں داخل ہے لہذا ان میں سے کسی چیز کی نسبت نالش نہیں دائر ہو سکتی تا وقتیکہ دفعہ اس کے بموجب پہلے عدالت سے اجازت نہ حاصل کر لیا ہے۔ ظاہر ایسی نظیر ایک اور مقدمہ میں بھی قبول کی گئی جس کا فیصلہ ہائی کورٹ کلکتہ نے کیا تھا۔ اس مقدمہ میں مدعی نے بحیثیت متولیہ چند قطعات اراضی پر قبضہ دلا پانے کی نالش کی تھی اور یہ بیان کیا تھا کہ یہ اراضی وقفی ہے اور اسکی منفعت راہ گیروں اور مسافروں کو کھانا کھلانے اور سجادہ درگاہ میں روشنی کرنے اور نماز عیدین میں صرف کی جاتی ہے اور وہ منفعت امور ذاتی

۱۔ مقدمہ کاظمی بگیم بنام بی بی صاحب جان۔ ویکلی رپورٹر جلد ۲ صفحہ ۱۳۱۱-۱۳۱۲ نمبر ۱۱۱۱۱ انڈین لارپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۲ صفحہ ۳۲-۳۳ نمبر ۱۱۱۱۱ لطیف لہنابی بی بنام نظیرن بی بی۔ انڈین لارپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۱ صفحہ ۳۳-۳۴ نمبر ۱۱۱۱۱



میں کبھی نہیں صرف کیجاتی اور مدعیہ نے یہ بھی بیان کیا کہ پہلے اُسکا شوہر متوفی متولی تھا اور  
 اُسکی وفات کے بعد اُسکے سوتیلے بیٹے نے ارضی وقفی پر قبضہ کر کے اُسکا مقررہ پٹیا  
 مدعا علیہ نمبر ۲ کے لکھ دیا۔ لہذا مدعیہ نے یہ استدعا کی کہ ارضی متنازع فیہ وقفی قرار دیا جائے  
 اور اُسکی بیع اور پٹہ منسوخ کیا جائے۔

مدعیہ یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوئی کہ ہر چار قطعاً ارضی متنازع فیہ  
 وقفی ہیں اور انکی ڈگری عدالت ابتدائی سے حاصل کی اور اُس ڈگری کو صاحب حج نے  
 اپیل میں بحال رکھا جب اس مقدمہ کا اپیل خاص ہائی کورٹ کلکتہ میں ہوا تو مدعا علیہم کی  
 طرف سے یہ بیان کیا گیا کہ مدعیہ کا کوئی حق کافی نہیں ہے جسکے دلایا جانے کی نالش ہے  
 کی ہے۔ اس بحث کو عالم ججوں نے قبول فرما کر مدعیہ کا دعوے بوجہ ذیل خارج کیا۔  
 دو اس مقدمہ میں عرضی دعوے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وقف کسی متبرع  
 کا رہا ہے خیر کے لیے اور کیس قدر امور مذہبی کے واسطے کیا گیا تھا۔ جہاں تک یہ وقف  
 راہ گیروں اور مسافروں کو کھانا کھلانے کے لیے تھا وہاں تک تو یہ وقف جمہور خلائق کے  
 فائدے کے لیے تھا لہذا اس سے رفاہ عام مقصود تھا۔ مدعیہ کی نالش کا مقصد یہ ہے  
 کہ متولی کو نکال کر اپنے تئیں اُسکے مقام پر مقرر کرانے اور یہ جائداد اُسکو سپرد کر دینا  
 دفعہ ۵۳۹ مجموعہ ضابطہ دیوانی اس قسم کی نالش سے متعلق ہے جو فی حقیقت نظام  
 کی نالش ہے اور اپنی نالش فقط اسی دعوے کے احکام کے موافق دائر ہو سکتی ہے  
 لیکن اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس مقدمہ میں جس وقف پر تنازع ہے نہ تو وہ وقف کسی کار خیر کے  
 لیے ہے نہ دفعہ ۵۳۹ مجموعہ ضابطہ دیوانی کے منشاء میں داخل ہو سکے اور نہ کسی امر  
 مذہبی کے لیے ہے کہ ایکٹ ۱۸۶۳ء کے منشاء میں داخل ہو سکے تو بھی مدعیہ تنہا یہ نالش  
 نہیں کر سکتی کہ متولیہ مقرر کی جائے اور اس جائداد پر اُسکا قبضہ کر دیا جائے۔ عدالت  
 ابتدائی نے یہ تجویز کیا ہے کہ مدعیہ اس وجہ سے نالش مقرر کرنے کی مستحق تھی کہ وہ مکرم علی متولی



سابق کی زوجہ ہے مگر ہمارے نزدیک یہ وجہ کافی نہیں ہے۔ اگر ہم مدعیہ کو یہ سمجھیں کہ اوسنے بطور اس شخص کے نالیش کی ہے جو اس وقت میں کچھ حق رکھتا ہے تو خود اسکی مرضی و عوسے سے ظاہر ہے کہ اور شخص بھی اس میں حق رکھتے ہیں پس وہ صرف ان شخصوں کی طرف سے نالیش کر سکتی ہے جو اس وقت میں حق رکھتے ہیں اور اپنی نالیش کرنے کے لیے اُسکو چاہیے تھا کہ عدالت سے اجازت لیتی اور دوسرے طور سے بھی احکام دفعہ ۳۳ مجموعہ ضابطہ دیوانی کی تعمیل کرتی۔ مگر جب اسے ایسا نہیں کیا تو ہمارے نزدیک نالیش کرنے کا حق نہ رکھتی تھی پس چاہیے جس حیثیت سے اس نالیش کو دیکھے ہمارے نزدیک یہ مناسب طور سے نہیں دائر کی گئی اور چل نہیں سکتی۔

یہ رائے ہائی کورٹ کی شرع محمدی کے موافق نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اس میں وہ قیود رکھے ہیں جو شرع محمدی میں معتبر نہیں ہیں۔ ہائی کورٹ کلکتہ کی اس رائے سے ہائی کورٹ آگاہی نے اختلاف کیا ہے اور یہ تجویز فرمایا ہے کہ ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ اثبات وقت یا اسکی منفعت میں اپنے حصہ کی نالیش کرے۔ بمبئی میں طغریاب علی بنام نجاتا و رنگہ بعض مسلمانوں نے ایک تکیہ لاپانے کی نالیش کی جو نجف علی شاہ کا تکیہ مشہور تھا اور یہ ہمدانی کہ کفالت نامہ مورخہ ۲۸ مئی ۱۸۷۶ء اور ڈگری مصدورہ ۱۸۷۶ء اور نیز بیع محکومہ عدالت واقع ۲۰ مئی ۱۸۷۶ء یہ سب چیزیں منسوخ فرمائی جائیں اور دونوں دیواریں گرا دی جائیں اور مدعا علیہم بخل کیے جائیں۔ انھوں نے اپنے عرضی میں لکھا تھا کہ جائداد متنازع فیہ واقعی ہے جس میں ایک مسجد یا امام باڑہ اور ایک قبرستان یا تکیہ داخل ہے جس میں بہت سی قبریں ہیں۔ اور مدعا علیہ نمبر (۱) نے جو منتظم اس جائداد واقعی کا تھا اور مدعا علیہ نمبر ۲ و ۳ و ۴ کے مورثان نے اس زمین کو مدعا علیہ نمبر ۵ پاس بھول کیا جسے نفاذ کفالت کی ڈگری حاصل کر کے



اُس زمین کو فروخت کروا ڈالا اور ہیکو خود مدعا علیہ نمبر ۵۔ اور مدعا علیہ نمبر ۶ و ۷ نے خرید لیا  
اور مدعا علیہ نمبر ۵ نے اُس زمین پر قبضہ حاصل کر کے دو دیواریں بنوالیں جس سے اُن  
مقاصد میں حرج واقع ہوا جن مقاصد کے لیے یہ زمین دراصل وقف کی گئی تھی اور  
مدعیان ان سب کارروائیوں سے ۲۴ جنوری ۱۹۸۷ء کو واقف ہوئے تب نالش  
وائر کی۔ مدعا علیہ نمبر ۶ نے یہ جواب دیا کہ مدعیان اسی نالش کرنے کے مجاز نہ تھے۔ عدالت  
ابتدائی نے یہ تجویز کیا کہ مدعیان اسی نالش کرنے کے مجاز ہیں اور تقریر ذیل لکھی۔  
وہ یہ دستور عام ہے کہ ہر فریق جسکی حق تلفی ہوئی ہو اپنی دادرسی کی ابتدا  
کر سکتا ہے۔ اسی اصول کے بموجب ایک گروہ مسلمانوں کا جو اس مقدمہ سے متعلق  
رکھتا ہے اس بات پر آمادہ ہوا ہے کہ مدعا علیہ نمبر ۵ پر عدالت میں نالش کر کے اپنی دادرسی کا  
مستدعی ہو جو کارروائی مدعیان نے اس مقدمہ میں کی ہے وہ از روئے شرع محمودی  
جائز ہے۔ ہر مسلمان اپنے عقائد مذہبی کے بموجب اسکا مستحق ہے کہ وقف عام کو غیر لوگوں  
کے ہاتھ سے بچائے۔

مگر اپیل میں صاحب جج نے عدالت ابتدائی کا فیصلہ منسوخ کر کے  
تجویز کیا کہ مدعیان کوئی حق نالش کا نہیں رکھتے ہیں جج نے تقریر ذیل بھی لکھی۔  
وہ بلحاظ اُس مقدمہ کے جسکا فیصلہ چند روزہ ہوئے کہ پریسڈنسی کورٹ  
نے کیا ہے یعنی مقدمہ جان علی بنام رام ناتھ مشدل میری رائے یہ ہے کہ مدعیان  
کوئی حق اس نالش کا نہیں رکھتے ہیں جو انھوں نے اس غرض سے دائر کی ہے کہ  
جائداد متنازع فیہ وقفی قرار پا کر ان کے حوالہ کر دی جائے۔ وہ مستولی ہونے کے معنی نہیں ہیں  
اس وقف میں کوئی خاص حق رکھتے ہیں نہ انھوں نے کوئی وقف نامہ پیش کیا ہے  
میرے نزدیک یہ مقدمہ ایکٹ ۲۰۱۶ء کے منشا میں نہیں داخل ہے کیونکہ مدعیان  
کو تنظیم وقف پر خیانت کی نالش کرنی نہیں مقصود ہے کہ انھوں نے تنظیم مذکور کو اپنی



عرضی دعوے میں اس غرض سے شامل کیا ہے کہ اسکی دستاویز منسوخ کر دی جائے اور اگر یہ نالش ایکٹ مذکور کے منشا میں داخل ہے تو بھی یہ بے قاعدہ ہے کیونکہ اس عدالت میں درخواست دیگر نالش دائر کرنے کی اجازت نہیں طلب کی گئی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ایک وقف عام میں خیانت ہوئی ہے تو بھی صاحب کلکٹر کی اجازت حسب دفعہ ۵۲۹- ایکٹ مذکور محال کرنی چاہیے تھی مگر یہ نہیں کیا گیا ہے۔ قطع نظر اسکے مدعیان نے اپنی عرضی میں کسی مقام پر کسی خاص حق نالش کا دعویٰ نہیں کیا ہے نہ یہ لکھا کہ ہم اس مسجد میں جاتے ہیں یا اس میں جانے کا حق رکھتے ہیں بلکہ بنا بر محض صحت صرف یہ لکھی ہے کہ جسے سنا ہے کہ مدعیان کے نام یہ جائداد منتقل کی گئی ہے۔ اگر یہ دعویٰ مدعیان نے کیا ہوتا تو عدالتیں اسکا فیصلہ کر سکتیں۔ مگر حیرت پر اس مقدمہ میں بحث ہے یعنی یہ امر کہ آیا ایک مقام عبادت گاہ عام ہے یا نہیں ہے اس امر کا تصدیق کرنا صاحبان مینوسپل کٹر کو زیادہ تر مناسب ہے اور ایسا کرنا زیادہ تر موافق منشا بقانون کے ہوگا۔ اسوجہ سے میں اس مقدمہ کو خارج کرتا ہوں۔“

اپیل ثانی میں مدعیان نے یہ بحث پیش کی کہ (۱) چونکہ ہم سب مسلمان ہیں لہذا ہم یہ نالش کرنے کے قانوناً مجاز ہیں۔ (۲) ہمارا اس ضابطہ کی پابندی کرنی فرض نہیں ہے جو دفعہ ۵۲۹ مجموعہ ضابطہ دیوانی میں لکھا ہے کیونکہ اس دفعہ کو اس نالش سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ (۳) عدالت ماتحت اپیل اس نالش کے منشا کو غلط سمجھی ہے کیونکہ اس میں اس قسم کی دادرسی کی استدعا نہیں کی ہے جو دفعہ مذکورہ میں لکھی ہے۔

ہائی کورٹ اگہ آباد نے عدالت ماتحت اپیل کے فیصلہ کو منسوخ

کر کے یہ تجویز لکھی ہے۔

”چونکہ مدعیان مسلمان ہیں اور اس مسجد میں جانے کے اور تعمیرات مذہبی جو اس وقف سے متعلق ہیں انکو استعمال میں لانے کے مستحق ہیں لہذا وہ نالش صحیح ہے۔“



واٹر کر سکتے ہیں اور دفعہ ۵۳۹ ایسے مقدمہ سے نہیں متعلق ہے۔ بلکہ یہ وقت ہماری  
روے میں ایک مذہبی وقت ہے اور دفعہ ۲۴۱ ایک ایک ملک کے منشیان میں داخل ہے  
پس اس میں شرع محمدی جاری ہوگی۔ لہذا ہم اس مقدمہ کو صوبہ دفعہ ۵۶۲ واپس کئے ہیں۔  
کہ اسکی تحقیقات رووا دیں گے۔

آ کے بعد ہائی کورٹ آف آباد کے اجلاس کامل میں ایک اسی قسم کا  
فیصلہ مقدمہ جواہر انبام اکبر حسین ہوا۔ اس مقدمہ میں اس امر پر خوب بحث ہوئی کہ آیا  
مسلمان یہ حق رکھتا ہے کہ مسجد میں نماز پڑھنے کا حق ثابت کرنے کے لیے مالشمار کرے۔  
مدعی نے عرضی دعوے میں لکھا تھا کہ اسکے ایک گانون میں ایک مسجد  
کہنہ وشکتہ ہے جو مسلمانوں کے نماز پڑھنے کے لیے بنائی گئی تھی اور جسکی حفاظت اور  
حراست خود مدعی اور مسلمان باشندے اس موضع کے کیا کرتے ہیں اور چونکہ یہ مسجد اور اسکے  
ملکات مال وقت ہے لہذا یہ اس گانون کے بٹوارہ سے خارج رکھی گئی ہے اور مدعی کا  
مقصد اس مسجد کی مرمت کرنے کا ہے اور مدعی علیہم نے اسکی زمین کے ایک حصہ کا احاطہ بنوا لیا  
اور اسکے ایک حصہ میں ایک چکی بھی گاڑی ہے اور انھوں نے ایک چھپر ڈال کر  
اس مسجد کو ایک پیال جمع کرنے کی کوٹھری بنا لیا ہے اور یہ سب کارروائی انھوں نے  
نا جائز طور سے کی ہے اور مدعی نے مدعی علیہم سے شکایت کی اور کہا کہ اس پیال و غیرہ کو اٹھا  
لیجاؤ مگر انھوں نے مدعی کی بات پر کچھ اعتنا نہیں کیا اور مدعی کو مرمت نہ کرنے دی اور مدعی علیہم  
کی اس نا جائز کارروائی سے اس جائداد وقفی میں ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہے اور دین اسلام کی  
توہین کا باعث ہے۔ یہ امور بیان کر کے مدعی نے یہ استدعا کی کہ عدالت میرے حق کا  
اعلان فرمائے کہ میں اس مسجد کہنہ وشکتہ کی مرمت کر سکتا ہوں اور اس چکی اور چھپر اور پیال  
کو جو اس مسجد میں بھری ہوئی ہے وہاں سے اٹھوا سکتا ہوں عرضی دعوے کے آخر میں یہ کلمات



کھے تھے وہ یہ نالش موافق احکام دین اسلام اور برہنہ شہادت تحریری و شہادت بانی  
 دائر کی گئی ہے۔ مدعا علیہم نے مدعی کے ان بیانات کا انکار نہیں کیا ہے بلکہ جواب دے عو  
 میں منجملہ اور دلائل کے ایک دلیل یہ بھی بیان کی ہے کہ مکان متنازع فیہ مسجد نہیں ہے بلکہ ایک  
 گڑھی ہے جو چورون سے حفاظت کے لیے اگلے زمانہ میں بنائی گئی تھی۔ پس مدعی کو اسکی  
 مرمت کا کوئی حق نہیں حاصل ہے عدالت ابتدائی نے یہ تجویز کیا کہ یہ مکان مسجد ہے گڑھی  
 نہیں ہے اور چونکہ مدعی مسلمان ہے اور عمارات مذہبی کا محافظ ہے لہذا اس مسجد کی مرمت  
 کرانے کا مستحق ہے۔ لہذا اس عدالت نے مدعی کا دعویٰ ڈگری کیا۔ اپیل میں مدعا علیہم نے بحث  
 کی کہ منشیہ ایکٹ ۱۹۰۷ء اعمال وقف کی نالش بلا اجازت ایڈووکیٹ جنرل اور  
 سموع نہیں ہو سکتی۔ اس باب میں عدالت نے تقریر ذیل لکھی۔

۲۲ وجہ اول اپیل کو منسوخ کرنا واجب ہے۔ ایسے ہی ایک مقدمہ  
 ظفر یاب علی بنام نجات اور سنگھ میں ہماری ہائی کورٹ نے تجویز فرمایا ہے کہ دفعہ ۳۹۹ مجموعہ  
 ضابطہ دیوانی اس مقدمہ سے نہیں متعلق ہے اور چونکہ مدعیان اس مسجد میں جانے کے مستحق ہیں  
 لہذا اسی نالش دائر کر سکتے ہیں۔ مگر یہ تجویز ہماری ہائی کورٹ کی اس فیصلہ کے خلاف ہے  
 جو ہائی کورٹ کلکتہ نے بمقدمہ جان علی بنام رام سنڈل کیا ہے۔ لہذا عدالت ابتدائی کا  
 فیصلہ بحال رکھا گیا۔

اپیل ثانی میں مدعا علیہم نے یہ بحث کی کہ (۱) یہ نالش اس صورت سے  
 جو اسکی اب ہے قابل سماعت نہ تھی کیونکہ مدعی کا کوئی خاص حق نالش کا نہیں ظاہر کیا گیا ہے  
 (۲) چونکہ اس قانون میں اور مسلمان بھی رہتے ہیں لہذا بلا تفریق احکام دفعہ ۳۹۹ مجموعہ ضابطہ  
 دیوانی یہ نالش لائق سماعت نہ تھی۔

ان واقعات اور ان دلائل کی بنا پر پھر ام صاحب چیف جسٹس نے  
 فیصلہ ذیل صادر فرمایا۔



و در محقق کچھ شک نہیں ہے کہ مدعی یہ مالش دائر کرنے کا مجاز تھا۔ یہ تنازع  
 اس خاص طریقہ سے پیدا ہوا ہے جس طریقہ سے اس قسم کی جائداد رکھی جاتی ہے۔ شرع  
 محمدی کے بموجب مسجد اور اس سے ملحق زمین کسی شخص کی ملک میں نہیں داخل ہے وہ کسی انسان  
 ملک نہیں ہے بلکہ جب مسجد کھلی ہو اس وقت مسلمان زمین نماز پڑھ سکتے ہیں۔ مگر مسلمان  
 اس ملک کی آبادی کا صرف ایک جز ہے اور یہ حق اس ملک کے سب باشندوں کو عموماً  
 حاصل ہے لہذا یہ ایک مخصوص امت کے حق سے مشابہ ہے۔ جو شخص ایسا حق رکھتا ہو وہ  
 اسکو بے دخل و خذف محل میں لانے کا مستحق ہے۔ اور جو شخص اس میں دست اندازی کرے اس پر  
 مالش دائر کرنے کا حق رکھتا ہے۔ یہ حق مشترک نہیں ہے بلکہ بہت سے لوگوں کا حق ہے  
 دفعہ ۳۰۔ اس مقدمہ سے متعلق ہو سکتی ہے جس میں بہت سے اشخاص بالشارکت داری  
 کے مستحق ہوں۔ اور درحالیکہ پانے قانون کے بموجب ایسے سب اشخاص کو بالشارکت  
 مالش دائر کرنی پڑتی لہذا دفعہ ۳۰ سے یہ فائدہ ہے کہ بہت سے نام لکھنے سے مسل بریک  
 ضخیم نہ ہو جائے اور ایک شخص یا چند اشخاص کو اجازت دی گئی ہے کہ عدالت سے اجازت  
 لیکر سب پر مالش کریں یا سب کی طرف سے جوابدہی کریں۔ یہ قاعدہ اس غرض سے  
 جاری کیا گیا تھا کہ متحمل اشخاص باہم ایک کر کے کسی غریب و محی کو پیش کر دیں کہ وہ مقدمہ  
 لڑائے اور وہ جو بار خرج سے محفوظ رہیں۔ اس مقدمہ میں یہ بات ظاہر ہے کہ ایک حق خاص  
 عین خلل اندازی کی گئی ہے۔ لہذا مالش ہو سکتی ہے۔ مسٹر جسٹس محمود کی تقریر بھی قابل غور ہے  
 وہ فرماتے ہیں کہ۔

”میں چند کلمات درباب حکام شرع محمدی جو اوقات سے عموماً اور ساجد  
 خصوصاً متعلق ہیں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اولاً تو یہ ثابت کرنا چاہیے کہ اصل اسلام ایسی مالش  
 دائر کرنے کا حق رکھتے ہیں جیسے یہ مالش ہے۔ مگر اس امر کے اسناد لکھنا کچھ ضرور نہیں ہے  
 کیونکہ یہ اصول علماء اسلام میں بہت مشہور و معروف ہے۔ اس سلسلہ میں شرع محمدی کا حکم یہ



کہ جب کوئی شخص قصد مصمم کرے کہ اپنی جائداد کو امور دینی میں صرف کرے گا تو بیچ داسکے کہ  
اسکایہ ارادہ جتنی ہو جائے اور کسی خاص فعل سے وہ اس ارادہ کا اظہار کر دے جیسے قبض  
وغیرہ ایسے وقت فوراً وقت قائم ہو جائیگا اور خود اس کے فعل سے اس کا ملک اس جائداد میں  
بالکل ختم ہو جائیگا اور بقول علماء اسلام وہ مال خدا ہو جائیگا اور مال خدا کے احکام آمین  
جاری ہونگے اور وقت کا حق آمین بالکل فنا ہو جائیگا اور وہ مال خدا اس معنی سے ہو جائیگا  
کہ اس کا فائدہ اُس کے بندوں کو پہنچے گا۔

مسجد اسی قسم کا وقت ہے اور اہل اسلام بالجموع اور فرداً آمین جان کر  
نماز پڑھتے ہیں۔ عالم چیت جسٹس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہندوستان کے حالات کا  
یقیناً یہی ہے کہ مسجد لوگوں کا مال عموماً نہیں بقول ریویسٹی بلکہ صرف اہل اسلام کا  
مال سمجھی جاتی ہے مسلمان کو نماز پڑھنے کا ویسا ہی حق حاصل ہے جیسے کسی خاص رستم کا  
حق ہوتا ہے جیسا عالم چیت جسٹس نے فرمایا ہے اور جو شخص کوئی حق رکھتا ہے وہ اس حق  
مالش بھی کر سکتا ہے اسی سے دفعہ ۵۳۹ مجموعہ ضابطہ دیوانی کی بحث طے ہو گئی۔ وہ دفعہ  
صرف ان مقدمات سے متعلق ہے جنہیں کسی خاص حق میں رست اندازی نہ کی گئی ہو۔ مگر  
یہ مسجد ایک چھوٹے سے گاؤں میں ہے اور آمین ایک نماز پڑھنے والے کو نماز کی لغت  
کیجاتی ہے۔ وہ ایک ذاتی حق رکھتا تھا اور آمین خلیل اندازی کی گئی۔ درباب دفعہ ۵۳۹  
مجموعہ ضابطہ دیوانی میں بھی اس جلسہ ہائی کورٹ میں شراب تھا جسے اس مقدمہ میں  
اعمال کا ل سے ہتھیار کیا تھا پس میں چاہتا ہوں کہ اس کے وجوہ بیان کریں کہ میرے نزدیک  
یہ دفعہ اس مقدمہ سے کیوں نہیں متعلق ہو سکتی ہے۔ اس مقام پر وقت یا متولی با خیانت  
سرایہ وقت یا اور کسی قسم کی خیانت سے بحث نہیں ہے۔ اور اسی مقدمہ کا مقصود وہ  
نہیں ہے جو دفعہ ۵۳۹ کے مختلف فقرات کا منشا ہے۔ بالآخر میں چند کلمات اس مقدمہ کی  
نسبت بھی کہنا چاہتا ہوں جو بطور نظیر کے پیش کیا گیا ہے۔ یعنی مقدمہ جان علی بامر رام ناچ



منڈل جسکا فیصلہ دانی کو رٹ کلکتہ میں پرنسپ صاحب جسٹس اور فیڈل صاحب جسٹس نے کیا ہے  
اس فیصلہ کے آخر میں لکھا ہے کہ وجہا تک یہ غارتعلق ہے ہمارے نزدیک مدعیان  
یہ نالش کرنے کے مجاز صرف اس حق کی وجہ سے نہیں تھے جسکا ذکر عرضی و عمومی کے  
فقہہ امین کیا ہے یعنی وہ حق جو اس بات سے پیدا ہوا ہے کہ وہ دین اسلام کے پیرو ہیں  
اور اس مسجد کے قریب رہتے ہیں اور آئین نماز پڑھنے جایا کرتے ہیں۔ یہ حق تو ان کے  
ساتھ اور بہت سے اشخاص کو بھی حاصل ہے یہ تو ہم نہیں کہتے ہیں کہ یہ حق اس ملک کے  
مسلمانوں کو حاصل ہے مگر یہ یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ اس حق میں مدعیان کے ساتھ اس  
نواح کے مسلمان شریک ہیں اور ہمارے نزدیک یہ مقدمہ دفعہ ۳ مجموعہ ضابطہ دیوانی  
نشا میں داخل ہے۔ اس مقدمہ میں لکھا ہے کہ جب بہت سے اشخاص ایک ہی حق ایک  
نالش میں رکھتے ہوں تو انہیں سے ایک شخص یا چند اشخاص عدالت کی اجازت سے نالش  
کر سکتے ہیں اور اپنا نالش ہو سکتی ہے یا اپنی نالش میں وہ سب اشخاص کی طرف سے جواب دہی  
کر سکتے ہیں۔ اگر مدعیان بموجب دفعہ ۳ عدالت میں درخواست دیتے تو انکو اس نالش کی اجازت  
ملاتی مگر جب انھوں نے عدالت سے اجازت نہیں حاصل کی تو وہ یہ نالش کرنے کے  
یقیناً مستحق نہ تھے۔ پس بائین وجوہ ہمارے نزدیک وہ عذر جو مد علیہم نے اپنے بیان  
تخریری کے دوسرے فقرہ میں لکھا ہے اور چیپٹری تنقیح قائم ہوئی ہے ایک معقول  
عذر ہے اور اس نالش کو وسط کٹ ج نے خارج کیا تو اچھا کیا۔ میں ان عالم جوں کا  
بہت احترام کرتا ہوں جنھوں نے یہ فیصلہ صادر فرمایا ہے مگر انکی تقریر مذکورہ بالا سے  
اختلاف کلی رکھتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ ایک اصول مسلم شرع محمدی کا ہے کہ جو لوگ  
مسجد میں سے زیادہ حق رکھتے ہیں وہ اشخاص ہیں جو آئین الش نماز پڑھا کرتے ہیں۔ اگر  
انکا حق اس میں سب پر مقدم نہیں ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر کس کا حق ہے اور  
میں کہتا ہوں کہ اگر یہ مقدمہ دفعہ ۳۹ کے نشاء میں داخل ہے تو بھی وہ نالش کر سکتے تھے۔



اگر اسکے وجوہ میں بیان کر چکا ہوں کہ میرے نزدیک دفعہ ۳۰۔ اور دفعہ ۳۹ دونوں اس مقدمہ سے متعلق ہیں اور مدعی یہ نالش کرنے کا مجاز تھا۔

یہ فیصلہ ہائی کورٹ الہ آباد کا احکام شرع کے موافق معلوم ہوتا ہے سابق میں رد المحتار اور قضا و اسے قاضی خان سے بیان ہو چکا ہے کہ ہر مسلمان جو ایک وقف مسلم سے منتفع ہو سکے متولی پر نالش کر سکتا ہے اور اپنا حق اُس پر ثابت کر سکتا ہے یا کسی غاصب پر نالش کر کے مال وقف کے کسی جز کو جو زمین خیانت کی گئی ہو لے سکتا ہے بے اسکے کہ کسی اور شخص کو اس نالش میں شریک کرے جو منفعت وقف میں اسکا شریک ہو پس تا وقتیکہ کسی وقف کا تصفیہ بموجب قانون ۹ اسٹاٹوٹ ایکٹ ۱۹۳۲ء نہ کیا گیا اور تا وقتیکہ ایکٹ آخر الذکر کے موافق وہ متولیوں کے قبضہ میں نہ آیا ہو عدالت سے اجازت حاصل کرنے کی کچھ ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ پھر ملاحظہ کیجیے کہ دفعہ ۳۹ ایکٹ ۱۹۳۲ء (مجموعہ ضابطہ دیوانی) ان اوقات سے متعلق ہے جو مقاصد عامہ یا امور مذہبی کے لیے خاصہ کیے گئے ہوں۔

دفعہ مذکورہ کے احکام وقف سے اس وقت متعلق ہونگے جبکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ وقف کسی کار خیر یا امور مذہبی کے لیے کیا گیا ہے یعنی زمین سب کا حق ہے اور موقوف علیہم کا نہ غلطاً حق سے منتجب کیے گئے ہیں۔

مسجد (بشرطیکہ مسجد جامع نہ ہو) اور امام باڑہ اور وہ اوقات جسکو کوئی شخص بہ نیت ثواب عمل میں لایا ہو (جیسا بقدمہ لطیف النسابی بی بنام فطرن بی بی ثابت ہوا) یا کم بیش محدود و گروہ کے فائدہ کے لیے وقف کیا ہوا ایسے اوقات میں علماء اسلام کے نزدیک عوام کا کوئی حق نہیں ہے۔ بلکہ شرع محمدی میں اوقات عامہ اور اوقات خاصہ میں بڑا فرق رکھا گیا ہے جن اوقات میں عوام الناس چھپتی کھتی ہیں اور جوشاید دفعہ ۳۹ کے انتشار میں داخل ہو سکتے ہیں وہ مصالح عامہ میں



جیسے مسجد جامع یا پل حسین سب خلق اللہ راہ چلنے کا حق رکھتی ہے یا کاروانسرا کے حسین شخص  
 اتر سکتا ہے چاہے وہ کسی قوم اور ملت کا ہو یا شفا خانے یا لنگہ خانے یا قبرستان  
 یا کتب خانے یا دارالعلوم یا امام باڑے جیسے محمد حسن کا امام باڑہ ہنگلی میں ہے۔  
 اوقات خاصہ میں دفعہ ۳۹۵ کے احکام کسی طرح نہیں جاری ہو سکتے  
 اور اگر انکی حراست کسی نے بموجب قانون ۱۹۱۷ء متعلق کر دی گئی ہو اور بموجب  
 ایکٹ ۱۹۲۳ء متولیوں پر قبضہ کر دیے گئے ہوں تو اس ایکٹ کے احکام انہیں نہیں  
 جاری ہوں گے۔ اور ایسے اوقات میں نالاش کرنے کا حق شرع محمدی کے عام احکام کا  
 تابع ہوگا۔

سابق میں بیان ہو چکا ہے کہ جب وقف کی نوعیت پر کچھ تنازع نہ ہو  
 یا جب جائداد وقفی کا وقت ہونا مسلم ہو اور اسکے متعدد متولی ہوں تو انہیں سے ایک  
 یا کئی متولی اس جائداد کی نسبت بلا شرکت دیگر نالاش دائر کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی متولی  
 نہ ہو یا کوئی نالاش کرنے پر راضی نہ ہو تو موقوف علیہم میں سے ایک شخص یا چند اشخاص  
 اور ہوں کی طرف سے بلا اجازت قاضی نالاش کر سکتے ہیں۔ اگر اس وقف پر کوئی جھگڑا  
 ہو تو بعض متولی یا اگر وہ نہ ہوں تو بعض موقوف علیہم اور ہوں کی طرف سے باجائز  
 قاضی نالاش کر سکتے ہیں۔ جائداد وقفی دلاپانے کی لہذا وقف کے ورثہ اور اولاد  
 نہیں کر سکتی مگر متولیان وقف بالشارکت نالاش کر سکتے ہیں۔

مگر جس شخص پر جرم خیانت مال وقف ثابت ہو گیا ہو وہ اسکے  
 دلاپانے کی چارہ جوی عدالت سے نہیں کر سکتا اور اختیارات متولی اسکی نسبت  
 نہیں عمل میں لاسکتا ہے۔

۱۔ مقدمہ صاحبانی بی بی بنام وود پریجی۔ انڈین لارپورٹ بمبئی جلد ۲۸ صفحہ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱۴۰۰۔ ۱۴۰۱۔ ۱۴۰۲۔ ۱۴۰۳۔ ۱۴۰۴۔ ۱۴۰۵۔ ۱۴۰۶۔ ۱۴۰۷۔ ۱۴۰۸۔ ۱۴۰۹۔ ۱۴۱۰۔ ۱۴۱۱۔ ۱۴۱۲۔ ۱۴۱۳۔ ۱۴۱۴۔ ۱۴۱۵۔ ۱۴۱۶۔ ۱۴۱۷۔ ۱۴۱۸۔ ۱۴۱۹۔ ۱۴۲۰۔ ۱۴۲۱۔ ۱۴۲۲۔ ۱۴۲۳۔ ۱۴۲۴۔ ۱۴۲۵۔ ۱۴۲۶۔ ۱۴۲۷۔ ۱۴۲۸۔ ۱۴۲۹۔ ۱۴۳۰۔ ۱۴۳۱۔ ۱۴۳۲۔ ۱۴۳۳۔ ۱۴۳۴۔ ۱۴۳۵۔ ۱۴۳۶۔ ۱۴۳۷۔ ۱۴۳۸۔ ۱۴۳۹۔ ۱۴۴۰۔ ۱۴۴۱۔ ۱۴۴۲۔ ۱۴۴۳۔ ۱۴۴۴۔ ۱۴۴۵۔ ۱۴۴۶۔ ۱۴۴۷۔ ۱۴۴۸۔ ۱۴۴۹۔ ۱۴۵۰۔ ۱۴۵۱۔ ۱۴۵۲۔ ۱۴۵۳۔ ۱۴۵۴۔ ۱۴۵۵۔ ۱۴۵۶۔ ۱۴۵۷۔ ۱۴۵۸۔ ۱۴۵۹۔ ۱۴۶۰۔ ۱۴۶۱۔ ۱۴۶۲۔ ۱۴۶۳۔ ۱۴۶۴۔ ۱۴۶۵۔ ۱۴۶۶۔ ۱۴۶۷۔ ۱۴۶۸۔ ۱۴۶۹۔ ۱۴۷۰۔ ۱۴۷۱۔ ۱۴۷۲۔ ۱۴۷۳۔ ۱۴۷۴۔ ۱۴۷۵۔ ۱۴۷۶۔ ۱۴۷۷۔ ۱۴۷۸۔ ۱۴۷۹۔ ۱۴۸۰۔ ۱۴۸۱۔ ۱۴۸۲۔ ۱۴۸۳۔ ۱۴۸۴۔ ۱۴۸۵۔ ۱۴۸۶۔ ۱۴۸۷۔ ۱۴۸۸۔ ۱۴۸۹۔ ۱۴۹۰۔ ۱۴۹۱۔ ۱۴۹۲۔ ۱۴۹۳۔ ۱۴۹۴۔ ۱۴۹۵۔ ۱۴۹۶۔ ۱۴۹۷۔ ۱۴۹۸۔ ۱۴۹۹۔ ۱۵۰۰۔ ۱۵۰۱۔ ۱۵۰۲۔ ۱۵۰۳۔ ۱۵۰۴۔ ۱۵۰۵۔ ۱۵۰۶۔ ۱۵۰۷۔ ۱۵۰۸۔ ۱۵۰۹۔ ۱۵۱۰۔ ۱۵۱۱۔ ۱۵۱۲۔ ۱۵۱۳۔ ۱۵۱۴۔ ۱۵۱۵۔ ۱۵۱۶۔ ۱۵۱۷۔ ۱۵۱۸۔ ۱۵۱۹۔ ۱۵۲۰۔ ۱۵۲۱۔ ۱۵۲۲۔ ۱۵۲۳۔ ۱۵۲۴۔ ۱۵۲۵۔ ۱۵۲۶۔ ۱۵۲۷۔ ۱۵۲۸۔ ۱۵۲۹۔ ۱۵۳۰۔ ۱۵۳۱۔ ۱۵۳۲۔ ۱۵۳۳۔ ۱۵۳۴۔ ۱۵۳۵۔ ۱۵۳۶۔ ۱۵۳۷۔ ۱۵۳۸۔ ۱۵۳۹۔ ۱۵۴۰۔ ۱۵۴۱۔ ۱۵۴۲۔ ۱۵۴۳۔ ۱۵۴۴۔ ۱۵۴۵۔ ۱۵۴۶۔ ۱۵۴۷۔ ۱۵۴۸۔ ۱۵۴۹۔ ۱۵۵۰۔ ۱۵۵۱۔ ۱۵۵۲۔ ۱۵۵۳۔ ۱۵۵۴۔ ۱۵۵۵۔ ۱۵۵۶۔ ۱۵۵۷۔ ۱۵۵۸۔ ۱۵۵۹۔ ۱۵۶۰۔ ۱۵۶۱۔ ۱۵۶۲۔ ۱۵۶۳۔ ۱۵۶۴۔ ۱۵۶۵۔ ۱۵۶۶۔ ۱۵۶۷۔ ۱۵۶۸۔ ۱۵۶۹۔ ۱۵۷۰۔ ۱۵۷۱۔ ۱۵۷۲۔ ۱۵۷۳۔ ۱۵۷۴۔ ۱۵۷۵۔ ۱۵۷۶۔ ۱۵۷۷۔ ۱۵۷۸۔ ۱۵۷۹۔ ۱۵۸۰۔ ۱۵۸۱۔ ۱۵۸۲۔ ۱۵۸۳۔ ۱۵۸۴۔ ۱۵۸۵۔ ۱۵۸۶۔ ۱۵۸۷۔ ۱۵۸۸۔ ۱۵۸۹۔ ۱۵۹۰۔ ۱۵۹۱۔ ۱۵۹۲۔ ۱۵۹۳۔ ۱۵۹۴۔ ۱۵۹۵۔ ۱۵۹۶۔ ۱۵۹۷۔ ۱۵۹۸۔ ۱۵۹۹۔ ۱۶۰۰۔ ۱۶۰۱۔ ۱۶۰۲۔ ۱۶۰۳۔ ۱۶۰۴۔ ۱۶۰۵۔ ۱۶۰۶۔ ۱۶۰۷۔ ۱۶۰۸۔ ۱۶۰۹۔ ۱۶۱۰۔ ۱۶۱۱۔ ۱۶۱۲۔ ۱۶۱۳۔ ۱۶۱۴۔ ۱۶۱۵۔ ۱۶۱۶۔ ۱۶۱۷۔ ۱۶۱۸۔ ۱۶۱۹۔ ۱۶۲۰۔ ۱۶۲۱۔ ۱۶۲۲۔ ۱۶۲۳۔ ۱۶۲۴۔ ۱۶۲۵۔ ۱۶۲۶۔ ۱۶۲۷۔ ۱۶۲۸۔ ۱۶۲۹۔ ۱۶۳۰۔ ۱۶۳۱۔ ۱۶۳۲۔ ۱۶۳۳۔ ۱۶۳۴۔ ۱۶۳۵۔ ۱۶۳۶۔ ۱۶۳۷۔ ۱۶۳۸۔ ۱۶۳۹۔ ۱۶۴۰۔ ۱۶۴۱۔ ۱۶۴۲۔ ۱۶۴۳۔ ۱۶۴۴۔ ۱۶۴۵۔ ۱۶۴۶۔ ۱۶۴۷۔ ۱۶۴۸۔ ۱۶۴۹۔ ۱۶۵۰۔ ۱۶۵۱۔ ۱۶۵۲۔ ۱۶۵۳۔ ۱۶۵۴۔ ۱۶۵۵۔ ۱۶۵۶۔ ۱۶۵۷۔ ۱۶۵۸۔ ۱۶۵۹۔ ۱۶۶۰۔ ۱۶۶۱۔ ۱۶۶۲۔ ۱۶۶۳۔ ۱۶۶۴۔ ۱۶۶۵۔ ۱۶۶۶۔ ۱۶۶۷۔ ۱۶۶۸۔ ۱۶۶۹۔ ۱۶۷۰۔ ۱۶۷۱۔ ۱۶۷۲۔ ۱۶۷۳۔ ۱۶۷۴۔ ۱۶۷۵۔ ۱۶۷۶۔ ۱۶۷۷۔ ۱۶۷۸۔ ۱۶۷۹۔ ۱۶۸۰۔ ۱۶۸۱۔ ۱۶۸۲۔ ۱۶۸۳۔ ۱۶۸۴۔ ۱۶۸۵۔ ۱۶۸۶۔ ۱۶۸۷۔ ۱۶۸۸۔ ۱۶۸۹۔ ۱۶۹۰۔ ۱۶۹۱۔ ۱۶۹۲۔ ۱۶۹۳۔ ۱۶۹۴۔ ۱۶۹۵۔ ۱۶۹۶۔ ۱۶۹۷۔ ۱۶۹۸۔ ۱۶۹۹۔ ۱۷۰۰۔ ۱۷۰۱۔ ۱۷۰۲۔ ۱۷۰۳۔ ۱۷۰۴۔ ۱۷۰۵۔ ۱۷۰۶۔ ۱۷۰۷۔ ۱۷۰۸۔ ۱۷۰۹۔ ۱۷۱۰۔ ۱۷۱۱۔ ۱۷۱۲۔ ۱۷۱۳۔ ۱۷۱۴۔ ۱۷۱۵۔ ۱۷۱۶۔ ۱۷۱۷۔ ۱۷۱۸۔ ۱۷۱۹۔ ۱۷۲۰۔ ۱۷۲۱۔ ۱۷۲۲۔ ۱۷۲۳۔ ۱۷۲۴۔ ۱۷۲۵۔ ۱۷۲۶۔ ۱۷۲۷۔ ۱۷۲۸۔ ۱۷۲۹۔ ۱۷۳۰۔ ۱۷۳۱۔ ۱۷۳۲۔ ۱۷۳۳۔ ۱۷۳۴۔ ۱۷۳۵۔ ۱۷۳۶۔ ۱۷۳۷۔ ۱۷۳۸۔ ۱۷۳۹۔ ۱۷۴۰۔ ۱۷۴۱۔ ۱۷۴۲۔ ۱۷۴۳۔ ۱۷۴۴۔ ۱۷۴۵۔ ۱۷۴۶۔ ۱۷۴۷۔ ۱۷۴۸۔ ۱۷۴۹۔ ۱۷۵۰۔ ۱۷۵۱۔ ۱۷۵۲۔ ۱۷۵۳۔ ۱۷۵۴۔ ۱۷۵۵۔ ۱۷۵۶۔ ۱۷۵۷۔ ۱۷۵۸۔ ۱۷۵۹۔ ۱۷۶۰۔ ۱۷۶۱۔ ۱۷۶۲۔ ۱۷۶۳۔ ۱۷۶۴۔ ۱۷۶۵۔ ۱۷۶۶۔ ۱۷۶۷۔ ۱۷۶۸۔ ۱۷۶۹۔ ۱۷۷۰۔ ۱۷۷۱۔ ۱۷۷۲۔ ۱۷۷۳۔ ۱۷۷۴۔ ۱۷۷۵۔ ۱۷۷۶۔ ۱۷۷۷۔ ۱۷۷۸۔ ۱۷۷۹۔ ۱۷۸۰۔ ۱۷۸۱۔ ۱۷۸۲۔ ۱۷۸۳۔ ۱۷۸۴۔ ۱۷۸۵۔ ۱۷۸۶۔ ۱۷۸۷۔ ۱۷۸۸۔ ۱۷۸۹۔ ۱۷۹۰۔ ۱۷۹۱۔ ۱۷۹۲۔ ۱۷۹۳۔ ۱۷۹۴۔ ۱۷۹۵۔ ۱۷۹۶۔ ۱۷۹۷۔ ۱۷۹۸۔ ۱۷۹۹۔ ۱۸۰۰۔ ۱۸۰۱۔ ۱۸۰۲۔ ۱۸۰۳۔ ۱۸۰۴۔ ۱۸۰۵۔ ۱۸۰۶۔ ۱۸۰۷۔ ۱۸۰۸۔ ۱۸۰۹۔ ۱۸۱۰۔ ۱۸۱۱۔ ۱۸۱۲۔ ۱۸۱۳۔ ۱۸۱۴۔ ۱۸۱۵۔ ۱۸۱۶۔ ۱۸۱۷۔ ۱۸۱۸۔ ۱۸۱۹۔ ۱۸۲۰۔ ۱۸۲۱۔ ۱۸۲۲۔ ۱۸۲۳۔ ۱۸۲۴۔ ۱۸۲۵۔ ۱۸۲۶۔ ۱۸۲۷۔ ۱۸۲۸۔ ۱۸۲۹۔ ۱۸۳۰۔ ۱۸۳۱۔ ۱۸۳۲۔ ۱۸۳۳۔ ۱۸۳۴۔ ۱۸۳۵۔ ۱۸۳۶۔ ۱۸۳۷۔ ۱۸۳۸۔ ۱۸۳۹۔ ۱۸۴۰۔ ۱۸۴۱۔ ۱۸۴۲۔ ۱۸۴۳۔ ۱۸۴۴۔ ۱۸۴۵۔ ۱۸۴۶۔ ۱۸۴۷۔ ۱۸۴۸۔ ۱۸۴۹۔ ۱۸۵۰۔ ۱۸۵۱۔ ۱۸۵۲۔ ۱۸۵۳۔ ۱۸۵۴۔ ۱۸۵۵۔ ۱۸۵۶۔ ۱۸۵۷۔ ۱۸۵۸۔ ۱۸۵۹۔ ۱۸۶۰۔ ۱۸۶۱۔ ۱۸۶۲۔ ۱۸۶۳۔ ۱۸۶۴۔ ۱۸۶۵۔ ۱۸۶۶۔ ۱۸۶۷۔ ۱۸۶۸۔ ۱۸۶۹۔ ۱۸۷۰۔ ۱۸۷۱۔ ۱۸۷۲۔ ۱۸۷۳۔ ۱۸۷۴۔ ۱۸۷۵۔ ۱۸۷۶۔ ۱۸۷۷۔ ۱۸۷۸۔ ۱۸۷۹۔ ۱۸۸۰۔ ۱۸۸۱۔ ۱۸۸۲۔ ۱۸۸۳۔ ۱۸۸۴۔ ۱۸۸۵۔ ۱۸۸۶۔ ۱۸۸۷۔ ۱۸۸۸۔ ۱۸۸۹۔ ۱۸۹۰۔ ۱۸۹۱۔ ۱۸۹۲۔ ۱۸۹۳۔ ۱۸۹۴۔ ۱۸۹۵۔ ۱۸۹۶۔ ۱۸۹۷۔ ۱۸۹۸۔ ۱۸۹۹۔ ۱۹۰۰۔ ۱۹۰۱۔ ۱۹۰۲۔ ۱۹۰۳۔ ۱۹۰۴۔ ۱۹۰۵۔ ۱۹۰۶۔ ۱۹۰۷۔ ۱۹۰۸۔ ۱۹۰۹۔ ۱۹۱۰۔ ۱۹۱۱۔ ۱۹۱۲۔ ۱۹۱۳۔ ۱۹۱۴۔ ۱۹۱۵۔ ۱۹۱۶۔ ۱۹۱۷۔ ۱۹۱۸۔ ۱۹۱۹۔ ۱۹۲۰۔ ۱۹۲۱۔ ۱۹۲۲۔ ۱۹۲۳۔ ۱۹۲۴۔ ۱۹۲۵۔ ۱۹۲۶۔ ۱۹۲۷۔ ۱۹۲۸۔ ۱۹۲۹۔ ۱۹۳۰۔ ۱۹۳۱۔ ۱۹۳۲۔ ۱۹۳۳۔ ۱۹۳۴۔ ۱۹۳۵۔ ۱۹۳۶۔ ۱۹۳۷۔ ۱۹۳۸۔ ۱۹۳۹۔ ۱۹۴۰۔ ۱۹۴۱۔ ۱۹۴۲۔ ۱۹۴۳۔ ۱۹۴۴۔ ۱۹۴۵۔ ۱۹۴۶۔ ۱۹۴۷۔ ۱۹۴۸۔ ۱۹۴۹۔ ۱۹۵۰۔ ۱۹۵۱۔ ۱۹۵۲۔ ۱۹۵۳۔ ۱۹۵۴۔ ۱۹۵۵۔ ۱۹۵۶۔ ۱۹۵۷۔ ۱۹۵۸۔ ۱۹۵۹۔ ۱۹۶۰۔ ۱۹۶۱۔ ۱۹۶۲۔ ۱۹۶۳۔ ۱۹۶۴۔ ۱۹۶۵۔ ۱۹۶۶۔ ۱۹۶۷۔ ۱۹۶۸۔ ۱۹۶۹۔ ۱۹۷۰۔ ۱۹۷۱۔ ۱۹۷۲۔ ۱۹۷۳۔ ۱۹۷۴۔ ۱۹۷۵۔ ۱۹۷۶۔ ۱۹۷۷۔ ۱۹۷۸۔ ۱۹۷۹۔ ۱۹۸۰۔ ۱۹۸۱۔ ۱۹۸۲۔ ۱۹۸۳۔ ۱۹۸۴۔ ۱۹۸۵۔ ۱۹۸۶۔ ۱۹۸۷۔ ۱۹۸۸۔ ۱۹۸۹۔ ۱۹۹۰۔ ۱۹۹۱۔ ۱۹۹۲۔ ۱۹۹۳۔ ۱۹۹۴۔ ۱۹۹۵۔ ۱۹۹۶۔ ۱۹۹۷۔ ۱۹۹۸۔ ۱۹۹۹۔ ۲۰۰۰۔ ۲۰۰۱۔ ۲۰۰۲۔ ۲۰۰۳۔ ۲۰۰۴۔ ۲۰۰۵۔ ۲۰۰۶۔ ۲۰۰۷۔ ۲۰۰۸۔ ۲۰۰۹۔ ۲۰۱۰۔ ۲۰۱۱۔ ۲۰۱۲۔ ۲۰۱۳۔ ۲۰۱۴۔ ۲۰۱۵۔ ۲۰۱۶۔ ۲۰۱۷۔ ۲۰۱۸۔ ۲۰۱۹۔ ۲۰۲۰۔ ۲۰۲۱۔ ۲۰۲۲۔ ۲۰۲۳۔ ۲۰۲۴۔ ۲۰۲۵۔ ۲۰۲۶۔ ۲۰۲۷۔ ۲۰۲۸۔ ۲۰۲۹۔ ۲۰۳۰۔ ۲۰۳۱۔ ۲۰۳۲۔ ۲۰۳۳۔ ۲۰۳۴۔ ۲۰۳۵۔ ۲۰۳۶۔ ۲۰۳۷۔ ۲۰۳۸۔ ۲۰۳۹۔ ۲۰۴۰۔ ۲۰۴۱۔ ۲۰۴۲۔ ۲۰۴۳۔ ۲۰۴۴۔ ۲۰۴۵۔ ۲۰۴۶۔ ۲۰۴۷۔ ۲۰۴۸۔ ۲۰۴۹۔ ۲۰۵۰۔ ۲۰۵۱۔ ۲۰۵۲۔ ۲۰۵۳۔ ۲۰۵۴۔ ۲۰۵۵۔ ۲۰۵۶۔ ۲۰۵۷۔ ۲۰۵۸۔ ۲۰۵۹۔ ۲۰۶۰۔ ۲۰۶۱۔ ۲۰۶۲۔ ۲۰۶۳۔ ۲۰۶۴۔ ۲۰۶۵۔ ۲۰۶۶۔ ۲۰۶۷۔ ۲۰۶۸۔ ۲۰۶۹۔ ۲۰۷۰۔ ۲۰۷۱۔ ۲۰۷۲۔ ۲۰۷۳۔ ۲۰۷۴۔ ۲۰۷۵۔ ۲۰۷۶۔ ۲۰۷۷۔ ۲۰۷۸۔ ۲۰۷۹۔ ۲۰۸۰۔ ۲۰۸۱۔ ۲۰۸۲۔ ۲۰۸۳۔ ۲۰۸۴۔ ۲۰۸۵۔ ۲۰۸۶۔ ۲۰۸۷۔ ۲۰۸۸۔ ۲۰۸۹۔ ۲۰۹۰۔ ۲۰۹۱۔ ۲۰۹۲۔ ۲۰۹۳۔ ۲۰۹۴۔ ۲۰۹۵۔ ۲۰۹۶۔ ۲۰۹۷۔ ۲۰۹۸۔ ۲۰۹۹۔ ۲۱۰۰۔ ۲۱۰۱۔ ۲۱۰۲۔ ۲۱۰۳۔ ۲۱۰۴۔ ۲۱۰۵۔ ۲۱۰۶۔ ۲۱۰۷۔ ۲۱۰۸۔ ۲۱۰۹۔ ۲۱۱۰۔ ۲۱۱۱۔ ۲۱۱۲۔ ۲۱۱۳۔ ۲۱۱۴۔ ۲۱۱۵۔ ۲۱۱۶۔ ۲۱۱۷۔ ۲۱۱۸۔ ۲۱۱۹۔ ۲۱۲۰۔ ۲۱۲۱۔ ۲۱۲۲۔ ۲۱۲۳۔ ۲۱۲۴۔ ۲۱۲۵۔ ۲۱۲۶۔ ۲۱۲۷۔ ۲۱۲۸۔ ۲۱۲۹۔ ۲۱۳۰۔ ۲۱۳۱۔ ۲۱۳۲۔ ۲۱۳۳۔ ۲۱۳۴۔ ۲۱۳۵۔ ۲۱۳۶۔ ۲۱۳۷۔ ۲۱۳۸۔ ۲۱۳۹۔ ۲۱۴۰۔ ۲۱۴۱۔ ۲۱۴۲۔ ۲۱۴۳۔ ۲۱۴۴۔ ۲۱۴۵۔ ۲۱۴۶۔ ۲۱۴۷۔ ۲۱۴۸۔ ۲۱۴۹۔ ۲۱۵۰۔ ۲۱۵۱۔ ۲۱۵۲۔ ۲۱۵۳۔ ۲۱۵۴۔ ۲۱۵۵۔ ۲۱۵۶۔ ۲۱۵۷۔ ۲۱۵۸۔ ۲۱۵۹۔ ۲۱۶۰۔ ۲۱۶۱۔ ۲۱۶۲۔ ۲۱۶۳۔ ۲۱۶۴۔ ۲۱۶۵۔ ۲۱۶۶۔ ۲۱۶۷۔ ۲۱۶۸۔ ۲۱۶۹۔ ۲۱۷۰۔ ۲۱۷۱۔ ۲۱۷۲۔ ۲۱۷۳۔ ۲۱۷۴۔ ۲۱۷۵۔ ۲۱۷۶۔ ۲۱۷۷۔ ۲۱۷۸۔ ۲۱۷۹۔ ۲۱۸۰۔ ۲۱۸۱۔ ۲۱۸۲۔ ۲۱۸۳۔ ۲۱۸۴۔ ۲۱۸۵۔ ۲۱۸۶۔ ۲۱۸۷۔ ۲۱۸۸۔ ۲۱۸۹۔ ۲۱۹۰۔ ۲۱۹۱۔ ۲۱۹۲۔ ۲۱۹۳۔ ۲۱۹۴۔ ۲۱۹۵۔ ۲۱۹۶۔ ۲۱۹۷۔ ۲۱۹۸۔ ۲۱۹۹۔ ۲۲۰۰۔ ۲۲۰۱۔ ۲۲۰۲۔ ۲۲۰۳۔ ۲۲۰۴۔ ۲۲۰۵۔ ۲۲۰۶۔ ۲۲۰۷۔ ۲۲۰۸۔ ۲۲۰۹۔ ۲۲۱۰۔ ۲۲۱۱۔ ۲۲۱۲۔ ۲۲۱۳۔ ۲۲۱۴۔ ۲۲۱۵۔ ۲۲۱۶۔ ۲۲۱۷۔ ۲۲۱۸۔ ۲۲۱۹۔ ۲۲۲۰۔ ۲۲۲۱۔ ۲۲۲۲۔ ۲۲۲۳۔ ۲۲۲۴۔ ۲۲۲۵۔ ۲۲۲۶۔ ۲۲۲۷۔ ۲۲۲۸۔ ۲۲۲۹۔ ۲۲۳۰۔ ۲۲۳۱۔ ۲۲۳۲۔ ۲۲۳۳۔ ۲۲۳۴۔ ۲۲۳۵۔ ۲۲۳۶۔ ۲۲۳۷۔ ۲۲۳۸۔ ۲۲۳۹۔ ۲۲۴۰۔ ۲۲۴۱۔ ۲۲۴۲۔ ۲۲۴۳۔ ۲۲۴۴۔ ۲۲۴۵۔ ۲۲۴۶۔ ۲۲۴۷۔ ۲۲۴۸۔ ۲۲۴۹۔ ۲۲۵۰۔ ۲۲۵۱۔ ۲۲۵۲۔ ۲۲۵۳۔ ۲۲۵۴۔ ۲۲۵۵۔ ۲۲۵۶۔ ۲۲۵۷۔ ۲۲۵۸۔ ۲۲۵۹۔ ۲۲۶۰۔ ۲۲۶۱۔ ۲۲۶۲۔ ۲۲۶۳۔ ۲۲۶۴۔ ۲۲۶۵۔ ۲۲۶۶۔ ۲۲۶۷۔ ۲۲۶۸۔ ۲۲۶۹۔ ۲۲۷۰۔ ۲۲۷۱۔ ۲۲۷۲۔ ۲۲۷۳۔ ۲۲۷۴۔ ۲۲۷۵۔ ۲۲۷۶۔ ۲۲۷۷۔ ۲۲۷۸۔ ۲۲۷۹۔ ۲۲۸۰۔ ۲۲۸۱۔ ۲۲۸۲۔ ۲۲۸۳۔ ۲۲۸۴۔ ۲۲۸۵۔ ۲۲۸۶۔ ۲۲۸۷۔ ۲۲۸۸۔ ۲۲۸۹۔ ۲۲۹۰۔ ۲۲۹۱۔ ۲۲۹۲۔ ۲۲۹۳۔ ۲۲۹۴۔ ۲۲۹۵۔ ۲۲۹۶۔ ۲۲۹۷۔ ۲۲۹۸۔ ۲۲۹۹۔ ۲۳۰۰۔ ۲۳۰۱۔ ۲۳۰۲۔ ۲۳۰۳۔ ۲۳۰۴۔ ۲۳۰۵۔ ۲۳۰۶۔ ۲۳۰۷۔ ۲۳۰۸۔ ۲۳۰۹۔ ۲۳۱۰۔ ۲۳۱۱۔ ۲۳۱۲۔ ۲۳۱۳۔ ۲۳۱۴۔ ۲۳۱۵۔ ۲۳۱۶۔ ۲۳۱۷۔ ۲۳۱۸۔ ۲۳۱۹۔ ۲۳۲۰۔ ۲۳۲۱۔ ۲۳۲۲۔ ۲۳۲۳۔ ۲۳۲۴۔ ۲۳۲۵۔ ۲۳۲۶۔ ۲۳۲۷۔ ۲۳۲۸۔ ۲۳۲۹۔ ۲۳۳۰۔ ۲۳۳۱۔ ۲۳۳۲۔ ۲۳۳۳۔ ۲۳۳۴۔ ۲۳۳۵۔ ۲۳۳۶۔ ۲۳۳۷۔ ۲۳۳۸۔ ۲۳۳۹۔ ۲۳۴۰۔ ۲۳۴۱۔ ۲۳۴۲۔ ۲۳۴۳۔ ۲۳۴۴۔ ۲۳۴۵۔ ۲۳۴۶۔ ۲۳۴۷۔ ۲۳۴۸۔ ۲۳۴۹۔ ۲۳۵۰۔ ۲۳۵۱۔ ۲۳۵۲۔ ۲۳۵۳۔ ۲۳۵۴۔ ۲۳۵۵۔ ۲۳۵۶۔ ۲۳۵۷۔ ۲۳۵۸۔ ۲۳۵۹۔ ۲۳۶۰۔ ۲۳۶۱۔ ۲۳۶۲۔ ۲۳۶۳۔ ۲۳۶۴۔ ۲۳۶۵۔ ۲۳۶۶۔ ۲۳۶۷۔ ۲۳۶۸۔ ۲۳۶۹۔ ۲۳۷۰۔ ۲۳۷۱۔ ۲۳۷۲۔ ۲۳۷۳۔ ۲۳۷۴۔ ۲۳۷۵۔ ۲۳۷۶۔ ۲۳۷۷۔ ۲۳۷۸۔ ۲۳۷۹۔ ۲۳۸۰۔ ۲۳۸۱۔ ۲۳۸۲۔ ۲۳۸۳۔ ۲۳۸۴۔ ۲۳۸۵۔ ۲۳۸۶۔ ۲۳۸۷۔ ۲۳۸۸۔ ۲۳۸۹۔ ۲۳۹۰۔ ۲۳۹۱۔ ۲۳۹۲۔ ۲۳۹۳۔ ۲۳۹۴۔ ۲۳۹۵۔ ۲۳۹۶۔ ۲۳۹۷۔ ۲۳۹۸۔ ۲۳۹۹۔ ۲۴۰۰۔ ۲۴۰۱۔ ۲۴۰۲۔ ۲۴۰۳۔ ۲۴۰۴۔ ۲۴۰۵۔ ۲۴۰۶۔ ۲۴۰۷۔ ۲۴۰۸۔ ۲۴۰۹۔ ۲۴۱۰۔ ۲۴۱۱۔ ۲۴۱۲۔ ۲۴۱۳۔ ۲۴۱۴۔ ۲۴۱۵۔ ۲۴۱۶۔ ۲۴۱۷۔ ۲۴۱۸۔ ۲۴۱۹۔ ۲۴۲۰۔ ۲۴۲۱۔ ۲۴۲۲۔ ۲۴۲۳۔ ۲۴۲۴۔ ۲۴۲۵۔ ۲۴۲۶۔ ۲۴۲۷۔ ۲۴۲۸۔ ۲۴۲۹۔ ۲۴۳۰۔ ۲۴۳۱۔ ۲۴۳۲۔ ۲۴۳۳۔ ۲۴۳۴۔ ۲۴۳۵۔ ۲۴۳۶۔ ۲۴۳۷۔ ۲۴۳۸۔ ۲۴۳۹۔ ۲۴۴۰۔ ۲۴۴۱۔ ۲۴۴۲۔ ۲۴۴۳۔ ۲۴۴۴۔ ۲۴۴۵۔ ۲۴۴۶۔ ۲۴۴۷۔ ۲۴۴۸۔ ۲۴۴۹۔ ۲۴۵۰۔ ۲۴۵۱۔ ۲۴۵۲۔ ۲۴۵۳۔ ۲۴۵۴۔ ۲۴۵۵۔ ۲۴۵۶۔ ۲۴۵۷۔ ۲۴۵۸۔ ۲۴۵۹۔ ۲۴۶۰۔ ۲۴۶۱۔ ۲۴۶۲۔ ۲۴۶۳۔ ۲۴۶۴



موقوف علیہ یا امنین سے بعض اشخاص اس غرض سے نالاش کر سکتے ہیں کہ متولی کو مال وقت ضائع و برباد کرنے یا اس میں خیانت کرنے سے مانع ہوں۔ جب متولی متعدد ہوں اور امنین سے کچھ لوگ بشارکت دیگران مال وقت دلاپانے کی نالاش دائر کرنے پر نہ راضی ہوں تو اس صورت میں کس ضابطہ کی پابندی کی جائے یا کیا کارروائی کی جائے۔ اس سے فقیر مقدمہ بیچو لال بنام علی اللہ متعلق ہے۔

اس مقدمہ میں یہ تجویز ہوا تھا کہ جب متعدد متولی ہوں تو قسماً لامکان ان سب کو مدعی قرار دینا چاہیے لکن اگر امنین سے کوئی انکار کرے تو اسکو مدعا علیہ گردانا چاہیے۔ اگر اصول مصرحہ ذیل سے معلوم ہو جائیگا کہ اس مقدمہ میں جو یہ مسئلہ ہائی کورٹ کلاکتہ نے کیا ہے وہ شرع محمدی کے خلاف ہے۔ اگر واقعہ متولی نہ مقرر کرے یہاں تک کہ اسکو موت آجائے اور اسوقت وہ کسی شخص کو وصیت کرے تو وہ شخص اس کے مال و اسباب کا وصی ہو جائیگا اور اس کے وقف کا متولی ہوگا۔ ہلال نے فرمایا ہے کہ وصی انتظام مال وقف میں متولی کے ساتھ شریک کر دیا جائے اس طرح سے کہ گویا وہ بھی متولی مقرر کیا گیا ہے جیسا عیادت میں لکھا ہے۔ اور اگر واقعہ ایک شخص کو متولی مقرر کرنے کے بعد کسی وصی مقرر کیا تو وہ وصی انتظام وقف میں اس متولی کا شریک ہو جائیگا۔

اگر واقعہ وقف کا انتظام دو آدمیوں کے سپرد کرے یعنی ایک وصی اور ایک متولی تو امنین سے کوئی اکیلا منفعت وقف کو فروخت نہ کرے گا اگرچہ امام عظم ابوحنیفہ کے نزدیک امنین سے ہر ایک دوسرے کی منظوری سے کام کر سکتا ہے کہ

علیٰ عبدالرحمن بنام یحییٰ محمد انڈین لاپورٹ جلد ۳ صفحہ ۶۶۲ سلسلہ آک آباد ۱۱ منہ ۱۱ انڈین لاپورٹ جلد ۳ صفحہ ۳۳ سلسلہ کلاکتہ ۱۱ منہ ۱۱ قنادات عالمگیری صفحہ ۵۰۵ و ۵۰۶ و ۵۰۷ منہ ۱۱۔



اس صورت میں وہ شخص جو کام کرتا ہے دوسرے شخص کا وکیل سمجھا جائیگا۔ حامی  
میں بھی لکھا ہے۔

اگر دو واقف بالشارکت ایک وقف کریں اور وہ متولی بالشارکت  
مقرر کریں تو وہ دونوں مثل ایک متولی کے ہونگے اگر انکو دو شہروں کے قاضیوں نے  
علیہ علیہ مقرر کیا ہو تو انہیں سے ایک متولی اس جائداد کا انتظام کر سکتا ہو جائے  
حد اختیار کے اندر ہو۔ یہ قول امام اسماعیل زاحبی کا ہے۔

بعض موقوف علیہم بعض کی طرف سے مالش کر سکتے ہیں اس طرح سے  
بعض متولی کل گروہ متولیوں کی طرف سے ہتھ انداز کر سکتے ہیں۔ مثل وصی بالنگلج کے  
ہے۔ اگر وہ سب ایک ہی قوم سے ہوں تو سب کا ایک حال ہے پس اگر انہیں سے  
ایک متولی کو دیگر متولیان اجازت دیدین کہ سب کی طرف سے رضامندی ظاہر کرے  
تو کوئی بیرونی آدمی کچھ اعتراض نہیں کر سکتا۔

موقوف علیہ بلا اجازت قاضی اس وقف کے دلایانے کا دعویٰ نہیں  
کر سکتا جو برابر کوڑا لایا ہو یا غصب کر لیا گیا ہو مگر یہ کہ اسکی تملیت میں ہوا البتہ متولی پناہ  
کر سکتا ہے اگر وہ غاصب ہو اور اپنا حق منفعت وقف میں حصہ پانے کا ثابت کر سکتا ہے۔  
متولی اور وصی کا ایک حال ہے۔ وہ متولیوں میں سے ایک متولی  
افعال بھی اسی طرح باطل ہیں جس طرح دو وصیوں میں سے ایک وصی کے افعال  
باطل ہیں۔ اس واسطے کہ وہ متولی اور دو وصی بعض امور میں مثل شخص احد کے  
ہیں۔ اشتباہ اور کنایہ میں بھی لکھا ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ اگر دو وصیوں میں سے  
ایک یا دو متولیوں میں سے ایک زمین وقفی کو اجارہ پر دیدے تو بغیر رضامندی دوسرے

لف قواد سے قاضی نان صفحہ ۳۰۶ - ۱۲ منہ سے رد المحتار صفحہ ۱۰۶ - ۱۲ منہ سے انہیں لارپور  
جلد ۳ صفحہ ۳۶ و سلسلہ اگر آباد ۱۲ منہ



وصی یا مستولی کے وہ اجارہ جائز نہ ہوگا گو وہ دو زبان عملیہ و علمیہ مقرر کیے گئے ہوں  
 بیشک بعض علماء نے یہ فرمایا ہے کہ وہ علمیہ و عملیہ کام کر سکتے ہیں اور ابولیش نے فرمایا  
 کہ قول اجماع یہی ہے اور اسی کو اختیار کرنا چاہیے۔ مگر پہلے قول کو مبسوطاً بین قبل اصح لکھا  
 اور صاحب ردالمحتار نے اسکی قبول کر لیا ہے اور قستانی نے بھی اسکو اصح لکھا ہے  
 اسکے بعد شراح یعنی صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ ہبوقت درست  
 ہے جبکہ دو وصیوں یا دو متولیوں کے واقف یا موصی یا قاضی نے مقرر کیا ہو۔ ایک  
 مستولی کا فعل جب اسکی تصدیق دوسرا متولی کر دے تو جائز ہو جائیگا اور اس فعل کی  
 تجدید کی ضرورت نہ ہوگی جیسا مناج میں لکھا ہے۔

یہی حال اس وصی کا ہے جو متولی کا شریک کیا گیا ہو۔ اور عاید میں  
 اسمعیلیہ سے لکھا ہے کہ اگر وصی بغیر علم متولی کے مال وقف میں کوئی معاملہ یا تصرف کرے  
 اور کچھ نقصان اس میں ہو جائے تو وہ وصی حرج کا مستوجب ہے۔

مگر موصی یا واقف کی تجدید تکفین میں دو وصیوں میں سے ایک وصی کا  
 یا دو متولیوں میں سے ایک متولی کا فعل جائز ہے اور اسکی جائداد کا تصرف جو کسی  
 شخص پر ہو اسکو وصول کرنا یا اسکے دلاپانے کی نالش کرنا اور اسکے حقوق کی نالش  
 کرنا بھی اُمین سے ایک وصی یا متولی کو جائز ہے۔ مسئلہ کہ ایک وصی یا ایک متولی  
 بغیر اذن دوسرے متولی کے موصی یا واقف کی جائداد کا قرضہ طلب کر سکتا ہے یا اسکی  
 نالش کر سکتا ہے ضرورت پر موقوف ہے۔ مثلاً دوسرا وصی نالش کرنے سے انکار  
 کرے اور اسکے انکار سے مال وقف ضائع و برباد ہونے کو ہو یا دوسرا متولی غیر حاضر  
 ہو۔ یہی نقاب میں لکھا ہے اور اسکے شراح قستانی کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے  
 ۔ نالش کرنے کے حق کی تائید فیخرہ میں بھی کی ہے۔ مگر امام ابو یوسف کا قول یہ ہے



کہ دو مین سے ایک متولی اکیلا کام کر سکتا ہے تا وقتیکہ واقف نہ صاف یہ شرط کر لی ہو کہ دونوں کو بالشرکت کام کرنا چاہیے۔ اگر ایک متولی کام کرنے سے انکار کرے تو اسکو یہ مجباً چاہیے کہ تولیت سے دست بردار ہو گیا۔ اور دوسرا متولی مال وقف کی حفاظت کی کارروائی کر سکتا ہے جب تک کہ قاضی ایک اور متولی مقرر کرے یا اسیکو اکیلا کام کرنے کی اجازت دے۔

ایک متولی کو بلا شرکت دیگر متولیان نالاش کرنے کی اجازت اسوجہ دی گئی ہے کہ وہ بشارکت و عجبے دائر نہیں کر سکتے اور اگر وہ بالشرکت نالاش دائر کریں تو بھی ایک ہی متولی کو گفتگو کرنے کی اجازت مل سکتی ہے۔ درالمختار مین یہی لکھا ہے کہ کسی شخص نے دو وصی مقرر کیے ہوں اور انہیں سے ایک مر جاے اور دوسرے کو اپنا وصی مقرر کر دے تو جو وصی زندہ رہ گیا ہے وہ اصل موصی کی طرف سے بحیثیت وصی اکیلا کارروائی کر سکتا ہے۔

اگر ایک شخص دو وصی مقرر کرے تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک انہیں سے ہر ایک وصی موصی کی جائداد مین اکیلا معاملہ نہیں کر سکتا ہے اور ایک کے افعال اور معاملات دوسرے کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہین الا بعض مقدمات مین جیسے متوفی کی تجنیز و تکفین اور اسکا قرضہ ادا کرنا اور ترکہ تقسیم کرنا اور اس کے غلاموں کو آزاد کرنا اور مال امانت اور مال منسوب کو واپس کرنا۔ مگر انہیں سے ایک متولی اکیلا اس جائداد پر جو واپس کر دی گئی ہو یا اس قرضہ پر جو اسکی جائداد کا ادا کر دیا گیا ہو قبضہ نہیں کر سکتا گو انہیں سے ہر ایک موصی کے حقوق کی نالاش لوگوں پر اکیلا کر سکتا ہے۔

۱۔ قنادا سے قاضی خان۔ کتاب الوصیت صفحہ ۴۲۴ و ۴۲۵۔ ۲۔ منہ لکے قنادا سے سراجیہ جابرین صاحب کی کتاب البصایا صفحہ ۴۳۲۔ ۱۲۔ منہ۔



منجملہ متولیان ایک متولی مقدمات ذیل میں اکیلا کارروائی کر سکتا ہے  
یعنی موصی کی تجیز و تکفین کر سکتا ہے اور اُس کے اطفال خرو سال کے لیے نان و نفقہ  
مہیا کر سکتا ہے اور موصی پاس جو امانت رکھی ہو اُسکو واپس کر سکتا ہے اور اُس کے غلاموں کو  
آزاد کر سکتا ہے اور اُس کے حقوق کی مالش کر سکتا ہے اگر رہنمی وقفی کے متعلق متولی  
ہوں تو انہیں سے ایک اُسکا لگان وصول کر سکتا ہے مگر اُسکو منتقل کرنے میں بکی  
مشارکت لازم ہے۔

## سولھواں باب

### احکام وصیت

تمہید

کتاب تواریخ میں جو رسم و رواج زمانہ جاہلیت کے قبائل عرب کا لکھا ہے اُس سے  
مخوبی ثابت ہوتا ہے کہ انتقالات بالوصیت مشرکین عرب میں بھی کم و بیش رائج تھے۔ مگر جو  
وزائع عرب کے حالات قدیم دریافت کرنے کے ہکو ہم پہنچے ہیں اُن سے یہ قیاس کرنا مشکل  
ہے کہ کفار عرب کے وصایا کے جو ازیادہ عدم جواز کی کیا شرط ہے۔

شرعیت موسوی جو عرب کے قبائل یہودی میں جاری تھی موصی کو اس  
بات سے مانع تھی کہ اپنے ورثہ شرعی کو وراثت و جانشینی سے محروم کر دے اور اس  
سے بھی مانع تھے کہ موصی غیر آدمی کو اپنا وارث بنا دے۔ مگر انتقال بالوصیت کے  
ساتھ قبضہ بھی کر دیا جاتا تھا تو ظاہر رہا نہایتین (علماء یہود کی رائے میں ایسا انتقال  
بہم سمجھا جاتا تھا۔ وصیت زبانی اور تحریری دونوں طرح سے ہو سکتی تھی مگر عموماً وصیت  
زبانی کو ترجیح دیا جاتی تھی۔

قرآن مجید میں انتقال بالوصیت جائز رکھا گیا اور منصوص کیا گیا  
اور اُس کے احکام اور شرائط مقرر کر دیے گئے۔



ہدایہ میں لکھا ہے کہ۔ وصایا جائز ہیں بنا بر قول مشہور۔ مگر قیاس اسکا مقتضی ہے کہ وہ ناجائز ہیں اس واسطے کہ وصیت کا مفاد یہ ہے کہ وقت کرنا کسی چیز کا اس طور سے کہ اُس وقت کا نفاذ اُس وقت پر موقوف رہے جبکہ واقف یا موصی کا ملک زائل ہو چکا ہو اور جس وقت کا نفاذ زمانہ آئندہ پر موقوف رکھا جائے (جیسے مثلاً کوئی شخص کہے کہ میں تمکو اس چیز کا مالک کل کے لیے کرتا ہوں) وہ وقت ناجائز ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ مالک کا مالک اُس چیز میں اس وقت تک باقی ہے تو بھی یہ لازم آتا ہے کہ وصیت کا نفاذ اس وقت تک معطل رکھا جبکہ ملک زائل اور معدوم ہو جائے گا یعنی موصی کی وفات تک) بدرجہ اولیٰ ناجائز ہے۔ مگر جواز وصیت کو جو عدم جواز وصیت پر ترجیح دی گئی ہے تو دو وجوہ سے اول یہ کہ پُر ضرور ہے کہ لوگوں کو وصیت کا اختیار دیا جائے اس واسطے کہ آدمی طول اہل کی وجہ سے کوتاہ بین اور نا عاقبت اندیش ہو جاتا ہے مگر جب مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے تو موت سے غافل و ترسان رہتا ہے۔ لہذا اس وقت اُسکو اپنے اعمال کی مکافات اپنے مال سے کرنی پڑتی ہے اور اس طرح سے کرنی پڑتی ہے کہ اگر وہ بیماری سے مر جائے تو اُس کے مقاصد یعنی مکافات اعمال اور ثواب اخروی) برآسکیں اور اگر وہ شفا پائے تو وہ اُس مال سے اپنے حوائج کو رفع کرے۔ اور چونکہ وصایا کو شرعاً جائز کر دینے سے یہ مقاصد برآسکتے ہیں لہذا وصیت کے جواز کا حکم کیا گیا۔ دوم یہ کہ وصایا کی طلت قرآن مجید میں منصوص اور احادیث میں ماثور ہے اور سب علماء کا اجماع ہے۔

سائبر صاحب عالم فرامیسی نے جو تقریر اس باب میں لکھی ہے

وہ لائق توجہ خاص ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ دو مسلمانوں کے نزدیک وصیت احکام الہی اور

منصوص قرآنی میں سے ہے۔ وصیت سے موصی کو یہ اختیار ہو جاتا ہے کہ قانون



وراثت کو ایک حد تک صحیح کر سکتا ہے اور بعض اقرباء بموجب لارث کو اپنے متروکین حصہ دلا سکتا ہے اور غیر آدمی کی خدمات کا اور اس وفاداری اور حب انفسان کا جو اُسے اُسکے (موصی کے) ساتھ اخیر وقت میں یعنی عالم حیات تک میں کی ہو وصلہ دے سکتا ہے۔ مگر ساتھی اُسکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خستیا و وصیت ورثہ شرعی کی نقصان رسانی کے لیے نہ عمل میں لایا جائے۔

اس قول کی مؤید وہ حدیث ہے جو سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے اور جس پر وہ قید مبنی ہے جو شرع محمدی میں ہر مسلمان کے اختیار انتقال بالوصیت پر لگا دی گئی ہے۔ سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ جس سال فتح مکہ ہوئی اُس سال میں ایسا سخت بیمار پڑا کہ مجھ کو زندگی سے یاس ہو گئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے تو میں نے آنحضرت سے عرض کیا کہ خدا کے فضل سے مال کثیر رکھتا ہوں مگر سوائے ایک دختر کے کوئی وارث نہیں رکھتا پس یا رسول اللہ کیا میں اُس مال کو بذریعہ وصیت منتقل کر سکتا ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا: نہیں، پھر میں نے پوچھا کہ نصف مال یا دوثلث میں وصیت کر سکتا ہوں۔ آپ نے پھر یہ فرمایا کہ نہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ ثلث مال میں وصیت کر سکتا ہوں آپ نے فرمایا: ہاں۔ اسے سعد تو اپنے مال کے ایک ثلث میں وصیت کر سکتا ہے مگر ثلث مال میں بھی اگر تو نے وصیت کی تو ایک جزر کثیر میں کی اور بہتر یہی ہے کہ تو اپنے ورثہ کو غنی چھوڑ جائے نسبت اسکے کہ انکو فقیر چھوڑ جائے کہ تیرے بعد انکو اور ورنہ سے بھیک مانگنا پڑے۔

ان احکام رسول کا نتیجہ یہ ہے کہ شرع شریف میں موصی اپنے وارثان شرعی کو بموجب لارث نہیں کر سکتا اور اپنے مال کا ایک ثلث سے زیادہ بذریعہ وصیت نہیں منتقل کر سکتا



انتقال بالوصیت وارث پر کرنا تو کسی حال میں نہیں جائز ہے البتہ غیر وارث پر بقدر  
ثالث مال جائز ہے اگرچہ موصی کے ورثہ اذن نہ دین۔ ان اصول کی تشریح مقام مناسب  
پر کی جائے گی۔

یہاں تک تو وہ بناء بیان کی گئی جس بناء پر شرع محمدی میں احکام وصیت  
بنی ہیں۔ اب میں اس امر پر بحث کرتا ہوں کہ شرع شریف میں وصیت کی کیا تعریف ہے  
اور انتقال بالوصیت یا وصیت کے جواز کے کیا شرائط ہیں یا یہ کہتے کہ آدمی وصیت  
کر نیکی کتنی قابلیت شرعاً رکھتا ہے۔

## فصل اول

وصیت کے اقسام اور اوصاف۔

جابرین صاحب نے وصیت کی یہ تعریف لکھی ہے کہ ”ایک دستاویز ہے جس کے ذریعے سے  
آدمی اپنی جائداد کو اس طرح منتقل کرتا ہے کہ اس کا نفاذ اس کے مرنے کے بعد ہوا اور جو اس کی  
حیات میں تغیر پذیر اور قابل منسوخی رہتی ہے۔“ مگر شرع محمدی میں وصیت زبانی  
اور تحریری دونوں طرح سے ہو سکتی ہے۔ لہذا وصیت کی تعریف قنات وائے عالمگیری  
میں یہ لکھی ہے کہ ”عطا کرنا حق ملکیت کا کسی خاص چیز میں یا منفعت میں بطور عطیہ  
کے جس کا نفاذ موصی کی وفات کے بعد ہو۔“

شرائع الاسلام میں بھی وصیت کی تعریف ایسی ہی لکھی ہے کہ ”  
حق ملکیت کسی چیز میں یا کسی منفعت میں مرنے کے بعد عطا کرنا۔“

وصیت ایسے لفظ سے ہو سکتی ہے جس سے موصی کا ارادہ کیا حق  
ظاہر ہو جائے پس جب تک یہ معلوم ہو کہ موصی کا ارادہ یہ تھا کہ وصیت کا نفاذ اس کے

۱۔ جابرین صاحب کی کتاب الوصیت صفحہ ۱۶۔ منہ ۱۵ شرع محمدی میں وصیت کا تحریری ہونا نہیں ضروری ہے  
مفذرہ تیسری جگہ بنام فرحت حسین۔ رپورٹ مالک مغربی و شمالی جلد ۲ صفحہ ۵۵ اردو المختار صفحہ ۶۶۔ ۱۲۔ منہ



مرنے کے بعد ہوا وقت تک وہ وصیت سمجھی جائیگی۔ وصیت موصی لہ کے حق میں بطور حقیقت کے یا بطور وقف کے کسی غرض یا مقصد سے ہو سکتی ہے اور ان الفاظ سے ہو سکتی ہے کہ۔ اوصیت هذا الشيء الى فلان یا لفلان۔ یعنی میں نے اس چیز کی وصیت فلان شخص کو یا فلان شخص کے طرف کی۔ یا اور کلمات سے بھی ہو سکتی ہے جیسے ایسا انتقال مفہوم ہو جسکا نفاذ موصی کے مرنے پر موقوف ہو۔

وصیت اشارات سے بھی ہو سکتی ہے جیسے گونگا آدمی جو طاقت گویائی نہیں رکھتا ہے اپنا منشاء اشاروں سے بیان کر سکتا ہے۔ اسی طرح جب آدمی مرض الموت میں مبتلا ہو اور ضعف و نقاحت کی وجہ سے بات نہ کر سکتا ہو۔ جب کوئی مریض وصیت کرے اور ضعف و نقاحت کی وجہ سے بات نہ کر سکتا ہو اور صرف اپنا سر ہلا دے اور یہ معلوم ہو کہ جس بات پر اُس نے سر ہلایا ہے اسکو خوب سمجھتا ہے تو اس صورت میں اگر اُسکا مطلب سمجھ میں آجائے تو یہ وصیت جائز ہے ورنہ نہیں جائز ہے۔ اس سے یہ قیاس کیا جائے گا کہ مرتے دم تک طاقت گویائی اسکو دوبارہ نہیں حاصل ہوئی کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ وصیت کرنے کے وقت اُسکے بات کر سکنے کی امید نہ تھی لہذا وہ مثل ایک گونگے آدمی کے تھا۔

بعض صورتوں میں ممکن ہے کہ وصیت سے بادی النظر میں انتقال فوری حقیقت کا مفہوم ہو مگر موصی کا ارادہ یہ ہو کہ اسکا نفاذ اسکی زندگی میں کیا جائے۔ جب ایسا ہو تو وہ انتقال بطور وصیت کے نافذ ہوگا۔ جو مال کسی شخص پر منتقل کیا گیا ہو اسکے استحصال یا انتفاع واقعی میں تاخیر ہو جانے سے یہ نہیں لازم آتا کہ وہ انتقال

۱۔ الی فلان اور لفلان میں یہ فرق ہے کہ الی سے انتقال حقیقت موصی لہ کی ذات پر مفہوم ہوتی ہے اور ل سے انتقال بطور وقف سمجھا جاتا ہے ۱۲۔ منہ۔ ۱۵۔ رد المحتار صفحہ ۱۳۶۔ ۱۴۔ منہ ۱۵۔ بیلی صاحب کی شرع حنفی صفحہ ۴۵۲۔ فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۱۶۸۔ منہ



بالوصیت ہے جیسا بمقتدہ نواب امجد علی خان بنام محمدی سلیم ثابت ہوا۔ اس انتقال کی کل حقیقت موصی کے منشاء یا ارادہ پر بہر حال موقوف ہے خواہ وصیت ہو خواہ ایسا انتقال ہو جس کا نفاذ اس کی حیات میں کیا جائے اور خواہ اس کا نفاذ زمانہ حال خواہ استقبال میں بطور وصیت کے ہو۔

وصیت مشروط یا معلق بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی اگر اس کا نفاذ کسی امر کے وقوع پر موقوف رکھا گیا ہو اور وہ امر وقوع میں نہ آئے تو وہ وصیت نافذ نہ ہوگی۔ ایسی صورتوں میں وصیت کا نفاذ اکثر کسی خوف یا خدشہ مظنون پر موقوف رکھا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص کہے کہ اگر میں فلان بیماری سے مر جاؤں یا حج بیت اللہ یا زیارت کربلا کے معاملے سے نہ بھر آؤں یا سفر حج میں مجھ کو کچھ ہو جائے تو میں فلان شخص کو وصیت کرتا ہوں۔ ایسے وصایا کو نافذ نہ کرنا چاہیے اگرچہ وہ امور جن کا خوف موصی کو تھا وقوع میں نہ آئیں خواہ وہ وصایا زبانی ہوں خواہ تحریری۔ مگر فقہاء نے وصیت زبانی مشروط اور وصیت تحریری مشروط میں فرق کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جب وصیت زبانی کا نفاذ کسی امر کے وقوع پر موقوف رکھا گیا ہو اور وہ امر نہ واقع ہو تو صرف اسی بات سے وہ وصیت منسوخ ہو جائیگی لیکن اگر وصیت تحریری ہو یعنی قلمبند کر لی گئی ہو اور وہ تحریر یعنی وصیت نامہ کسی تیسرے شخص کے سپرد کر دیا گیا ہو اور اس امر کے وقوع کا احتمال نہ باقی رہا ہو۔ پس اگر موصی اس وصیت نامہ کو اس شخص سے واپس نہ کرے تو یہ قیاس کیا جائیگا کہ اس کا ارادہ اس کو منسوخ کر نیکانہ تھا اور اس کا نفاذ کیا جائیگا۔ لیکن اگر وہ وصیت نامہ ہمیشہ موصی کے پاس رہا ہو تو یہ قیاس نہ ہو سکیگا۔ جب وصیت ان کلمات سے کی گئی ہو کہ اگر میں مر جاؤں تو فلان چیز یا اس قدر حصہ متروکہ کا فلان شخص کا مال ہو جائیگا تو یہ وصیت مشروط نہ ہوگی بلکہ وصیت محض و خالص ہوگی اس واسطے



کہ وصیت کا جوہر یہ ہے کہ اسکا نفاذ موصی کے مرئیے بعد ہو۔

## فصل دوم موصی کی قابلیت

موصی کی قابلیت وصیت کے باب میں اہل اسلام کے فرقوں میں اختلاف عظیم ہے۔ مگر سب فرقوں کے نزدیک یہ حقیقت ہے۔ یعنی آزاد ہونا وصیت کی شرط ضروری ہے۔ غلام یا مکاتب یعنی وہ غلام جس نے اپنے مالک سے اپنی قیمت دینے کا معاہدہ کر کے ایک قسم کی محدود آزادی حاصل کر لی ہو اپنی جائداد کو بذریعہ وصیت نہیں منتقل کر سکتا۔ مگر جو وصیت اس شخص نے کی ہو جسکو یہ عذر شرعی مانع وصیت ہو اسوقت جائز ہو جائیگی جبکہ اس وصیت کا نفاذ اس کے آزاد ہونے کے بعد کسی وقت پر موقوف رکھا گیا ہو۔ جو شخص کسی جرم کی علت میں قید ہو اسکو یہ عذر شرعی مانع وصیت نہیں ہے کیونکہ اسکی آزادی کا جاتا رہنا شرعاً اسکو اپنی جائداد کے انتقال سے مانع نہیں ہے اور اس کے مجرم قرار پانے سے اسکی جائداد کا مالک دوسرے شخص کو نہیں حاصل ہو جاتا برخلاف غلام کے کہ غلام مطلق ہو خواہ مکاتب ہو صرف با اختیار اپنے مالک کے جائداد پر قابض رہ سکتا ہے۔

صحیح العقل ہونا بھی ایک شرط جواز وصیت کی ہے۔ جیسا فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ یہ وصیت اس شخص کی جو کوئی فعل عمداً یا سهواً یا قصداً نہ کر سکتا ہو باطل ہے۔ لہذا وصیت مجنون یا مکاتب یا ماذون کی ناجائز ہے۔ اور اگر کوئی شخص وصیت کرنے کے وقت مجنون ہو اور بعد ازاں اسکا جنون دفع ہو جائے اور وہ مر جائے تو بھی اسکی وصیت اسوجہ سے ناجائز ہوگی کہ وصیت کرنے کے وقت وہ مجنون تھا۔

۱۵ ساٹھ صاحب کی کتاب صفحہ ۳۱۴-۱۳۵ منہ ۵۷ مکاتب وہ غلام ہے جس نے اپنے آقا سے اپنی آزادی کے باب میں کوئی قول و قرار کر لیا ہو اور ماذون وہ غلام ہے جس نے اپنے محنت کرنیکی اجازت اپنے مالک سے لی ہو۔ ۱۲ منہ



قانون انگلستان کے بموجب یہ ہے کہ جو وصیت کسی مجنون نے اس حالت میں کی ہو جبکہ اسکو جنون سے اتفاق ہو گیا ہو وہ وصیت جائز ہے۔ یعنی اگر جب کسی شخص کا حالت جنون میں پایا جانا بادی النظر میں اسکے جنون دائمی کی دلیل ہے لہذا اسکے وصیت نامہ کے باطل ہونے کی بھی دلیل ہے تاہم اس امر کے ثبوت سے مانع نہیں ہے کہ وہ وصیت نامہ جنون سے اتفاق کی حالت میں تحریر کیا گیا تھا۔ مگر شرع محمدی کا اصول ظاہر اور ہے اس واسطے کہ فتاویٰ قاضی خان کے موافق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کر نیکی بعد مجنون دائمی ہو جائے تو وہ وصیت باطل ہو جائیگی۔ لیکن اگرچہ مہینہ سے زیادہ مجنون نہ رہا ہو تو وہ وصیت باطل نہ ہو جائیگی۔

شرع میں یہ حکم ہے کہ موصی کو بالکل صحیح العقل ہونا چاہیے اور اگر کوئی شخص وصیت کر نیکی تھوڑی مدت کے بعد دیوانہ ہو جائے یا وصیت کر نیکی وقت دیوانہ ہو تو اسکی نسبت یہ قیاس کیا جائیگا کہ اپنے اس فعل کی حقیقت سمجھنے کی قابلیت قائم نہ رکھتا تھا۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص وصیت کر نیکی بعد مجنونانہ حرکتیں کرنے لگے اور بعد ازاں مجنون ہو جائے اور مرتے دم تک اسی حالت میں رہے تو وصیت باطل ہو جائیگی۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جب کوئی آدمی مجنون ہو جائے اور اسنے جنون سے اتفاق کی حالت میں وصیت کی ہو تو وہ وصیت باطل ہوگی انھیں وجوہ سے جن وجوہ سے وصیت اس شخص کی جو وصیت کر نیکی بعد مجنون ہو گیا ہو باطل ہوگی۔ مگر سوال یہ ہے کہ آیا بالکل صحیح العقل ہونا شرط ضروری جواز وصیت کی ہے۔ شرائع الاسلام میں عقل کامل کا ہونا جواز وصیت کو لازم لکھا ہے مگر جو مسائل جامع الشکات میں لکھے ہیں انکے عموماً اور حنفیہ کے مسائل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ صرف اتنی بات ضرور ہے کہ موصی اتنی عقل رکھتا ہو کہ فعل وصیت کی حقیقت سمجھ سکے۔ جب تک اس



فعل کی حقیقت سمجھنے کی لیاقت عقلی اس میں موجود رہے اور جب تک وہ اتنی عقل رکھتا ہے کہ اس وصیت کے اثر یا نتیجہ کو سمجھ سکے اس وقت تک محض مجنونانہ خیالات یا حرکات سے اس کی قابلیت وصیت نہ زائل ہو جائیگی۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ شرع محمدی کے اصول قانون انگلستان کے اصول سے اس میں مشابہت ہے کہ جو شخص کسی ایسے خط یا سفارش میں گرفتار ہو جو اس کے فہم و ادراک میں مغل ہو وہ وصیت کرنے کی قابلیت شرعی یا قانونی رکھتا ہے۔

صرف جنوں محض و مطلق ہی ازالہ قابلیت وصیت کا سبب نہیں ہے۔ بلکہ سفیہ کی وصیت بھی یقیناً باطل ہے اور جو سفارشات کبر سن یا مرض یا اور کسی سبب سے پیدا ہو وہ بھی اختیار وصیت کو زائل کر سکتی ہے۔ زوال قابلیت وصیت چند روزہ اور دائمی دونوں ہو سکتا ہے زوال چند روزہ میخواری یا بیماری یا کسی شر محذر کے استعمال سے ہو سکتا ہے اور سفیہ یا ضعیف العقل یہ داب ناجائز عمل میں لانے سے بھی یہی نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے۔

شرع محمدی میں افعال متعلقہ انتقال جائداد اس شخص کے جو ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے خوف ہلاکت ہو اور جو آخر الامر اس کی موت کا باعث ہو جائے صرف ایک اثر محدود رکھتے ہیں مثلاً اگر وہ شخص جو ایسے مرض میں مبتلا ہو یہ یا وقف کرے تو گو یہ فعل ایسا ہے جو فوراً نفاذ پذیر ہے مگر وصیت کے حکم میں ہے اور صرف وہاں تک جائز ہے جہاں تک وصیت جائز ہو سکتی ہے۔ یعنی صرف ثلث مال میں نافذ ہو سکتا ہے۔

اس میں موصی کی قابلیت وصیت یا اس کے فعل کے اختیاری ہونے کو کچھ دخل نہیں ہے بلکہ جو شخص ایسی حالت میں مبتلا ہو اس کی نسبت شرعاً قیاس کیا جائیگا کہ قابلیت تامہ انتقال بالوصیت کی نہیں رکھتا تھا۔ لہذا جو انتقالات اختیاری فوراً نفاذ پذیر ہوں جب ان کے اثر پر غور کیا جائے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ ان انتقالات کے وقوع کے وقت منتقل کنندہ کی کیا حالت تھی۔ اگر وہ اس وقت تندرست تھا تو وہ انتقالات اس کی کل جائداد



کی نسبت جائز ہیں اور اگر اسوقت وہ بیمار تھا تو وہ انتقالات اسکے صرف ثلث مال کی نسبت جائز ہیں۔ انتقالات سے وہ افعال مراد ہیں جو کسی حکم پر شامل ہیں یا جنہے کوئی حق پیدا ہو اور جو کسی قدر شرعاً وقوع میں آئے ہوں۔ اسواسطے کہ بیماری کی حالت میں قرضہ کا اقرار کر لینے سے وہ قرضہ آدمی کی کل جائداد پر عائد ہو جاتا ہے اور اسی طرح سے نکاح عالم بیماری میں کر لینے سے منکوحہ کا مہر معین ناکح کی کل جائداد پر عائد ہو جاتا ہے۔ وہ فعل جسکا نفاذ فاعل کے مرنے پر موقوف ہو گو وہ بحالت صحت نفس وقوع میں آیا ہو تو بھی صرف اسکے ثلث مال میں نافذ ہو گا جیسے کوئی شخص کہے کہ "تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے" یا "یہ چیز میرے مرنے کے بعد زید کو دی جائے" بیمار آدمی کا عتق اور محاببات اور ہبہ اور وقف اور ضمان یہ سب افعال وصیت کا حکم رکھتے ہیں اور صرف اسکے ثلث مال میں نافذ ہو سکتے ہیں جن امراض سے خوف ہلاکت خواہ مخواہ ہوتا ہے اور جنکو فقہ کی اصطلاح میں مرض الموت کہتے ہیں انکی کیفیت سابق میں مفصل بیان ہو چکی ہے مگر اس مسئلہ کی اور زیادہ توضیح اس مقام پر کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

قستانی نے فرمایا ہے کہ مرض الموت وہ بیماری ہے جو موت کا باعث ہو اگرچہ مریض اس بیماری سے صاحب فراش نہ ہو گیا ہو وہ مرض مزمن مرض الموت نہیں سمجھا جاتا جس سے مریض کو انتقال جائداد پر قدرت نہ باقی رہے اور اسکی قابلیت اپنی کل جائداد کو منتقل کرنیکی محدود ہو جائے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جب مرض مزمن ہو گیا ہو تو وہ مریض کے مزاج میں داخل ہو جاتا ہے جیسے اندھے یا لنگڑے وغیرہ کی کیفیت ہوتی ہے۔ پس مرض الموت وہ بیماری ہے جس سے خوف ہلاکت ہو اور یہ جب ہوتا ہے

۱۔ عتق کے معنی بردہ آزاد کرنا ہے اور محاببات وہ فعل ہے جس سے واہب مہربان کی رعایت سے مال بیع لینے جو جائداد فروخت ہو چکی ہے اسکی قیمت گھٹا یا بڑھا دیتا ہے۔ محاببات حبوة سے مشتق ہے۔ ۱۲۰



کہ جب مرض بڑھتے بڑھتے آخر موت کا باعث ہو جاتا ہے مگر جب ایک عرصہ تک بیماری ایک ہی حال پر رہے یا اٹھین ترقی ہو تو ایسی غیر محسوس ہو کہ مریض کو اپنی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو اور وہ اس مرض کا عادی ہو جائے تو وہ مرض الموت نہیں ہے۔ جب بیمار ہونے کے پورے برس روز کے بعد بیمار آدمی مر جائے تو جو انتقال اس نے کیا ہو وہ اس کے کل مال میں نافذ ہوگا۔ مگر جب اس عیاد سے پہلے آدمی ایسی بیماری سے مر جائے جو اکثر ہلاک ہوتی ہے اور اس بیماری کی وجہ سے وہ اپنے کاروبار معمولی سے معذور ہو گیا ہو یا اگر وہ عورت ہو تو امور خانگی کے انصرام سے معذور ہو گئی ہو تو ایسی بیماری مرض الموت سمجھی جائیگی اور جو انتقال متوفی یا متوفیہ نے کیا ہو وہ اس کے ثلث مال میں نافذ ہوگا۔ جو انتقال اس عورت نے جسکا وضع حمل قریب ہو تب عاکیا ہو اس کے ثلث مال میں نافذ ہوگا۔ اسی طرح سے اگر وہ گروہوں میں باہم لڑائی ہو اور خونریزی کی نوبت آئے اور کچھ لوگ مارے جائیں تو مرض الموت کا قاعدہ جاری ہوگا یعنی جو انتقال ان لوگوں نے لڑائی پر آمادہ ہونے کے بعد کیا ہو وہ اس کے ثلث مال میں نافذ ہوگا لکن اگر لڑائی نہ ہوئی ہو تو نہ ہوگا۔ یہی قاعدہ اس انتقال میں جاری ہوگا جو کسی شخص نے طوفان کے عالم میں کیا ہو یا اس قیدی نے کیا ہو جس کے قتل کا حکم ہو چکا ہو۔ اس مسئلہ میں شیعہ کے احکام حنفیہ کے احکام سے مشابہ ہیں مگر چند اختلافات بھی ہیں جن پر توجہ کرنا ضرور ہے۔ جو اہر الکلام میں لکھا ہے کہ وہ انتقال جائداد جو کوئی شخص مرض الموت کی حالت میں کرے دو قسم کا ہوتا ہے ایک وہ انتقال جو مؤجل ہو معجل ہو یعنی جسکا نفاذ موصی کے مرنے کے بعد کیا جائے۔ اور ایک وہ انتقال جو معجل ہو یعنی جسکا نفاذ فوراً مقصود ہو۔ پہلی قسم کا انتقال باتفاق علماء شیعہ من جمیع الوجوہ وصیت سمجھا جائیگا اور مانند اس شخص کے فعل کے تصور کیا جائے گا

۱۵ اس سارے باب میں انتقال سے ظاہر انتقال جائداد بذریعہ وصیت یا انتقال بالوصیت مراد ہے۔ ۱۲ مترجم

۱۵ رد المحتار صفحہ ۹۵ - ۱۲ - منہ



جس نے بحالت صحت نفس کوئی انتقال کر کے اسکو اپنی موت پر موقوف رکھا ہو اور جس کا نفاذ  
اسکی وفات تک نہیں ہو سکتا۔ دوسری قسم کا انتقال وہ ہے جس کا نفاذ فوراً کیا جائے  
جیسے محاببات ہے اور محاببات کے معنی یہ ہیں کہ مبادلہ اور سہبہ اور وقت اور عتق ان  
معاملات میں جو نقصان ہو جائے اس سے چشم پوشی کرنا اور فرق ثانی کی رعایت  
کرنا۔ ایسا انتقال بعض علماء شیعہ کے نزدیک موصی کی کل جائداد میں اور بعض کے  
نزدیک اسکے ثلث مال میں نفاذ پذیر ہے۔

مگر علماء کے دونوں گروہوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ اگر  
وہ شخص بیماری سے شفا پائے تو وہ انتقال خود اسکے اور اسکے ورثہ کے مقابل میں نافذ  
ہو جائیگا اختلاف صرف اس صورت میں ہے جبکہ وہ اس بیماری سے مر جائے۔

اب ان امراض کو بیان کرنا ضرور ہے جو آدمی کو ثلث مال سے زیادہ  
کا انتقال بالوصیت کرنے سے مانع ہیں۔ ہر ایک مرض کو جس سے عموماً خوف ہلاکت ہو مرض محو  
یا مرض الموت کہہ سکتے ہیں جیسے تبسب محرق یا دق یا لفت الدم یعنی خون کھو کنا وغیرہ۔  
مگر جو امراض عموماً شفا پذیر ہیں انکا ایسا اثر انتقال جائداد پر ہوتا ہے کہ گویا آدمی نے  
اسکو صحت کے عالم میں کیا ہے جیسے حمی یومیہ یا ورسر خواہ بڑھتا جائے خواہ نہ بڑھتا جائے  
یا نصف اللسان وغیرہ۔ وہ امراض جو مہلک اور غیر مہلک دونوں ہو سکتے ہیں  
ایسے ہیں جیسے تبسب سوداوی یا تھنہ یا ورم باخمی۔ مگر بہتر یہی ہے کہ مرض الموت ان  
سب بیماریوں کو سمجھنا چاہیے جو فوراً یا چند مدت کے بعد باعث ہلاکت ہوں خواہ عموماً  
خطرناک ہوں خواہ نہ ہوں۔ مگر سنگامہ جنگ میں مقاتلہ ہونا یا عورتوں کو روزہ عارض ہونا  
یا سندر میں طوفان آنا ان آفات کا اثر یہ نہیں ہوتا ہے کہ آدمی کا اختیار انتقال  
جائداد وراثت ہو جائے اس واسطے کہ ان حوادث پر لفظ مرض ہرگز نہیں صادق آتا۔

۱۵ اس مسئلہ میں حقیقہ نے شیعہ سے اختلاف کیا ہے ۱۲ منہ۔



انتقالات بالوصیت جو اس شخص نے کیے ہوں جو ایسے مرض میں مبتلا ہو جو آخر الامر اسکی ہلاکت کا باعث ہوں شرایع الاسلام میں بعبارت ذیل بیان کیے گئے ہیں۔

(الف) جب کسی مریض نے ہبہ کیا ہو اور محابات بھی کی ہو اور اسکا ثلث مال ان دونوں معاملوں کے لیے کافی ہو تو دونوں لاکلام نافذ کیے جائیں گے لیکن اگر ثلث مال اس مقدار سے کم ہو تو جو معاملہ مستوفی نے پہلے کیا ہو اسکو ترجیح دیجائے اور اسی طرح سے دیگر معاملات بھی بلحاظ تقدم و تاخر نافذ کیے جائیں گے یہاں تک کہ ثلث مال ختم ہو جائے تب جو کئی بچے وہ سب سے آخری معاملہ پر عائد کیجائے۔

(ب) جب ہبہ مؤجل اور ہبہ معجل دونوں ساتھ کیے جائیں تو ہبہ معجل کو ترجیح دیجائے اور ہبہ مؤجل بھی نافذ کیا جائے اگر ثلث مال دونوں کے نفاد کو کافی ہو لیکن اگر ثلث مال کفایت نہ کرے تو ہبہ مؤجل ثلث مال تک نافذ ہوگا اور باقی میں باطل ہوگا۔

(ج) جب مریض ایک گرسے زیادہ غلہ نہ رکھتا ہو۔ اور اسکی قیمت چھ دینار ہو اور اسکو بہ معاوضہ ایک گرسے کے جو اس سے بدتر ہو اور جسکی قیمت دو دینار ہو بیع کرے تو یہ معاملہ محابات ہے اور اس سے جو نقصان ہوا ہے وہ اسکی کل جائداد کا ایک نصف ہے حالانکہ اسکو ایک ثلث سے زیادہ کی نسبت یہ معاملہ کرنا شرعاً نہیں جائز تھا لہذا مشتری کو لازم ہے کہ ایک سدس اسکا اسکے ورثہ کو واپس کر دے مگر اسمین ربوا یعنی سود ہو جائیگا۔ پس اس معاملہ کو شرعاً جائز کر دینے کے لیے ضرور ہے کہ مشتری بائع کے ورثہ کو ایک ثلث انکے اچھے غلہ کا واپس کر دے تب ان ورثہ کے پاس دو ثلث اسکے رہ جائیں گے جنکی قیمت دو دینار ہے اور مشتری پاس بھی دو ثلث رہ جائیں گے جنکی قیمت چار دینار ہے پس صرف دو دینار یا ایک ثلث چھ کا (یعنی کل جائداد کا) زیادہ رہیگا اور یہی وہ مقدار ہے جسکو بائع مرض الموت کی حالت میں



شرعاً منتقل کر سکتا تھا۔

(۵) اگر کوئی مریض اپنے دوسرے روپیہ کی چیز سو روپیہ کو بیچ ڈالے اور

بعد اُسکے اُس مرض سے اچھا ہو جائے تو اس معاہدہ کی پابندی اُسکو یقیناً واجب ہے۔

لکن اگر وہ مریض اور اُسکے بعد ورثہ اس بیچ سے راضی نہ ہوں تو یہ معاملہ وہاں تک جائز

ہوگا جہاں تک اُس چیز کا ایک نصف اس قیمت کے مقابل ہو جو اُس نے فی الواقع دی ہے۔

یعنی چھ مین سے تین اور یہ محابات دوسدس یا چھ کے ایک ثلث مین جائز ہے اور

یہ دو وزن ملا کر اُس چیز کے پانچ سدس کے برابر ہوے پس اس مقدار تک تو یہ بیچ جائز

ہے اور صرف ایک سدس جو باقی رہ گیا ہے اُسکے نسبت ناجائز ہے لہذا وہ ورثہ کو واپس

کر دینا چاہیے۔ مگر شری کو اختیار ہے کہ چاہے اُس بیچ کو اسوجہ سے فسخ کرے کہ اُسکا

صرف ایک جزء جائز تھا یا اُسکا پابند رہے اور اگر وہ اُسکی پابندی اختیار کر کے بائع

کے ورثہ کو اُس چیز کے ایک سدس کا معاوضہ دیدے تو اُنکو بھی اُسکے لینے نہ لینے کا اختیار

ہے کیونکہ اُنکا حق اُس چیز کے عین مین موجود ہے۔“

ان احکام کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب کوئی شخص مرض الموت کی حالت مین

انتقال بالوصیت کرے تو وہ جائز ہے بشرطیکہ وصیت کرنے کے وقت موصی کے

ہوش و حواس درست ہوں اور یہ فعل اُسکا اختیاری ہو اضطراری یا جبری نہ ہو۔ جس

فعل کا نفاذ فوراً مقصود ہو یعنی فعل معجل وہ بھی بطور وصیت کے نافذ ہوگا۔

مگر وہ انتقال جو مرض الموت کی حالت مین یا موت کے خیال سے

تبرعاً کیا گیا ہو اسمین اور کسی دین کا اقرار کرنے مین بڑا فرق ہے۔ چنانچہ ہدایہ مین لکھا ہے

کہ وجوب کوئی شخص اپنی جائداد کے باب مین کوئی فعل اختیاری معجل عمل مین لائے

(جو فوراً نفاذ پذیر ہو اور اُسکی وفات پر موقوف نہ ہو)۔ اور اُس فعل کو بحالت صحت نفس

عمل مین لائے تو وہ فعل اُسکی کل جائداد مین نافذ ہوگا اور جب کوئی شخص ایسا فعل عمل مین



لا کر اُسکا نفاذ اپنے مرنے پر موقوف رکھے تو وہ اُسکے ثلث مال میں نافذ ہو گا خواہ وہ اُسوقت بیمار ہو خواہ تندرست ہو۔ مگر برخلاف اِسکے اگر کوئی شخص دین یا قرضہ کا اقرار کرے تو وہ اقرار اُسکی کل جائداد میں نافذ ہو گا اگرچہ اُسے بیماری کی حالت میں کیا ہو کیونکہ وہ فعل تبرعاً یا رعایتاً نہیں کیا گیا ہے۔ تاہم اِس قسم کا اقرار جو حالت صحت میں کیا گیا ہو اسی قسم کے اقرار پر جو حالت مرض میں کیا گیا ہو مقدم رکھا جائے گا۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وہ مرض جس سے آدمی شفا پائے شرعاً صحت کا حکم رکھتا ہے۔

دو اگر کوئی مریض قرضہ کا اقرار کسی غیر عورت کے باب میں کرے یا اُسکے باب میں وصیت کرے یا کوئی چیز اُسکو ہبہ کرے اور بعد ازان اُس سے نکاح کرے اور پھر مر جائے تو وہ اقرار صحیح ہے مگر وہ وصیت یا ہبہ باطل ہے اس واسطے کہ بطلان اُس اقرار کا جو کسی وارث کے باب میں کیا گیا ہو اُس پر موقوف ہے کہ وہ شخص وہ اقرار کرنے کے وقت وارث ہو مگر بطلان اُس وصیت کا جو کسی وارث کے باب میں کی گئی ہو اُس پر موقوف ہے کہ موصی نہ موصی کی وفات کے وقت اُسکا وارث ہو جیسا سابق میں بیان کیا گیا اور چونکہ وہ عورت اُس اقرار کے وقت اُس شخص کی وارث نہ تھی بلکہ اُسکے مرنے کے وقت بسبب نکاح کے اُسکی وارث ہو گئی تھی لہذا وہ اقرار صحیح ہے مگر وہ وصیت باطل ہے اور اسی طرح سے وہ ہبہ بھی باطل ہے کیونکہ وصیت اور ہبہ کا ایک ہی حکم ہے۔

اگر کوئی مریض اپنے بیٹے کے باب میں قرضہ کا اقرار کرے یا اُسکو ہبہ یا وصیت اُسوقت کرے جبکہ وہ نصرانی ہو اور وہ (بیٹا) بعد ازان اپنے باپ کی وفات کے پیشتر مسلمان ہو جائے تو وہ اقرار اور ہبہ اور وصیت سب باطل ہیں وصیت اور ہبہ تو اس سبب سے باطل ہے کہ وہ بیٹا اپنے باپ کی وفات کے وقت اُسکا



وارث نہ تھا جیسا سابق میں بیان کیا گیا اور اقرار دین اسوجہ سے باطل ہے کہ اگرچہ وہ بیٹا  
نصرانی ہونے کی وجہ سے اس اقرار کے وقوع کے وقت اپنے باپ کا وارث نہ تھا (کیونکہ کفر مانع  
ارث ہے) تاہم سبب وراثت یعنی نسب تو اسوقت موجود تھا جس سے اسکے باپ پر یہ شبہ  
ہو سکتا ہے کہ اسنے جھوٹا اقرار اسلیے کر دیا تھا کہ اسکے مال کا ایک جز اسکے بیٹے کو مل سکے۔  
مگر نکاح کی اور صورت ہے جیسا سابق میں بیان کیا گیا کہ اسمین سبب وراثت نکاح تھا  
اور وہ اس اقرار کے بعد واقع ہوا تھا اسکے قبل نہ واقع ہوا تھا کیونکہ فرض کیجیے کہ وہ  
نکاح اقرار کرنے کے وقت موجود تھا اور اسوقت زوجہ نصرانیہ تھی مگر بعد ازاں اپنے  
شوہر کی وفات کے پیشتر مسلمان ہو گئی تو اس صورت میں وہ اقرار ناجائز ہوگا۔

اگر کوئی مریض اپنے بیٹے سے جو غلام محض یا مکاتب ہو قرضہ  
کا اقرار کرے یا اسکو ہبہ یا وصیت کرے اور باپ کے مرنے کے بعد بیٹا آزاد کر دیا جائے  
تو اس صورت میں انمین سے کوئی فعل بھی جائز نہیں ہے۔ اسکے وجوہ مثال مذکورہ بالا  
میں بیان ہو چکے ہیں۔

اسی طرح سے قاضی خان نے فرمایا ہے کہ اگر مریض کسی غیر  
عورت سے قرضہ کا اقرار کرے یا اسکے نام ہبہ یا وصیت کرے بعد ازاں اس سے  
نکاح کر کے مر جائے تو وہ اقرار ہمارے (حنفیہ) کے نزدیک جائز ہے مگر وصیت اور ہبہ  
باطل ہے۔ اور جب مریض نے اپنے بیٹے کے نام وصیت کی ہو یا ہبہ مع الاقباض یا اقرار  
دین کیا ہو اور وہ بیٹا اسوقت کافر یا غلام ہو اور بعد ازاں اپنے باپ کی وفات کے  
قبل مسلمان یا آزاد ہو جائے تو انمین سے ہر فعل باطل ہے۔

مگر جب کسی خاص رقم یا کسی چیز کا اقرار نہ کیا ہو تو اسکا نفاذ ثلث  
مال میں کیا جائیگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص مرض الموت کی حالت میں اپنے ورثہ سے کہے کہ  
میں زید کا قرضدار ہوں اور جو کچھ وہ کہے تم اسکا اعتبار کرنا تو اس صورت میں



زید کا دعویٰ کسی مقدار پر جو ثلث مال سے زائد نہ ہو تسلیم کر لیا جائے گا اگرچہ ورثہ بھی اس کا دعویٰ کریں۔ قول راجح یہی ہے۔

اسی طرح سے اگر موصی اپنے ورثہ سے کہے کہ یہ اگر زید تمہارے پاس آکر کسی چیز کا دعویٰ مجھ پر کرے تو اس کو وہ دے دینا چاہیے اس کی مقدار جو ہو۔ تو یہ اقرار بقدر ثلث مال تسلیم اور نافذ کیا جائیگا اور چونکہ یہ اقرار بمنزلہ وصیت ہے لہذا زید کا دعویٰ مقرر کے ثلث مال سے زیادہ میں نہیں نافذ ہو سکتا۔ پس اگر اس اقرار کے علاوہ موصی نے اور چند وصایا چند اشخاص کے نام کیے ہوں تو اس کے مال کا ایک ثلث موصی الہم لیے اور دو ثلث ورثہ کے واسطے رکھا جائیگا۔ اور موصی الہم اور ورثہ سے پوچھا جائیگا کہ موصی نے زید کے باب میں کیا کہا تھا۔ اگر وہ کچھ عین یا قرضہ کو تسلیم کر لیں تو وہ مقرر کے مال و اسباب سے بقدر حصص ورثہ و موصی الہم کے ادا کیا جائیگا اور البقیہ کہا جائیگا کہ جہاں تک مناسب سمجھیں وہاں تک زید کے دعویٰ کی تصدیق کریں۔ پس اگر ورثہ اور موصی الہم دونوں اقرار کریں کہ زید کا کچھ قرض ہے تو پھر ظاہر ہے کہ موصی کی جائداد پر ایک دین ہے جس کا اثر ان دونوں کے حصہ پر پہنچتا ہے اور جب یہ ہوا تو اس سے یہ لازم آیا کہ اگر زید اس سے زیادہ کا دعویٰ کرے جتنا ورثہ اور موصی الہم تسلیم کریں اور موصی کے اقرار غیر معین کے سواے زید اور کوئی ثبوت اپنے دعویٰ کا نہ رکھتا ہو تو ورثہ اور موصی الہم کا بیان باین مضمون کہ ہمارے علم و یقین میں اس سے زیادہ زید کا قرضہ نہیں ہے یقین کیا جائیگا اور اُن کو حلف کر نیکی تکلیف نہ دی جائیگی کیونکہ اُسے حلف اس مقدمہ میں نہ لینا چاہیے جو صرف مدعی اور مقرر کے درمیان ہوا ہے اور جس میں وہ کوئی فریق نہیں ہیں۔

اگر کوئی شخص کسی چیز کی وصیت اپنے کسی وارث اور غیر شخص کو



بالاشتراك کرے تو اس صورت میں وارث کے نام تو وصیت صحیح نہیں ہے البتہ صرف نصف مال وصیتی اس شخص کو دیا جائے گا اس واسطے کہ چونکہ وارث بھی ایک موصی ہے لہذا اس غیر آدمی کے اس حق کا مانع ہے جو اسکو کل مال وصیتی میں حاصل ہوتا۔ مگر یہ اس صورت میں نہ ہوگا جبکہ وصیت ایک زندہ اور ایک مردہ کے نام کی ہو کیونکہ اس صورت میں چونکہ مردہ مال وصیتی نہیں لے سکتا لہذا وہ سارا مال اس زندہ کو ملیگا۔

صغیر یا نابالغ کی قابلیت انتقال بالوصیت کے باب میں فرق اسلام میں اختلاف عظیم ہے شیعہ کے نزدیک عقل کامل اور آزادی جواز وصیت کو لازم بلکہ الزم ہے اور وصیت مجنون یا صبی کی جبکاسن دس برس سے کم ہو نہیں جائز ہے۔ مگر جب اسکی عمر دس برس کی ہو جائے تو قول مشہور راجح یہی ہے کہ وہ جملہ انتقالات بالوصیت مقاصد مباح کے لیے اپنے اقرباء اور غیروں پر کر سکتا ہے بشرطیکہ رشید و ذی شعور ہو۔ اس مسئلہ میں شافعیہ اور مالکیہ نے عموماً شیعہ سے اتفاق کیا ہے۔ شافعیہ کے نزدیک صبی شرعاً وصیت کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنے اس فعل کی حقیقت سمجھنے کی قابلیت رکھتا ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب موصی کی قابلیت وصیت کا قیاس ہو سکے تو اسکی عمر کے باب میں کوئی سخت حکم شرع کا نہیں ہے۔ مالکیہ کے نزدیک بھی نابالغی فی نفسه مانع شرعی وصیت کا نہیں ہے مگر اس فرقہ کے علماء میں نابالغ کی وصیت کے باب میں اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ بعض علماء مالکی کا یہ قول ہے کہ صرف وہ وصیتیں نابالغ کی جائز ہیں جو امور مذہبی کے باب میں کی ہوں اور بعض کا یہ قول ہے کہ نابالغ کے حق وصیت کو ایسے امور پر محدود نہ کرنا چاہیے بلکہ تمام وصایا پر حاوی کرنا چاہیے بشرطیکہ ان وصایا میں باہم منافات نہ معلوم ہو اور وہ نابالغ اتنی عقل رکھتا ہو کہ اپنے اس فعل کی خاصیت کو سمجھ سکے۔



مگر حقیقہ کے نزدیک یہ ہے کہ جو لڑکا حد بلوغ کو نہ پہنچا ہو وہ عقل و شعور  
 نہیں رکھتا ہے لہذا وصیت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ملحق الا بجا رہیں صاف لکھا ہے کہ جو از  
 وصیت چند شرط پر موقوف ہے جن میں سے ایک شرط یہ ہے کہ موصی کو بالغ ہونا چاہیے  
 اور فتاوا کے عالمگیری میں بھی لکھا ہے کہ "ہمارے نزدیک جو وصیت نابالغ نے کی ہو  
 خواہ وہ مراہق ہو خواہ ننوا جائز ہے۔ اور اس میں کچھ فرق نہیں ہے کہ اس لڑکے کو  
 سوداگری کرنیکی اجازت دی گئی ہو خواہ نہ دی گئی ہو اور وہ خواہ قبل بلوغ خواہ بعد بلوغ  
 مرجائے۔ اسی طرح سے اگر وہ مکے کے اگرین بالغ ہو جاؤں تو میرے مال کا ایک ٹلٹ  
 فلان شخص کو ملے۔" تو یہ وصیت بھی اسوجہ سے ناجائز ہے کہ وہ اسوقت اسکی قابلیت  
 شرعیہ نہ رکھتا تھا یعنی نابالغ تھا۔ ردالمحتار میں لکھا ہے کہ "وصیت نابالغ کی  
 نہیں جائز ہے گو وہ رشید یا ذی شعور ہو مگر وہ وصیت جو وہ اپنی تجنیز و تکفین کے  
 مصارف کی باب میں کرے۔ جیسا حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے منقول ہے کہ مراہق اپنی  
 تجنیز و تکفین کے باب میں وصیت کر سکتا ہے۔ ہدایہ میں اس اختلاف کو مفصل بیان کیا  
 جو اس مسئلہ میں حقیقہ اور شافعیہ میں ہے۔ نابالغ کی وصیت نہیں جائز ہے مگر امام شافعی  
 نے فرمایا ہے کہ اسکی وصیت اس شرط سے جائز ہے کہ کسی معقول اور مناسب امر کے لیے  
 کیجائے اسواسطے کہ حضرت عمر نے ایک صبی کی وصیت کو جائز رکھا اور نیز اسواسطے کہ اس  
 وصیت کی تعمیل سے اس لڑکے کو ثواب ہوگا اور اسکی تنسیخ سے اسکو کچھ ثواب نہ ہوگا ہمارے  
 علماء (حقیقہ) نے دو دلیلیں اپنے قول کی تائید میں لکھی ہیں۔ ایک دلیل یہ ہے کہ وصیت  
 ایک فعل اختیاری ہے جسکا حسن و قبح سمجھنے کی قابلیت نابالغ نہیں رکھتا ہے۔ دوسری  
 دلیل یہ ہے کہ نابالغ کا قول واجب العمل نہیں ہے لکن اگر اسکی وصیت کا جواز  
 تسلیم کر لیا جائے تو اسکے قول پر عمل کرنا پڑے گا۔ اور حضرت عمر سے جو روایت

۱۱۲۔ منہ



لکھی ہے اس میں لفظ صبی سے وہ شخص مراد ہے جو ابھی ابھی بالغ ہوا ہو یا صبی کی وصیت سے  
 فقط وہ وصیت مقصود ہے جو اس نے اپنے دفن و کفن کے باب میں کی ہو اور یہ ہمارے  
 علماء کے نزدیک جائز ہے۔ قطع نظر اسکے صبی کی وصیت کا باطل ہونا خود اس صبی کے  
 حق میں مفید ہے کیونکہ جب اس کا مال اسکے ورثہ کو ملیگا تو حقوق قرابت باقی رہیں گے اور رشتہ  
 محبت قائم رہیگا جیسا سابق میں بیان کیا گیا۔ اور یہ جو امام شافعی نے فرمایا ہے کہ نابالغ  
 کی وصیت کی تعمیل سے اس کا فائدہ متصور ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی امر میں نفع  
 یا نقصان متصور ہو تو غور طلب یہ بات ہے کہ اس فعل کا نتیجہ فوری کیا ہوگا نہ یہ کہ انجام کار  
 اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ یعنی اگر اس فعل سے فی نفسہ کوئی فائدہ فوری ہو تو اس کو نابالغ کے  
 خاطر عمل میں لانا بہتر ہے مگر ماخوذ فیہ میں یعنی جس مسئلہ کی تحقیق اس مقام پر ہو رہی ہے  
 اس میں اس فعل (یعنی وصیت) کا نتیجہ فوری یہ ہے کہ نابالغ کے مال کا نقصان ہوتا ہے  
 گو آخر میں اس کو کچھ فائدہ ہو یعنی اس نے بہ نیت ثواب یا بخرص تقرب الہی وصیت کی ہو اور  
 جب نابالغ کی وصیت کا نتیجہ فوری نقصان ہوا تو وہ ناجائز ہو گئی۔ جیسا طلاق میں  
 ہوتا ہے کہ اگر کوئی نابالغ اپنی زوجہ کو طلاق دے یا اس کا ولی اس کی طرف سے  
 طلاق دے تو وہ طلاق واجب العمل نہیں ہے اگرچہ اکثر اوقات طلاق سے فائدہ ہوتا ہے  
 جیسے مثلاً کسی نابالغ کی زوجہ غریب ہو اور اس کو طلاق دے کر وہ اپنی کسی رشتہ کی بہن  
 سے جو متمول اور خوبصورت ہو اپنا عقد کرنا چاہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے علماء کے  
 نزدیک نابالغ کی وصیت ناجائز ہے۔ اسی طرح سے اگر کوئی نابالغ وصیت کرے اور پھر  
 بالغ ہونے کے بعد مرجائے تو ایسی وصیت بھی ناجائز ہے کیونکہ اس وقت ہوائی تھی جبکہ  
 موصی اس فعل کی قابلیت نہ رکھتا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر کوئی نابالغ یہ وصیت کرے  
 کہ میری وصیت یہ ہے کہ جب میں سن بلوغ کو پہنچوں اس وقت میرے مال کا ایک ثلث  
 فلان شخص کو دیا جائے تو ایسی وصیت بھی ناجائز ہے اس واسطے کہ جب نابالغ



وصیت کر سنے کے قابل نہیں ہے تو نہ ایسی وصیت کر سکتا ہے جسکا نفاذ فوراً کیا جاسکے اور نہ ایسی وصیت کر سکتا ہے جسکا نفاذ زمانہ آئندہ پر موقوف ہو جس طرح سے وہ طلاق دینے یا آزاد کرنے کے قابل نہیں ہے۔ مگر غلام محض اور مکاتب کی اور صورت ہے کیونکہ وہ قابلیت تامہ رکھتے ہیں جس میں سے صرف انکے مالک کا حق خارج ہے لہذا انکے کل افعال (جیسے طلاق وصیت وغیرہ) بالکل جائز ہیں بشرطیکہ اس زمانہ پر موقوف رکھے جائیں جبکہ وہ ملغ شرعی (یعنی انکے مالک کا حق) نہ باقی رہے جیسے کوئی غلام کہے کہ میں زوجہ کو طلاق دیتا ہوں جسوقت میں آزاد ہو جاؤں۔“

پس شرع حنفی کے احکام کا محصل و مفاد یہ ہے کہ جو اہل کاسن بلوغ کو نہ پہونچا ہو وہ اپنے مال کو بذریعہ وصیت منتقل کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا ہے۔ اور سابق میں مفصل بیان ہو چکا ہے کہ بموجب ایکٹ بلوغ (ایکٹ ۹ و ۱۰) سن بلوغ کیا ہے مگر جب نابالغ بعد بلوغ اپنی وصیت کی تصدیق کر دے یا اسکو بحال رکھے تو وہ ابتداء ہی سے جائز ہو جائیگی۔

جس شخص کو کسی جرم کی علت میں سزائے موت کا حکم ہوا ہو اسکے باب میں کوئی ایسا حکم شرع نہیں ہے جس سے وہ اختیار وصیت سے محروم ہو جائے جو سپاہی کسی لڑائی میں مصروف ہو اور جو شخص عالم مسافرت میں ہو اور اپنی جائداد سے دور ہو بلکہ ہر شخص جو صحیح عقل اور آزاد ہو خواہ مرد ہو خواہ عورت شرعاً وصیت کر سکتا ہے۔

اختلاف مذہب مانع انتقال بالوصیت نہیں ہے۔ چنانچہ ملتقی الابحار میں صاف لکھا ہے کہ یہ موصی اور موصی لہ میں اختلاف مذہب جواز وصیت کا مانع یا مبطل وصیت نہیں ہے۔ لہذا مسلمان غیر مسلم پر (بشرطیکہ حر ہے) انتقال بالوصیت کر سکتا ہے اور غیر مسلم بھی مسلمان پر ایسا انتقال کر سکتا ہے۔ جو وصیت اس مسلمان نے

۱۔ اس مسئلہ میں شافعیہ نے اختلاف کیا ہے ۱۲۔ منہ



کی ہو جو بعد ازان مرتد ہو گیا ہو اس کے جواز میں فرقہ کے اسلام میں اختلاف ہے۔ مالکیہ کے نزدیک ارتداد بطل وصیت ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ مرتد کی وصیت اُس وقت جائز ہو جائیگی جبکہ وہ اُس فرقہ کے نزدیک جائز ہو جس فرقہ کا مذہب اُس نے اسلام ترک کر کے قبول کیا ہے۔

اگر کوئی مسلمان نصرانی یا یہودی یا مجوسی ہو جائے اور بعد اُس کے کسی قسم کا انتقال بالوصیت کرے تو وہ انتقال جو اگر کوئی مسلمان کرتا تو جائز ہوتا اُس وقت تک معطل رکھا جائیگا جب تک کہ وہ پھر اسلام قبول کرے یا قتل کیا جائے یا خود اپنی موت سے مر جائے یا دار الحرب میں جا کر سپاہ لے اور وہ انتقال جو اگر کوئی مسلمان کرتا تو جائز ہوتا امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ صاحبین کے نزدیک مرتد کے افعال بالفعل جائز اور نفاذ پذیر ہیں پس جو فعل اُس فرقہ کے نزدیک جائز ہے جس کا دین اُس نے اختیار کیا ہے وہ اب بھی جائز ہے اور اگر وہ وصیت اُس فرقہ کے نزدیک فعل حسن ہو مگر ہمارے (مسلمانوں) کے نزدیک فعل قبیح ہو تو بھی وہ وصیت صحیح ہے اگرچہ اُن اشخاص کے باب میں کی ہو جن کی موصی نے کچھ تعین نہ کی ہو۔ جب کوئی عورت مرتد ہو جائے تو اُسکی وصیت بھی وہاں تک جائز ہے جہاں تک وصیت اُس فرقہ کی جس کا دین اُس نے اختیار کیا ہے جائز ہو سکتی ہے اس واسطے کہ عورت ارتداد کی علت میں مستوجب قتل نہیں ہے۔

ایک اور شرط ضروری انتقال بالوصیت کے جواز کی یہ ہے کہ موصی مال وصیتی کا مالک ہو یا اُس کا مستحق ہو اگر اُس مال میں اُس کا کوئی حق ہو مگر جب مال وصیتی اُس موصی کا مالک ہو جو پیر قرضہ کا بار اس قدر ہو۔

۱۔ بیلی صاحب کی شرح حنفی صفحہ ۶۷۵۔ منہ۔ ۱۵۷ فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۳۸۱۔ بیلی صاحب کی شرح  
محدی صفحہ ۶۷۵۔ رد المحتار صفحہ ۶۷۳ ہدایہ صفحہ ۵۳۷۔ منہ ۱۵۷ ساطیر صاحب کی کتاب صفحہ ۳۲۔ منہ۔



کہ اسکا قرضہ اسکی جائیداد سے زیادہ ہو تو انتقال بالوصیت نافذ نہ کیا جائے گا تاوقتیکہ قرضخواہ اس جائیداد کو اپنے قرضہ سے بری نہ کر دین

اس باب میں شیعہ کے اقوال شرایع الاسلام میں یہ لکھے ہیں کہ دو جب وہ شخص جو مقروض ہو اپنے غلام کو آزاد کر نیکی وصیت کرے اور اس غلام کی قیمت مقدار قرضہ کے دو چند ہو تو وہ غلام آزاد کیا جائے گا مگر اسکو چاہیے کہ اپنی قیمت کے پچھلے کے معاوضہ میں کام کرے لکن اگر اس غلام کی قیمت موصی کے قرضہ سے کم ہو تو وہ وصیت ناجائز ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ قرضہ وصیت پر مقدم ہے لہذا اسکو پہلے ادا کرنا چاہیے اور قرضہ ادا کرنے کے بعد جو کچھ باقی رہے صرف اسکے ثلث میں سے وہ غلام آزاد ہو سکتا ہے۔ مگر جب کوئی شخص مرض الموت میں کوئی غلام تبرعاً آزاد کرے تو اسکا حکم اور ہے یعنی اس صورت میں حکم شرع اس فیصلہ پر مبنی ہے جو عبد الرحمن سے روایت ہے

۱۵ فتاویٰ عالمگیری میں اس اصول کو اس طرح بیان کیا ہے کہ دو جب کوئی شخص وصیت کرے مگر اسقدر مقروض ہو کہ اسکی ساری جائیداد قرضہ میں مستغرق ہو تو وہ وصیت نہیں جائز ہے تاوقتیکہ قرضخواہ اس جائیداد کو قرضہ سے بالکل بری نہ کر دین اس عبارت سے ظاہر ہے کہ جس طور سے یہ اصول فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے اُس میں اور اس بیان میں جو اس کتاب کے متن میں لکھا ہے بلحاظ محتاج کے فرق ہے۔ اور پہلی صواب کے ترجمہ انگریزی ہدایہ میں یہ فرق اور زیادہ ظاہر ہو گیا ہے۔ پہلی صاحب کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نہایت مقروض ہو اور وصیت کرے تو وہ وصیت ناجائز اور غیر مؤثر ہے اسواسطے کہ دیون وصایا پر مقدم ہیں اور قرضہ ادا کرنا فرض عین ہے مگر وصیت ایک فعل اختیاری اور رعایتی ہے اور جو چیز الزم ہو اسکا خیال پہلے کرنا چاہیے۔ لکن اگر متوفی کے قرضخواہ اپنا قرضہ معاف کر دین تو اسوقت اسکی وصیت جائز ہے کیونکہ وصیت کا مانع شرعی جاتا رہا ہے اور موصی مال وصیتی کا محتاج سمجھا گیا ہے مگر تمام کتب فقہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلافات بالوصیت ان لوگوں کے مقصود ہیں جنہر قرضہ کا بار اس قدر ہو کہ اُنکے وصایا کی تعمیل کی گنجائش نہ ہو جسکو عربی میں ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے کہ قرضہ میں مستغرق



کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

وصیت ہر امر کی جائز ہے جو شرعاً مباح ہو اور موصی کے مرنے کے بعد نافذ ہو سکے۔ مگر یہ اصول چند قیود سے مفید ہے جنکی تحقیق کرنا ضرور ہے قبل اسکے کہ اس میں بحث کی جائے کہ کن اشخاص کے واسطے شرعاً وصیت ہو سکتی ہے۔

(۱) وصیت اُس شخص کے حق میں کرنا جو موصی کی ہلاکت کا باعث

عہد ہو اور سب فرقوں کے نزدیک ناجائز ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک اُس شخص کے

حق میں بھی وصیت نہیں جائز ہے جس نے موصی کو سہواً یا اتفاقاً مار ڈالا ہو مگر یہ کہ قاتل

نا بالغ یا مجنون ہو۔ اور وہ وصیت بہر کیف ناجائز ہے خواہ قبل قتل خواہ بعد قتل وقوع

میں آئی ہو۔ لیکن اگر مقتول کے ورثہ راضی ہو جائیں تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک

وہ وصیت جائز ہوگی مگر امام ابو یوسف کے نزدیک تب بھی ناجائز رہے گی۔ جب موصی کہ صغیر

یا مجنون ہو اور اُس نے موصی کو مار ڈالا ہو تو اُس کے ورثہ کی رضامندی جواز وصیت کی شرط

نہیں ہے۔ رد المحتار میں لکھا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

کہ قاتل کے حق میں وصیت نہیں ہو سکتی کیونکہ اُس نے اس واقعہ کو جلد واقع کیا ہے

جس کو خدا موقوف رکھتا۔ لہذا وصیت قاتل کے حق میں ناجائز ہے خواہ قبل خواہ

بعد قتل کی گئی ہو کیونکہ اس حدیث میں تعلیم ہے۔ یہ قول زبیدی کا ہے۔ اس واقعہ کو جلد

واقعہ کرنے سے یہ مراد ہے کہ قاتل کا فعل مقتول کی موت کا سبب فوری ہوا ہے ورنہ اہل حق

کا یہ اعتقاد ہے کہ موت تو ضرور ہی بہر حال آتی۔ اگر کوئی شخص کسی کو فقط زخمی کرے

تو وصیت اُس شخص کے حق میں ناجائز نہ ہوگی۔ جس نے اُس کو زخمی کیا ہے کیونکہ وہ

قاتل نہیں ہے۔ جب کوئی شخص کسی کو مار ڈالے تو اُسکی وصیت سے محروم ہو جاتا ہے

خواہ اُس کو عہد مار ڈالا ہو خواہ سہواً یا اتفاقاً مثلاً اگر کوئی شخص کنواں کھودے

اور جس نے اُس کے حق میں وصیت کی ہو وہ اس میں گمراہ ہے تو موصی کہ اُس



وصیت سے محروم ہو جائیگا۔

امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک قاتل کے حق میں وصیت اسوقت جائز ہے جبکہ موصی مقتول کے ورثہ راضی ہو جائیں۔ مگر امام ابو یوسف نے اس میں اختلاف کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر ورثہ راضی ہو جائیں تو بھی وصیت قاتل کے حق میں مطلقاً باطل ہے۔ ایک عالم کا قول ہے کہ جو وصیت قبل قتل کی گئی ہو وہ سب کے نزدیک باطل ہے گو مقتول کے ورثہ راضی ہو جائیں۔

مالکیہ کے نزدیک موصی کو اپنے قتل کا جرم معاف کر دینے کا اختیار ہے پس اگر زخم کاری لگنے کے بعد وہ اس شخص کے باب میں وصیت کرے جسے اسکو زخم

لگتا دے مالگیری میں لکھا ہے کہ دو وصیت اس شخص کے باب میں نہیں جائز ہے جو موصی کو عمداً یا سہواً یا اتفاقاً قتل کرے خواہ وصیت قبل خواہ بعد قتل کی ہو۔ لیکن اگر مقتول کے ورثہ راضی ہو جائیں تو وہ وصیت امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے۔ اور اگر قاتل نابالغ یا مجنون ہو تو اسکے باب میں وصیت بغیر رضامندی ورثہ مقتول جائز ہے یا اگر خود قاتل اکیلا وارث ہو تو اسکے باب میں بھی امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک وصیت جائز ہے۔ قاتل کے مکاتب یا مدبر یا اتم الولو کے حق میں بھی بلا رضامندی ورثہ مقتول وصیت ناجائز ہے۔

ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کے حق میں وصیت کرے جسے اسکو زخم کاری لگایا ہو تو وہ وصیت ناجائز ہے خواہ قاتل مقتول کا وارث ہو خواہ کوئی غیر شخص ہو اور خواہ اسے اسکو عمداً خواہ سہواً اتفاق سے زخمی کیا ہو بشرطیکہ وہ فی الواقع اس جرم کا مرتکب ہوا ہو اسواسطے کہ اس وقت میں وارث ہوا ہے کہ قاتل کے لیے وصیت نہیں ہے اور چونکہ جس شخص نے زخم لگایا ہے وہ موصی کی موت میں عجلت کا باعث ہوا ہے لہذا اسکی سزا یہی ہے کہ اسکی وصیت سے مستفید نہ ہو سکے بشرط قاتل مقتول کے ترکہ سے محبوب ہے۔ علیٰ هذا القیاس جب کوئی شخص کسی کے باب میں وصیت کر چکا ہو اور موصی لہ موصی کو مار ڈالے تو وصیت باطل ہو جائیگی۔ لیکن اگر ان صورتوں میں مقتول کے ورثہ راضی ہو جائیں تو امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک وہ وصیت جائز ہو جائیگی۔ مگر امام ابو یوسف کے نزدیک نہیں جائز ہے اسواسطے کہ قاتل کا جرم جو موجب ابطال وصیت ہے تب بھی باقی رہیگا۔ قول اولیٰ حنفیہ کے نزدیک قول مختار ہے۔ ۱۲ منہ



کیا ہے تو یہ قیاس کیا جائے گا کہ اُسے گناہ کو معاف کیا ہے اور وہ وصیت جائز ہو جائیگی۔

شیعہ کے نزدیک قاتل کے حق میں وصیت اس وقت باطل ہے جبکہ اُسے موصی کو عداقت کر ڈالا ہو۔ اور حنفیہ کے نزدیک اگر قاتل اکید وارث موصی مقتول کا ہو تو بقول امام اعظم اور امام محمد اُس کے حق میں وصیت جائز ہوگی اور بقول امام ابو یوسف ناجائز ہوگی۔

اگرچہ خود قاتل کے حق میں وصیت ناجائز ہے مگر اُس کے والدین اور اولاد اور اجداد اور ذریعات کے باب میں وصیت جائز ہے۔  
(۲) سب فرقوں کے نزدیک ایک وارث کے حق میں بلا رضا مندی دیگر ورثہ وصیت کرنا نہیں جائز ہے۔

ردالمحتار میں لکھا ہے کہ یہ غیر آدمی کے حق میں بقدر ثلث مال موصی وصیت جائز ہے مگر موصی کے مرنے کے بعد اس سے زیادہ مقدار کی وصیت بھی بہ رضا مندی ورثہ جائز ہو سکتی ہے۔ اگر موصی کی حیات میں اُس کے ورثہ راضی ہو جائیں تو وہ رضا مندی بیکار اور غیر موثر ہے بلکہ ورثہ کی رضا مندی اس وقت معتبر ہوگی جبکہ موصی کی وفات کے بعد طاهر کیجائے اور ورثہ خود بالغ و عاقل ہوں۔ ورثہ کی رضا مندی قبل وفات موصی اس وجہ سے غیر موثر ہے کہ انکو حق وراثت اُس کے وفات تک نہیں حاصل ہوتا۔ جب ورثہ راضی ہو جائیں تو ہمارے (حنفیہ) کے نزدیک موصی لہ اپنا حق موصی سے پائے گا مگر شافعیہ کے نزدیک اُن ورثہ سے پائے گا جو اس وصیت سے راضی ہو گئے ہیں۔ جب بعض ورثہ راضی اور بعض ناراض ہوں تو وصیت بقدر حصص اُن ورثہ کے جائز ہوگی جو راضی ہو گئے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ جو ورثہ راضی ہوئے ہیں وہ بالغ و عاقل یعنی صحیح العقل ہوں۔ لہذا رضا مندی مجنون اور نابالغ کی نہیں ہوتی ہے۔ اور رضا مندی مریض



کے وہی احکام ہیں جو مریض کی وصیت کے ہیں۔ یہ خیال کرنا چاہیے کہ آیا یہ شخص باعتبار اپنے حق وراثت کے موصی کا وارث شرعی اسکی وفات کے وقت تھا یا نہ تھا۔ لہذا جب کوئی شخص اپنے بھائی کے حق میں وصیت کرے اور اسوقت کوئی اولاد نہ رکھتا ہو مگر بعد ازاں اسکے یہاں اولاد پیدا ہو اور وہ شخص مر جائے تو بھائی کے حق میں جو اسنے وصیت کی تھی وہ جائز ہوگی کیونکہ اولاد کے ہوتے بھائی کوئی حق وراثت نہیں رکھتا ہے۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کے حق میں وصیت کرے اسکو طلاق دیدے تو یہ وصیت جائز ہوگی کیونکہ مطلقہ موصی کی وفات کے وقت اسکی وارث نہ ہوگی۔ یعنی جب رشتہ زوجیت قطع ہو گیا تو حق وراثت بھی زائل ہو گیا۔

اگر وارث بالغ و عاقل ہو اور قابلیت انتقال جائد اور رکھتا ہو مگر مرض کی حالت میں اپنی رضامندی ظاہر کرے پس اگر اس بیماری سے شفا پائے تو اسکی رضامندی درست ہے اور اگر اس سے مر جائے تو اسکی رضامندی وصیت کا حکم رکھتی ہے پس اگر اصل موصی نہ اس وارث کا وارث تھا جسنے رضامندی ظاہر کی ہے تو وہ رضامندی ناجائز ہے تا وقتیکہ مریض کے اور ورثہ بھی اسکو نہ منظور کر لیں۔ لیکن اگر اصل موصی نہ اس وارث کا وارث نہ تھا جسنے رضامندی ظاہر کی ہے تو اس رضامندی سے وہ وصیت اصل موصی کے ترکہ میں بقدر ایک ثلث کے نافذ ہوگی۔

اگرچہ وصیت وارث کے حق میں باطل ہے مگر اقرار دین جائز ہے جیسا سابق میں بیان کیا گیا۔

اگر کوئی شخص اپنے کسی وارث کے حق میں وصیت کرے تو ایسی وصیت نہیں جائز ہے اسواسطے کہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

۱۔ رد المحتار صفحہ ۶۴۴۔ منہ ۱۷۸۔ رد المحتار صفحہ ۶۴۴۔ بیہی صاحب کی شرع حنفی صفحہ ۶۲۶۔ فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۱۴۸۔ منہ ۱۷۸۔ رد المحتار صفحہ ۶۴۴۔ ہدایہ صفحہ ۶۲۶۔ منہ ۱۷۸۔



فرمایا ہے کہ ۱۔ المدائمی نے ہر وارث کو اسکا خاص حصہ بخشا ہے ۲۔ اور نیز اس واسطے کہ ایک وارث کے حق میں وصیت کرنے سے دیگر ورثہ کی حق تلفی لازم آتی ہے اور اگر ایسی وصیت جائز رکھی جائے تو رشتہ قرابت قطع ہو جائے اور ورثہ میں باہم نفاق پیدا ہو۔ علاوہ برین احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ۳۔ وصیت خاص خاص ورثہ کے حق میں کرنا خلاف انصاف ہے۔ یہ بات قرار دینے میں کہ آیا موصی کہ وارث ہے یا غیر وارث اس امر کا لحاظ رکھنا ضرور ہے کہ آیا وہ موصی کے مرنے کے وقت اسکا وارث تھا یا نہ تھا نہ یہ کہ وصیت کرنے کے وقت اسکا وارث تھا یا نہ تھا۔ اگر بعض ورثہ راضی ہو جائیں اور بعض ناراض رہیں تو وصیت بقدر حصص ان ورثہ کے جائز ہوگی جو راضی ہو گئے ہیں اور بقدر حصص ان ورثہ کے ناجائز ہوگی جو نہیں راضی ہوئے ہیں۔

خلاصہ احکام مذکورہ بالا کا یہ ہے کہ وہ لوگ انتقال بابوصیت کی وجہ سے محبوب الارث نہیں ہو سکتے جو موصی کے مرنے کے بعد اس کے ترکہ میں حصہ پانے کے مستحق ہیں خواہ وہ کسی قدر کے وارث ہوں۔ یہ اصول نص قرآنی پر مبنی ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرمایا ہے۔ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا۔ یعنی واسطے مردوں کے ہے حصہ اس چیز میں جو ان کے مان باب اور عزیزوں نے چھوڑا ہو اور واسطے عورتوں کے ہے حصہ اس چیز میں جو ان کے مان باب اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے خواہ کم ہو خواہ زیادہ وہ حصہ واجب گردانا لیا ہے اسی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ ورثہ کے حقوق شرعیہ کی یقین قرآن مجید میں اس طرح کر دی ہے کہ انہیں تغیر نہیں ہو سکتا۔ اور جو ترتیب شریعت غراء میں مختلف درجہ کے اقرباء کی جو متوفی کے مال میں حصہ پانے کے مستحق ہیں مقرر کر دی گئی ہے اس ترتیب میں اس طرح فتور نہ ڈالنا چاہیے کہ مورث اپنے ایک



وارث کو اور ون سے زیادہ حصہ دیجائے۔ اسی وجہ سے ملتقی الابجار میں لکھا ہے کہ انتقال بالوصیت اسوقت سے باطل ہے جبوقت ارث یا وراثت وقوع میں آئے مگر یہ جیب ہے جبکہ موصی لہ وارث ہو اور خلیل ابن اسحق فقیہ مالکی نے فرمایا ہے کہ سب صایا بحق ورثہ باطل ہیں۔

ان احکام کی وجہ سے مسلمان اپنے وارث کے حق میں کبھی وصیت نہیں کرتے اور جیب انکو اپنے ورثہ کے حصوں میں کمی و بیشی کہ فی منظور ہوتی ہے تو جس وارث کو ترجیح دینا چاہتے ہیں اسکو ہیہ کر دیتے ہیں یا اسکے حق میں قرضہ کا اقرار کرتے ہیں۔

مگر جو وصیت اس رشتہ دار کے حق میں کی گئی ہو جو موصی کے متروکہ میں حصہ پانے کا مستحق نہ ہو یا جو وصیت کرنیکے وقت تو اسکا وارث ہو مگر ترکہ تقسیم ہونے کے وقت کسی وجہ سے اسکا وارث نہ باقی رہا ہو وہ وصیت شرعاً جائز ہے مثلاً جب کسی شخص کے دو بیٹے اور ایک پوتا ہو اور وہ پوتا اس بیٹے کی اولاد ہو جو اپنے باپ کی زندگی میں مر گیا ہو اور جسکے حق میں اسنے اپنے اسقدر مال کی وصیت کی ہو جو ایک ثلث سے زائد نہ ہو تو ایسی وصیت جائز ہے۔ اسی طرح سے اگر کسی شخص کا ایک بیٹا اور ایک لڑا سا یا لڑا سی ہو تو چونکہ وہ لڑا سا یا لڑا سی اسکی وارث نہیں ہر لہذا اسکے حق میں وصیت جائز ہے۔ جب کسی شخص کا صرف ایک بھائی ہو اور کوئی اولاد نہ ہو تو اسکے حق میں وصیت ناجائز ہوگی لیکن اگر وصیت کرنے کے بعد موصی کو کوئی اولاد پیدا ہو تو وہ وصیت جائز ہوگی بشرطیکہ ثلث مال سے زیادہ میں نہ کی ہو۔ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کے حق میں وصیت کرے تو ناجائز ہوگی لیکن اگر اسکو اپنے مرنیکے پیشتر طلاق دیدے تو جائز ہو جائیگی۔

سائیر اصحاب نے ایک مثال انتقال بالوصیت کی خوب لکھی ہے



وہ یہ ہے کہ ایک شخص ابو دنیہ نامے نے اقرار کیا کہ میں اپنی زوجہ کا ۲۵۰ درہم کا قرضدار ہوں۔ پس اس قرضہ کو ادا کرنے کے بعد میرا کل مال و اسباب میری زوجہ مذکورہ اور دو غیر آدمیوں پر برابر تقسیم کر دیا جائے۔ اس مقدمہ میں یہ تجویز ہوا کہ از روئے شرع محمدی پہلے اس جائداد سے قرضہ ادا کرنا چاہیے۔ بعد ازاں وہ جائداد ورثہ اور موصی لم محمدی میں اس طرح سے تقسیم ہونی چاہیے کہ  $\frac{1}{4}$  زوجہ کو جسکا حصہ  $\frac{1}{4}$  ہے  $\frac{1}{4}$  ہر ایک موصی کو جو  $\frac{1}{4}$  کل جائداد وصیتی کا ہے۔ اور  $\frac{1}{4}$  ورثہ کو۔ میزان کل  $\frac{1}{4} = 1$

سب فرقوں کے نزدیک وارث کے حق میں وصیت ناجائز ہے چنانچہ ملحقی الابحار میں لکھا ہے کہ وصیت ایک وارث کے حق میں ناجائز ہے اگر اور ورثہ راضی نہ ہوں۔ اور فقیہ شافعی ابو خواجه نے بھی یہ اصول ایسے ہی کلمات سے بیان کیا ہے۔ اور فقیہ مالکی خلیل ابن اسحق نے فرمایا ہے کہ جب وصیت ایک وارث کے حق میں کی جائے اور دیگر ورثہ اسکو قبول کر لیں تو وہ ان ورثہ کی عنایت اور فیاضی سمجھ کر نافذ کی جائیگی۔ البتہ شیعہ کے نزدیک بعض ورثہ کے حق میں بلا رضا مندی دیگر ورثہ ثالث مال میں وصیت جائز ہے جیسا آئندہ مفصل بیان کیا جائے گا مگر جب وصیت ثالث مال سے زائد ہو تو بلا رضا مندی جمیع ورثہ جائز نہیں ہے۔ ایسی رضا مندی قبل یا بعد وفات موصی ظاہر ہو سکتی ہے۔ مگر اہل سنت کے نزدیک دیگر ورثہ کی رضا مندی بعد وفات موصی ہونی چاہیے اور اگر قبل وفات ہوئی تو موثر نہ ہوگی۔

اہل سنت کے نزدیک ورثہ کے اذن کو چاہیے کہ انکا فعل

اختیاری ہو لہذا جب موصی نے ایسی دھکی دی ہو جسکی وجہ سے ورثہ نے اذن دیدیا ہو

یعنی اہل سنت کے فرقوں کے نزدیک کیونکہ مذہب شیعہ میں وصیت ثالث مالی میں وارث اور غیر وارث دونوں کے حق میں جائز ہے۔ ۱۲ مترجم



تو وہ وصیت ناقد نہ ہوگی خلیل ابن اسحق نے فرمایا ہے کہ وہ وصیت باطل ہے جس میں موصی نے یہ کلمات کہے ہوں کہ ”اگر میرے ورثہ میری اس وصیت کو نہ قبول کریں تو میرا مال فقرا کو دیدیا جائے“ مگر جو وصیت ایسے الفاظ سے کی گئی ہو جیسے ”میں اس مال کی وصیت غریبوں کے حق میں کرتا ہوں مگر یہ کہ میرے ورثہ اس میرے بیٹے کو دینا منظور کریں“ تو ایسی وصیت جائز ہے اس واسطے کہ ورثہ کو منظور کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے۔

جب ورثہ نے موصی کے مرض الموت میں اذن وصیت برضا، رغبت دیدیا ہو تو پھر وہ منسوخ نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ اس وقت انکو حق وراثت حاصل ہو چکا تھا۔

جب کوئی شخص بالکل لا وارث ہو تو حسب کو چاہے اپنی کل جائداد بذریعہ

وصیت دی جائے۔

مسائل شیعہ۔ شرایع الاسلام میں لکھا ہے کہ جب موصی نے اپنی ایک اولاد کو محبوب الارث کر کے اپنی ساری جائداد دوسری اولاد کو لکھ دی ہو تو اُسکا یہ فعل بالکل ناجائز ہے اور اُسکا ترکہ اُسکے سب ورثہ میں موافق اُنکے سهام شرعیہ کے تقسیم کیا جائیگا۔ مگر فرض کیجئے کہ کوئی شخص اپنی اولاد یا دیگر ورثہ پر اپنی جائداد کو تقسیم بالوصیت کرے یعنی غیر مساوی تقسیم کرے۔ پس اگر ورثہ اُس سے راضی ہو جائیں تو لا کلام جائز ہے۔ لیکن اگر ورثہ اذن نہ دیں تو کیا ہوگا۔ اُسکی مثال جامع الشتات میں یہ لکھی ہے۔ کہ ایک شخص نے حج کو جاتے وقت اپنا مال و اسباب اپنی اولاد پر اس منہج سے تقسیم کیا کہ (الف) بعض اولاد کو اُنکی مان کے مہر کے بابت اُنکے سهام شرعیہ سے زیادہ جائداد دی۔ (ب) بعض اولاد کو اُنکی شادی کے مصارف کے لیے کچھ رقوم اُنکے سهام شرعیہ سے زائد دیے۔ پس جن ورثہ کو اُنکے سهام شرعیہ سے کم ملا انھوں نے اُس تقسیم نامہ بالوصیت کے جواز میں کلام کیا۔ مجتہد القصر



نے یہ مضمون ذیل فتوے دیا۔

مہر ایسا دین ہے جسکو سب وصایا سے پیشتر ادا کرنا واجب ہے لہذا جو جائیداد بوض مہر کے دی گئی اُسکے باب میں وصیت جائز ہے۔ اور جو رقوم بعض اولاد کو اُنکے سهام شرعیہ سے زائد دی گئیں وہ از قسم وصیت ہیں اور موصی لہ کے ثلث مال میں سے دی جائیں۔ باقی جائیداد سب اولاد میں موافق اُنکے سهام شرعیہ کے تقسیم کی جائے۔

وصیت ثلث مال سے زیادہ میں ہر ضامنہ دی ورثہ جائز ہے۔ جب چند وارث ہوں اور اُمین سے ایک یا کئی شخص ثلث مال سے زائد پر راضی ہو جائیں تو بقدر اُنکے حصہ کے اُس میں وصیت نافذ ہوگی۔ اذن ورثہ اس وقت موثر ہے جب موصی کی وفات کے بعد دیا جائے۔ اگر اُسکی وفات کے قبل دیا جائے تو موثر ہوگا یا نہ ہوگا۔ اُمین دو قول ہیں جنہیں سے قول مشہور یہ ہے کہ ایسی اذن کی پابندی اس وارث کو جس نے اذن دیا ہے واجب ہے۔ جب موصی کی وفات کے بعد اذن دیا جائے تو وہ موصی کے فعل کا مصدق ہوگا نہ یہ کہ اُس وارث کی جانب سے ایک عطیہ یا ہبہ از سر نو ہو لہذا اُسکے جواز کی تکمیل موصی لہ کے قبضہ پر موقوف نہیں ہے۔

سب فرقوں کے نزدیک مسلمان کی وصیت کافر حربی کے حق میں ناجائز ہے۔ وصیت مقاصد ذیل کے لیے از روئے شرع حنفی جائز ہے۔

اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد میری لاش فلان مقام پر لیجا کر دفن کرنا اور اُس مقام پر ربات بنانا تو ابوالقاسم نے فرمایا ہے کہ ربات کے باب میں یہ وصیت جائز ہے مگر جنازہ کے اُس مقام پر لیجانے کے باب میں

جامع الشتات - بلی صاحب کی شرح امامیہ صفحہ ۳۳۳-۳۳۴ - رد المحتار صفحہ ۳۳۴-۳۳۵ - فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۱۳۱ - شرایع الاسلام - جواہر النظام ۱۲ - منہ ۳۳۵ بلی صاحب کی شرح حنفی صفحہ ۶۳۲-۶۳۳ -



باطل ہے اور اگر وصی بغیر اجازت ورثہ اسکو وہاں لیجانے میں کچھ صرف کرے تو اس خرچ کا وہی ذمہ دار ہوگا اور اگر بااجازت ورثہ صرف کیا ہو تو وہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ موصی کی قبرس کو آراستہ کرنے کے باب میں وصیت باطل ہے۔ لیکن اگر موصی نے یہ وصیت کی ہو کہ میرے مرنے کے بعد میرے ماتم داروں کو اور ان لوگوں کو جو میرے جنازہ کی تشیع کریں کھانا کھلانا تو اس باب میں فقیہ ابو جعفر کا قول یہ ہے کہ ایسی وصیت ثلاث میں جائز ہے اور سب لوگ جو تشیع جنازہ کریں یا جو دور سے آئے ہوں حواد غنی ہوں خواہ فقیر اس کھاتے میں شریک ہو سکتے ہیں لیکن اگر اس دعوت میں فضول خرچی کی جائے تو اسکا ذمہ دار وصی ہے۔ امام ابو بکر بلخی کے نزدیک یہ وصیت کہ موصی کے مرنے کے بعد تین دن لوگوں کو کھانا کھلایا جائے باطل ہے۔ واقعات ناطقی میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ ہزار دینار یا تین ہزار درہم میرے کفن میں صرف کیے جائیں تو ایک معتدل رقم سے زیادہ اس میں نہ صرف کی جائے اور صرف اس کیڑے کا کفن دیا جائے جسکو پس کر بھی نماز جمعہ پڑھنے جایا کرتا تھا اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کو وصیت کرے کہ میرے کفن کی قیمت میرے مہر میں سے دینا جو تیر واجب الادا ہے تو لکھا ہے کہ اسکا امر ونہی دونوں اس باب میں باطل ہیں۔ جب کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ مجھے میرے مکان میں دفن کرنا تو یہ وصیت باطل ہے مگر یہ کہ وہ مکان سب مسلمانوں کے لیے قبرستان کر دیا جائے یہ وصیت بھی ناجائز ہے کہ موصی کی قبر بچہ بنائی جائے یا اس میں ایک مقبرہ بنا دیا جائے مگر ان مقامات پر جہاں جانوران صحرائی کے شر سے مردہ کو بچانے کے لیے ایسی تدبیر کرنی ضرور ہو۔ علیٰ ہذا القیاس یہ وصیت بھی باطل ہے کہ موصی کی جائداد میں سے اتنا قرآن خوانوں کو دیا جائے کہ اسکی قبر پر قرآن پڑھا کریں بلکہ اگر خاص قرآن خوان مقرر کیے جائیں تو بھی باطل ہے۔

مذہب شیعہ میں مقاصد ذیل کے لیے وصیت جائز ہے



(الف) موصی کے لیے دو آگیا چند مدت تک نمازین پڑھوانا۔  
 (ب) موصی کا جنازہ کر بلائے معلے اور کسی مشہد مقدس  
 میں لیجانا۔

(ج) موصی کی طرف سے کسی شخص سے حج بیت اللہ کروانا۔  
 (د) اسکی قبر پر یا ائمہ اطہار کی قبور پر روشنی کروانا اور ہاتھ  
 پھول چڑھانا۔  
 (ه) سادات کربلائے معلے اور نجف اشرف کی اعانت  
 و خدمت گزار می کرنا۔

(و) غریب و کور و زہاے عید کھلوانا۔  
 (ز) امام باڑون میں مرثیہ پڑھوانا۔  
 (ح) عشرہ محرم میں شربت یا پانی پلوانا اور ایسے ہی اور امور کرنا  
 (ط) ایک شخص دوسرے کو یہ وصیت کر سکتا ہے کہ  
 میری طرف سے فلان رسوم نہ ہی کو ادا کرنا۔ مثلاً زید اپنے  
 مرنے کے وقت بکر سے یہ وصیت کر سکتا ہے کہ میری قضاء  
 عمری پڑھنا اور اگر بکر اس وصیت کو قبول کر لے تو جائز ہے  
 اور اسکو زید کی قضاء عمری پڑھنا واجب ہو جائیگا۔

ان یہ مسئلہ فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۱۴۸ سے لیا گیا ہے۔ مگر رد المحتار صفحہ ۶۷۷ ملاحظہ ہو۔ کسی شخص سے موصی  
 کی قبر پر باجرت قرآن پڑھوانے کا عدم جواز اسپر مبنی ہے کہ کسی کو اجرت دے کر اپنی نماز پڑھوانا نہیں جائز ہے۔  
 رد المحتار میں لکھا ہے کہ۔

”لوگون کو اجرت دے کر نماز یا قرآن پڑھوانا یا اذان دلوانا بہ ضرورت جائز ہے۔“  
 سب علماء حنفی کا اجماع ہے کہ روزہ اور نماز اور حج با جبارہ نہیں جائز ہے۔ مگر فی زمانہ ان احکام پر کوئی  
 عمل نہیں کرتا۔ ۱۲۔ منہ ۱۱۵ جامع الشتات ۱۲۔ منہ



## شروح و ان باب

## فصل اول

## موصی الہم کون لوگ ہو سکتے ہیں

باعتبار اصول کے وصیت ہر شخص کو اور ہر مقصد کے لیے جو وصیت کرنے کے وقت صریحاً یا ضمناً  
موجود ہو جائز ہے۔ چنانچہ شرائع الاسلام میں لکھا ہے کہ ۱۔ وصیت میں ضرور ہے  
کہ موصی نہ وصیت کرنے کے وقت موجود ہو اور اگر وہ زندہ نہ ہو تو وصیت ناجائز ہے جس طرح  
سے وہ وصیت جو میت کو کی گئی ہو یا وہ وصیت جو اس شخص کو کی گئی ہو جبکہ زندہ ہونے کا  
گمان ہو مگر بعد ازان ثابت ہو جائے کہ وہ وصیت کے وقت مر چکا تھا ناجائز ہے۔  
اسی طرح سے فتاوا سے عالمگیری میں لکھا ہے کہ ۲۔ وصیت کو وصیت نہیں ہو سکتی ۳۔

اب یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ کن لوگوں کو اور کن مقاصد کے لیے وصیت  
کرنا شرعاً جائز ہے۔ (الف) باستثناء شافعیہ کے جبکہ نزدیک مسلم کی وصیت غیر مسلم کو  
ناجائز ہے اور سب فرقوں کے نزدیک مسلم کی وصیت غیر مسلم کو جو ذمی ہو حربی نہ ہو  
جائز ہے (یعنی جو دارالاسلام کا رہنے والا ہو دارالحرب کا رہنے والا نہ ہو) ردالمحتار  
اور فتاوا سے عالمگیری میں یہ اصول نہایت واضح طور سے بیان کیا گیا ہے  
چنانچہ فتاوا سے عالمگیری میں لکھا ہے کہ ۲۔ مسلم کی وصیت ذمی کو اور اُس کے  
بالعکس جائز ہے۔ مگر اس حربی کو وصیت نہیں جائز ہے جو مشتمل نہ ہو۔ اگر کوئی مسلم  
اُس حربی کے حق میں وصیت کرے جو دارالحرب کا باشندہ ہو تو وہ وصیت ناجائز ہے

۱۔ ردالمحتار صفحہ ۶۶۱۔ انڈین لارپورٹ جلد ۹ صفحہ ۱۵۸ سلسلہ بمبئی ۱۲۔ منہ۔ اس باب  
میں شرع محمدی یقیناً اس سے بہتر ہے جو قانون انگلستان کی کیفیت چند ہی سال گزرے ہیں  
کہ تھی یعنی فرقہ و سن کیتھولک اور دیگر اہل مذاہب کی عدم قابلیت وصیت وغیرہ صرف ششہ  
میں قانون انگلستان سے دفع ہوئی ۱۲۔ منہ۔



گو موسیٰ کے ورثہ راضی ہو جائیں۔ اور اگر حربی دار الاسلام میں امان لیکر آئے اور اپنا مال وصیت کر لے لینا چاہے تو وہ ایسا نہیں کر سکتا اگرچہ موسیٰ کے ورثہ راضی ہو جائیں۔ یہ وقت ہے جبکہ ورثہ موسیٰ اور حربی موسیٰ لہ دونوں اسوقت دار الاسلام میں ہوں۔ لیکن اگر موسیٰ بھی اسوقت دار الحرب میں ہو تو اس وصیت کے جواز میں ہمارے علماء نے اختلاف کیا ہے جب حربی دار الاسلام میں بستین ہو تو ظاہر الروایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے حق میں وصیت بقدر ثلث مال موسیٰ بلا اذن ورثہ اور اس سے زائد یا اذن ورثہ جائز ہوگی۔

ایسا ہی حکم شیعوں میں بھی ہے۔ چنانچہ شرایع الاسلام میں لکھا ہے کہ یہ کفار حربی کے حق میں جو وصیت کی جائے اسکے جواز میں کلام ہے مگر احادیث صحیحہ کے موافق وہ وصیت حرام اور باطل ہے اور المختار میں لکھا ہے کہ حربی حقوق شرعی کے لحاظ سے کالیّت ہے یعنی مردہ کے حکم میں ہے۔

حرب کے حق میں وصیت تو نہیں جائز ہے مگر اسکو نذر اور انعام دینا شرعاً جائز ہے۔ چنانچہ المختار میں لکھا ہے کہ علامہ خسی کی شرح الکبیر میں لکھا ہے کہ مسلمان کا نذر و انعام دنیا کفار کو کچھ قباحت نہیں ہے خواہ اسکے عزیز ہوں خواہ منون اور خواہ حربی ہوں خواہ ذمی اور اسکا جواز اس حدیث پر مبنی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند تھے ابوسفیان ابن الحرب اور سفیان ابن امیہ کو بھیجے کہ غزاء مکہ میں تقسیم کر دین حالانکہ وہ دونوں کافر حربی تھے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ آدمی کا اپنے رشتہ داروں کو تحفہ دینا یا دنیا ہر شخص کے نزدیک مستحسن اور ہر مذہب میں ممدوح ہے۔ اور غیرون کو دنیا اسلیے اچھا ہے کہ یہ ایک مہربانی اور فیاضی کا کام ہے۔ پس کفار حربی کو تحائف دنیا شرعاً جائز ہے باستثناء سلاح جنگ اور آلات حرب کے۔ مگر مردہ کے

۱۔ بیلی صاحب کی شرح امامیہ صفحہ ۴۴-۱۲۔ منہ ۵۵ رد المختار صفحہ ۶۶-۱۲۔ منہ ۵۵ رد المختار

صفحہ ۶۴-۱۲ منہ -



حق میں وصیت کرنا کسی فرقہ کے نزدیک نہیں جائز ہے۔

(ب) طفل نازا یئدہ یعنی جو بچہ ہنوز رحم مادر میں ہوا اسکے حق میں وصیت کرنا سب فرقوں کے نزدیک جائز ہے۔ اس بچہ کو چاہیے کہ تاریخ وصیت سے چھ مہینے کے اندر پیدا ہو کہ اس صورت میں یہ قیاس کیا جائیگا کہ وہ وصیت کے وقت موجود تھا۔ بچوں کے باب میں (جنہیں وہ بچے بھی داخل ہیں جو ہنوز رحم مادر میں ہوں) قبول فرض کر لیا جائیگا مگر یہ کہ اس سے موصی کہ کا نقصان متصور ہو۔ جو بچہ ہنوز بطن مادر میں ہو اس کا حق مال وصیتی میں اسکے پیدا ہونے کے وقت قائم ہو جائے گا اور اس وقت تک کوئی شخص اس حق کو اس کی طرف سے نہیں عمل میں لاسکتا۔ مثلاً جو موصی ہنوز پیدا نہ ہوا ہو اسکے مال وصیتی کو کوئی شخص بدل نہیں سکتا نہ اسیں تصرف کر سکتا ہے۔ والمختار میں صاف لکھا ہے کہ طفل نازا یئدہ کا کوئی ولی نہیں ہے۔ کیونکہ لفظ ولا کے معنی کا تقضیہ یہ ہے کہ ولی بچہ کی حفاظت شفقت کے ساتھ کرے اور طفل نازا یئدہ ایسی حفاظت کا محتاج نہیں ہے۔ بلکہ وہ فی الواقع اپنی مان کا خیر بدن ہے اور چونکہ اس کا باپ اس کی مان کا ولی شرعی نہیں ہے لہذا اس کا بھی ولی نہیں ہو سکتا اور نہ مان اپنے طفل نازا یئدہ کی ولی ہو سکتی ہے لہذا وہ ایسے بچہ کے مال وصیتی کی نسبت کوئی حق نہیں عمل میں لاسکتی کیونکہ اگرچہ وہ اس کا خیر بدن ہے تاہم اس کی روح خدا نے اس کی مان کے سپرد کی ہے اور جب اس کی روح موجود ہوئی تو اسکے حق میں وصیت جائز ہے۔ وصیت ایک حیثیت سے تملیک ہے اور دوسری حیثیت سے تو ریث ہے یعنی موصی کے حقوق کا ایک وارث اسکے کل یا خیر مال میں مقرر ہو جاتا ہے۔ لہذا

۱۔ قتادائے عالمگیری صفحہ ۱۴۱۱۔ شرایع الاسلام۔ ساثر اصاحب کی کتاب جلد ۲ صفحہ ۳۴۲۔ ایکٹ ۱۲۳۷ء سے شرع محمدی کے ان احکام میں کچھ فرق نہیں پڑا ہے ۱۱۔ منہ ۱۱ قتادائے عالمگیری صفحہ ۱۴۱۱۔ المختار صفحہ ۶۲۔ نہار میں لکھا ہے کہ یہ چھ مہینہ موصی کی تاریخ وفات سے لیے جائیں گے والمختار صفحہ ۶۲۔ ۱۲۔ منہ ۱۲۔



اگرچہ طفل نازائیدہ کا کوئی ولی نہیں مقرر ہو سکتا تاہم علامہ ابن شبلہ اور شمس الاممہ حلوانی اور سب علماء کے نزدیک ایسے بچہ کا وصی مقرر ہو سکتا ہے جیسے طفل نازائیدہ پر جو وقف کیا جائے اسکے لیے وصی مقرر ہو سکتا ہے۔ ایسا فقرائیں بچہ کے پیدا ہونے کے بعد نافذ ہوتا ہے جب اسکا حق اس وصیت میں قائم ہو جاتا ہے۔

جب اس بچہ کا باپ زندہ ہو تو اسکو تاریخ وصیت سے چھ مہینہ کے اندر پیدا ہونا چاہیے تاکہ اسکا حق اس وصیت میں قائم ہو جائے مگر جب اسکا باپ مر گیا ہو یا اسکی مان کو طلاق دیدیا ہو تو اسکو چاہیے کہ تاریخ وصیت سے چھ مہینہ کے اندر اور جو زیادہ سے زیادہ مدت حمل شرع میں قرار دی گئی ہے اور جو اسکے باپ کی وفات کی تاریخ یا اسکے مان کے طلاق کی تاریخ سے لیجائیگی اس مدت کے اندر پیدا ہوا ہو۔ کیونکہ اگر اس مدت کے بعد وہ پیدا ہو تو یہ قیاس نہیں ہو سکتا کہ وصیت کے وقت اسکا حمل رہ چکا تھا۔

لکن اگرچہ انتقال بالوصیت طفل نازائیدہ پر صرف اس صورت میں جائز ہے جبکہ وہ تاریخ وصیت سے چھ مہینہ کے اندر پیدا ہو جائے تاہم طفل نازائیدہ پر وقف بالوصیت جائز ہے جب وہ پیدا ہو بشرطیکہ اسکی ابتدا اس شخص سے کیجائے جو موجود ہو مثلاً زید (جو موجود ہے) اور اسکے اطفال و اولاد نازائیدہ کے حق میں وصیت کرنا سب فرقوں کے نزدیک جائز ہے۔ ایسے وقف کا نفاذ اس طرح کیا جائیگا کہ اوصیاء مقرر کیے جائیں گے اور وہ اسکی تعمیل کیا کریں گے۔

مذہب شیعہ میں کوئی قید نہیں ہے کہ وہ بچہ کب پیدا ہو کہ اس وصیت سے مستفید ہو سکے۔ صرف اتنا کافی ہے کہ جو زیادہ سے زیادہ مدت حمل مذہب شیعہ میں قرار دی گئی ہے اور جو تاریخ وصیت سے لیجائیگی اسکے اندر پیدا ہوا ہو۔



وصیت اس جنین کے حق میں جو زندہ ہو جائز ہے مگر یہ شرط ہے کہ وہ بچہ زندہ پیدا ہو۔ اگر وہ مرد پیدا ہو تو وہ وصیت باطل ہو جائیگی لیکن اگر وہ زندہ پیدا ہو اور تھوڑی دیر کے بعد مر جائے تو وہ وصیت اس کے ورثہ کو ملے گی۔

مذہب حنفی میں بھی یہی ہے کہ وہ بچہ زندہ پیدا ہو تب مال وصیتی کا حق ہوگا۔ جب کوئی شخص اس بچہ کے حق میں وصیت کرے جو ہنوز رحم مادر میں ہو اور وہ بچہ مردہ پیدا ہو تو اس کے مرنے کے بعد اور اس وصیت کے مہینہ بھر کے بعد مال وصیتی اس کا نہ باقی رہے گا لیکن اگر وہ بچہ زندہ پیدا ہو کر مر جائے تو وہ وصیت بقدر ثلث مال موصی جائز ہے اور اس بچہ کے ورثہ میں تقسیم کی جائے گی۔ اگر کسی عورت کو دو بچے تو ام پیدا ہوں ایک زندہ اور ایک مردہ تو کل مال وصیتی زندہ بچہ کو ملے گا۔ لیکن اگر دونوں زندہ پیدا ہوئے ہوں اور پھر ایک مر جائے تو اس مال کو نصف نصف کر کے ایک نصف زندہ بچہ کو اور دوسرا نصف مردہ بچہ کے ورثہ کو ورثتاً دیا جائے گا جب کوئی شخص وصیت باین الفاظ کرے کہ "اگر فلاں عورت کے بطن میں لڑکی ہو تو اس کو ہزار درہم از روئے وصیت دیے جائیں اور اگر لڑکا ہو تو میں اس کے حق میں دو ہزار درہم کی وصیت کرتا ہوں" اور اس عورت کو اس وصیت کے چھ مہینہ کے اندر لڑکی پیدا ہو اور اس کے دو تین روز کے بعد لڑکا بھی پیدا ہو تو ان دونوں کے حق میں وہ وصیت بقدر ثلث مال موصی جائز ہے۔

(۳) وصیت مقاصد ذیل کے لیے یا اشخاص ذیل کے

حق میں جائز ہے۔

(الف) غربا کے حق میں عموماً یا ان کے کسی خاص گروہ کے حق میں

(ب) کعبہ شریف یا کسی مسجد کے لیے۔



(ج) فی سبیل اللہ صرف کرنے کے لیے۔

(د) وجوہ الخیر اور وجوہ البیر کے لیے عموماً۔

(ه) خدا کے راہ میں جہاد کرنے کے لیے۔

(و) موصی کے وارث کی اولاد یا اُس کے اقربا یا ہمسایہ یا

قوم کے حق میں۔

(ز) عتق رقبات یعنی بردہ آزاد کرنے کے لیے۔

(ح) اپنا قرضہ ادا کرنے کے لیے۔

(ط) مواشی کو کھلانے کے لیے۔

(الف) وصیت غریب کے حق میں عموماً یا اُن کے کسی خاص گروہ کے حق میں جائز ہے

مذہب حنفی میں دو مسلمان کو غریب و نصارے کے حق میں وصیت کرنا جائز ہے اور اُس میں

کچھ گناہ نہیں ہے مگر برخلاف اُس کے اُن کے لیے گرجا بنوانا گناہ ہے اور جو مسلمان گرجا بنانے

میں اُن کی اعانت کرے وہ گنہگار ہے۔ یہی اصول سب مذاہب کے فقراء پر صادق آتا ہے

لہذا جب وصیت غریب کے حق میں عموماً کی جائے تو سب مذاہب کے غریب کو دی جائیگی۔

مگر مذہب شیعہ میں ایسی وصیت کا اُور حکم ہے۔ جیسا شرائع الاسلام میں لکھا ہے کہ

جب مسلمان نے فقراء کے حق میں عموماً وصیت کی ہو تو وہ صرف اُس کے ہم مذہب

فقراء کو دی جائیگی۔ اسی طرح سے اگر موصی کافر ہو تو ایسی وصیت سے صرف

اُس کے ہم مذہب فقراء کو دیا جائے گا۔ عموماً مسلمانوں کے لیے کفن مہیا کرنے

کے واسطے یا اُن کے لیے قبور یا انہار کھدوانے کے واسطے وصیت کرنا امام ابو یوسف

کے نزدیک باطل ہے جیسا نوادر میں لکھا ہے۔ مگر غریب مسلمانوں کے باب میں

ایسے امور کی وصیت کرنا جائز ہے۔

۱۵ فتاواے عالمگیری صفحہ ۱۴۰-۱۳۱ منہ۔



(ب) مسجد الحرام یا اور کسی مسجد کے باب میں جو وصیت کی جائے  
 اسکی نسبت قنوا سے والگیری میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مال کے ایک ٹلٹ کی وصیت  
 مسجد الحرام کے باب میں کرے تو وہ وصیت جائز ہے اور وہ ٹلٹ اسکی روشنی وغیرہ میں  
 صرف کیا جائے گا۔ اسی طرح سے آدمی اپنے مال کے ایک ٹلٹ کی وصیت مسجد کے  
 باب میں کر سکتا ہے اور وہ ٹلٹ اسکی روشنی وغیرہ میں صرف کیا جائیگا۔ سب علماء  
 کے نزدیک آدمی کو اپنی زمین کی وصیت مسجد بنانے کے لیے کرنا جائز ہے۔ اسی طرح  
 سے ردالمحتار میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے ٹلٹ مال کی وصیت بیت المقدس  
 کے باب میں کرے تو ایسی وصیت جائز ہے اور اسکی روشنی وغیرہ میں صرف  
 کیجائیگی۔ یہی قاعدہ اس وصیت میں بھی جاری ہوگا جو مسجد کے باب میں کی جائے  
 اور مال وصیتی اس مسجد کی مرمت اور حفاظت میں اور بقول قاضی خان کے ماہ رمضان  
 وغیرہ میں اسکی روشنی میں صرف کیا جائیگا۔ مگر مجتہبہ میں لکھا ہے کہ جب ٹلٹ مال کی  
 وصیت کعبہ شریف کے باب میں کی جائے تو اسکو کعبہ شریف کے غریبوں کے مصرف میں لانا چاہیے  
 (جو وہان زکوٰۃ پاتے ہوں) اور یہی حکم ان وصایا کا ہے جو بیت المقدس یا مساجد کے  
 باب میں کیجائیں۔ اس کے بعد ردالمحتار میں لکھا ہے کہ جو وصیت مسجد کے باب میں کی جائے  
 اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ایسی وصیت جائز ہے ایک قول یہ ہے کہ نہیں  
 جائز ہے۔ پھر جن علماء کے نزدیک ایسی وصیت جائز ہے انھوں نے اس میں اختلاف  
 کیا ہے کہ وہ کیونکر صرف کیجائے۔ بعض کا قول ہے کہ مال وصیتی اس مسجد کی مرمت  
 اور روشنی وغیرہ میں صرف کیا جائے اور بعض کا قول ہے کہ وہ اس مسجد کے غریبوں  
 کو راہ خدا میں دیا جائے (پہلے قول کی تائید امام محمد نے فرمائی ہے اور دوسرا قول  
 صاحب مجتہبہ نے اختیار کیا ہے) ایسی وصیت کو صرف دو عالموں نے ناجائز  
 قرار دیا ہے۔ لکن جب وصیت میں بالتحقیص یہ کہہ دیا جائے کہ یہ مسجد میں صرف کیجائے



تو وہ سب علماء کے نزدیک جائز ہے۔ مگر امام محمد کے نزدیک وہ مطلقاً ناجائز ہے۔ احوط یہ ہے کہ فتوے یہ دیا جائے کہ جب وصیت مسجد کے باب میں ہو تو اسکو اس مسجد کے فقراء میں تقسیم کرنا چاہیے۔ سبجانی نے اس مسئلہ کو مفصل بیان کیا ہے اور شرع و ہیبت میں بھی اسکو ملاحظہ کرنا چاہیے۔ خلاصہ میں لکھا ہے کہ ایسی وصیت سے اس مسجد کے غریب کو دنیا او لے ہے اور اور مسجد کے غریب کو بھی دنیا جائز ہے۔ یہ قول امام ابو یوسف کا ہے اور اسی کے موافق فتوے دیا گیا ہے۔

آدمی اپنی زمین کی وصیت مسجد کے باب میں کر سکتا ہے مگر امام اعظم کے نزدیک غریب کے واسطے قبرستان بنانے یا مسافروں کے واسطے سرائے بنانے کے لیے زمین از روے وصیت دنیا نہیں جائز ہے۔ اس فرق کے وجود سمجھ میں آنا ذرا مشکل ہے مگر صاحبین نے اپنے استاد (ابو حنیفہ) سے اختلاف کر کے آخر الذکر امور کے باب میں بھی وصیت کرنا جائز قرار دیا ہے۔

(ج) جب کوئی شخص ان الفاظ سے وصیت کرے کہ دو میں ایک ثلث اپنے مال کا راہ خدا میں چھوڑے جاتا ہوں۔ تو امام محمد کے نزدیک یہ وصیت جائز ہے اور عموماً امور دینی اور کار ہائے خیر میں صرف کیجائیگی۔ وصیت فی سبیل اللہ جہاد فی سبیل اللہ میں صرف کیجائیگی اور جس غریب حاجی کا ذریعہ معاش جاتا رہا ہو اسکو بھی اس میں سے دنیا جائز ہے۔ تو ازل میں لکھا ہے کہ اس وصیت سے مسجد میں روشنی کیجائے اور عموماً امور ندیسی میں صرف کیجائے۔ مذہب شیعہ میں یہ ہے کہ دو اگر موصی کے کہ یہ مال وصیتی راہ خدا میں صرف کیا جائے تو اسکو ایسے امر میں صرف کرنا چاہیے جو باعث ثواب آخرت کا ہو مگر بعض علماء نے فرمایا ہے کہ فقط جہاد فی سبیل اللہ

۱۵ رد المحتار صفحہ ۶۵۲ و ۶۵۳۔ منہ ۵۵ فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۱۴۹۔ منہ ۵۵ امام محمد کے قول کے موافق فیصلہ کیا جاتا ہے گو امام اعظم کے نزدیک ایسی وصیت باطل ہے ۱۲ منہ۔



میں صرف کرنا چاہیے۔ پہلا قول مستحسن معلوم ہوتا ہے۔

(د) جو وصیت وجوہ الخیر والبر یعنی نیک کاموں کے لیے کیجائے  
اُس میں سب امور نیک داخل ہیں اور وہ مساجد اور مدارس اور طلبہ کے وظائف میں صرف  
ہو سکتی ہے۔ جب وصیت جہاد فی سبیل اللہ کے لیے کیجائے تو اُس سے غازی یا مجاہد کو دیا جائے  
کہ اُسکو آمد و رفت میں اور جب تک جہاد میں رہے صرف کرے مگر اُسکا کوئی خزانہ اسکے عیال  
و اطفال کو نہ دیا جائے اور اگر اُس میں سے کچھ فاضل بچے تو وہ موصی کے ورثہ کو واپس  
کر دینا چاہیے۔ اُس غازی کا مالدار ہونا کوئی عذر نہیں ہے اور خود موصی یا موصی لہ  
کا بیٹا اُسکی طرف سے جہاد کر سکتا ہے۔

(ه) آدمی کو اپنے ورثہ کی اولاد کے حق میں وصیت کرنا باتفاق  
علماء جائز ہے کیونکہ وہ غیرون کی حثیت رکھتے ہیں۔ فی الواقع انتقال بالوصیت ہر شے دار  
پر ہو سکتا ہے جو موصی کے متروکہ میں حصہ پانے کا مستحق نہ ہو۔  
مسائل شیعہ۔ محقق ابوالقاسم حلی نے فرمایا ہے کہ آدمی کو اپنے اقرباء کے حق میں وصیت  
کرنا اولیٰ ہے خواہ وہ اُسکے وارث ہوں خواہ نہ ہوں اور جب کوئی شخص اپنے قریب ترین  
قربت داران کے حق میں وصیت کرے تو اُس میں احکام میراث جاری ہونگے اور قریب کے  
ہوئے بعید کو اُس میں سے کچھ نہ دیا جائے گا۔ چنانچہ شرایع الاسلام میں لکھا ہے کہ اگر کوئی  
شخص اپنے ذوقربت کے باب میں وصیت کرے تو اُس میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو  
اُسکی قوم یا نسب میں شریک ہوں یا ایک ہی حید کی اولاد ہوں۔ بعض علماء نے فرمایا  
ہے کہ اُس میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو اُسکی مان اور باپ دونوں کی جانب سے اُسکے  
ان مورثان و بزرگان بعید کے قربت دار ہوں جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ مگر یہ قول  
محض بے دلیل ہے۔ اگر موصی نے اپنی قوم کے باب میں وصیت کی ہو تو اُس میں



وہ سب لوگ داخل ہیں جو ایک ہی زبان بولتے ہوں اور اگر اہلبیت کے باب میں کی ہو تو اس میں اسکی اولاد اور باپ اور دادا داخل ہیں اور اگر غشیرت (خاندان) کے حق میں وصیت کی ہو تو اس وصیت میں صرف وہ لوگ داخل سمجھے جائینگے جو اس سے نسب میں اقرب ہوں۔ اگر کوئی شخص اپنے ہمسایوں کے باب میں وصیت کرے تو بعض علماء کے نزدیک اس وصیت میں وہ سب لوگ داخل ہیں جنکے مکانات موصی کے مکان کے چالیس ذراع کے اندر ہر سمت واقع ہوں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ وصیت چالیس مکالوں کے رہنے والوں پر جو موصی کے مکان کے ادھر ادھر ہوں حاوی ہے۔ یہ قول بعید از قیاس اور غیر معقول معلوم ہوتا ہے۔

(و) عتق رقبات یعنی بر دے آزاد کرنا شرعاً ثواب ہے اسی وجہ سے سب فرقوں کے علماء نے عتق بالوصیت کے احکام تفصیلاً بیان کیے ہیں۔ مگر اس امر سے کوئی عملی فائدہ نہیں تصور ہے لہذا اس میں طول دینا کیا ضرور ہے۔

(ز) موصی اپنے وصی کو یہ وصیت کر سکتا ہے کہ میرے مال کو بیچ کر پہلے میرا قرضہ ادا کرنا اور جو کچھ باقی رہے اسکو کارہائے خیر کے لیے وقف کر دینا یا میرے ورثہ پر تقسیم کر دینا۔

## فصل سوم

### قواعد تفسیر وصیت

قواعد ذیل علماء حنفی نے وصایاے مبہم و مشکوک کی تاویل کے باب میں مقرر کیے ہیں۔

(۱) جب موصی یہ الفاظ کہے کہ میں اپنی زوجہ کے اقرباء کو بزرگہ وصیت دیتا ہوں تو اس وصیت سے اسکی زوجہ کے اقرباء پدری و مادری دونوں مستفید ہونگے۔

(۲) جب انتقال بالوصیت قریب ترین اقرباء پر کیا ہو تو در صورت



سنوئے اقرباء پیری کے صرف اقرباء ماوری کو ملیگا۔

(۳) جب کسی غیر آدمی کے عزیزوں کے حق میں وصیت کیجائے تو اُنہیں اسکے سب اقرباء نسبی و غیر نسبی شریک ہونگے۔

(۴) جب موصی نے اپنے مال کی وصیت یتیموں اور اندھوں یا فلان قوم یا فلان مقام کے لوگوں کے حق میں کی ہو تو مال وصیتی اُن سب لوگوں میں بلا امتیاز ذکور و اناث اور امیر و غریب تقسیم کیا جائیگا۔

(۵) جب موصی زید کے وارث کے حق میں وصیت کرے اور زید چنہ ورثہ چھوڑ کر مر جائے تو مال وصیتی اُنہیں بمقدار اُنکے سهام شرعیہ کے تقسیم کیا جائیگا۔

(۶) جب وصیت یابن الفاظ کی ہو کہ یتیم فلان خاندان کو بذریعہ وصیت دیتا ہوں (اُس خاندان کا نام لے دیا ہو) تو امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک اُس خاندان کے رئیس کے حق میں یہ وصیت ہوگی۔ مگر امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اُس خاندان کے سب لوگوں میں وہ جائداد اس طور سے تقسیم کی جائیگی جیسا صورت مذکورہ بالا میں لکھا گیا۔

(۷) جب موصی نے اپنے ہمسایوں کے حق میں اپنے مال کی وصیت کی ہو تو وہ مال اُن ہمسایوں کو ملیگا جو موصی سے بہت قریب رہتے ہوں یا جنکے مکانات اُسکے مکان سے متصل ہوں امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک یہ ہے کہ اگر چند اشخاص ایک ہی مکان میں رہتے ہوں تو مال وصیتی اُن سب کو بہ حصص مساوی اور بلا امتیاز ذکور و اناث ملیگا۔

(۸) جب وصیت سپاہیوں اور مصیبت زدوں کے حق میں کی ہو تو موصی کے وارث یا وصی یا قاضی پر یہ فرض نہیں ہے کہ اُس قسم کے سب لوگوں کو دریافت کرے بلکہ مشط م یا وصی کو جائز ہے کہ جو لوگ ویسے ملجائیں اُنہیں مال وصیتی تقسیم کر دے۔



مگر یہ کہ موصی نے انکی تصریح خاص طور سے کر دی ہو۔

اگر کوئی شخص ان الفاظ سے وصیت کرے کہ ”میں ہزار روپیہ کی وصیت اپنے ہمسایہ کے باب میں کرتا ہوں“ تو امام اعظم کے نزدیک وہ مال اُس شخص کو ملیگا جسکا مکان موصی کے مکان سے متصل ہو۔ مگر امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا ہے کہ وہ مال اُس نواح کے سب باشندوں کو جو ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتے ہوں دینا چاہیے۔ اگر موصی کی مراد ایک ہمسایہ تھا تو فتوے امام اعظم کے قول کے موافق ہے لیکن اگر موصی کے مراد متعدد اشخاص تھے تو یہ معاملہ قاضی کی رائے پر موقوف رکھا جائے۔ فتاواے عالمگیری میں جو عبارت اس باب میں لکھی ہے اُسکا مفہون درج ذیل کیا جاتا ہے۔

”جب کوئی شخص اپنے ثلث مال کی وصیت اپنے ہمسایوں کے حق میں کرے تو بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر انکا شمار ہو سکے تو ثلث مذکور ان سب میں بلا امتیاز غنی و فقیر تقسیم کر دیا جائے اور اگر وہ کہے کہ ”اس مسجد کے لوگوں کو“ تو بھی وہ مال اُسی طرح تقسیم کیا جائے۔ انکا شمار نہ ہو سکے“ اسکے معنی امام ابو یوسف نے یہ بیان کیے ہیں کہ انکا شمار بغیر حساب لکھے نہ ہو سکے۔ مگر امام محمد کے نزدیک اس سے اتنے اشخاص مراد ہیں جنکی تعداد سو سے زائد نہ ہو۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ امر قاضی کی رائے پر موقوف رکھا جائے اور فتوے اسی قول کے موافق ہے اگرچہ امام محمد کا قاعدہ زیادہ آسان ہے۔ اگر ان ہمسایوں کا شمار نہ ہو سکے تو وہ وصیت باطل ہے۔ اسی طرح سے اگر وصیت اہل مسجد یا اہل محل یعنی قید خانہ کے لوگوں کے باب میں کی ہو اور انکا شمار نہ ہو سکے تو وہ بھی باطل ہے۔ امام محمد نے فرمایا ہے کہ جب وصیت کسی خاص شخص کے ایتام کے حق میں کی ہو اور انکا شمار



ہو سکے تو مال وصیتی اُن سب میں اس طرح تقسیم کیا جائیگا کہ گویا موصی نے کہا ہے کہ دو  
اس مکان یا اس کوچہ کے یتیموں کو اور غنی و فقیر دونوں کو برابر دیا جائیگا لیکن  
اگر انکا شمار نہ ہو سکے تو مال وصیتی انہیں سے اُن یتیموں کو دیا جائے جو محتاج ہوں۔  
اس باب میں کہ ہمسایوں میں سے کون مال وصیتی میں حصہ پانے کا مستحق ہے مشائخ  
(علماء) کا قول یہ ہے کہ ہمسایوں کے لفظ میں ہر شخص داخل ہے خواہ مکان رکھتا ہو  
خواہ نہ رکھتا ہو اور خواہ مرد ہو خواہ عورت اور خواہ مسلمان ہو خواہ ذمی۔ لفظ ہمسایہ  
ان سب پر برابر صادق آتا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ کا قول یہ بھی ہے کہ جو غلام مطلق  
کوئی مکان اُس جوار میں رکھتا ہو اُس وصیت سے مستفید ہو سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے اہل ہمار (یعنی اپنی زوجہ کے عزیزوں) کے  
باب میں وصیت کرے تو اُس لفظ میں اُسکی زوجہ کے سب اقرباء جو اُسکے محارم شرعیہ  
میں سے ہوں (مثل باپ اور بھائی وغیرہ کے) داخل ہیں اور اُسکی سو بیلی مان کی اولاد  
جو اُسکے باپ کے نطفہ سے ہو اور اُسکی بہو کے اقرباء جو اُسکے محارم شرعیہ میں سے ہوں  
وہ سب موصی کے اہل ہمار میں داخل ہیں اور اس وصیت میں موصی کی زوجہ کے  
سب اقرباء جو اُسکے محارم شرعیہ ہوں داخل ہیں اگرچہ موصی کی وفات کے وقت زوجہ  
نذکرہ طلاق راجع کے عدۃ میں ہو لیکن اگر وہ طلاق بائن ہو تو زوجہ نذکرہ کے اقرباء  
اُس وصیت میں نہیں داخل ہیں اس واسطے کہ اہل ہمار کا حق اُس وصیت میں اُسپر تو  
ہے کہ دو موصی کی وفات کے وقت اُسکی زوجہ اہل عقد میں ہو اور طلاق بائن  
سے وہ عقد بالکل فسخ نہ ہو گیا ہو۔

اگر کوئی شخص اپنے اقرباء کے باب میں وصیت کرے تو اُس وصیت  
کے یہ معنی لیے جائیں گے کہ سب سے قریب کے رشتہ داروں کے باب میں کی ہے  
جو اُسکے محارم یا محرمات شرعیہ ہیں اور اگر وہ نہ ہوں تو اُسکے بعد جو اُس سے قرابت



قریب رکھتے ہوں اور اسی طرح سے بہ ترتیب مدارج قرابت۔ امام اعظم کے نزدیک ایسی وصیت کا نفاذ موصی کے محارم و محرمات شرعیہ پر محدود ہے مگر صاحبین کے نزدیک ایسی وصیت موصی کے مورث اعلیٰ کی نسل سے جتنے لوگ ہوں ان سب پر حاوی ہے بشرطیکہ مسلمان ہوں۔ اور امام شافعی کے نزدیک ایسی وصیت صرف موصی کے باپ اور اسکی اولاد پر محدود ہے۔

اگر کوئی شخص دو چچا اور دو ماموں رکھتا ہو اور اپنے اقرباء کے باب میں وصیت کرے تو امام اعظم کے نزدیک وہ وصیت صرف اسکے چچاؤن کے حق میں ہوگی مگر صاحبین کے نزدیک چچا اور ماموں سب اس میں داخل ہونگے۔ لیکن اگر موصی ایک چچا اور دو ماموں رکھتا ہو تو اس صورت میں نصف مال وصیتی اس چچا کو اور نصف دونوں ماموؤں کو ملیگا۔ اگر وصیت قریب ترین اقرباء کے باب میں کی ہو تو کل مال وصیتی چچا کو ملیگا و دونوں ماموؤں کو کچھ نہ ملیگا۔ لیکن اگر موصی اپنے مرنے کے بعد ایک چچا اور ایک پھپھی اور ایک ماموں اور ایک خالہ چھوڑ جائے تو مال وصیتی چچا اور پھپھی میں برابر تقسیم کیا جائیگا کہ وہ دونوں درجہ قرابت میں ایک ہیں اور ان میں اور موصی میں جو قرابت نسبی ہے وہ اس قرابت سے قوی تر ہے جو موصی میں اور اسکے ماموں اور خالہ میں ہے۔ اگرچہ پھپھی اپنے بھتیجے کی وارث نہیں ہے تاہم اسکی وصیت میں اسی طرح شریک ہو سکتی ہے جس طرح وہ غریب جو غلام یا کافر ہو۔ ان سب صورتوں میں اگر موصی نے محارم یا محرمات شرعیہ میں سے کوئی نہ چھوڑا ہو تو وہ وصیت باطل ہے اس واسطے کہ اسکا نفاذ انھیں اقرباء پر محدود ہے۔

جب وصیت کسی خاص شخص یا قوم کے یتیموں یا لنگڑوں یا زنان بیوہ کے باب میں کیجائے اور انکی تعداد معلوم و معین ہو تو اس وصیت میں وہ سب شریک ہونگے خواہ غنی ہوں خواہ فقیر خواہ ذکور ہوں خواہ اناث اس واسطے کہ



اس صورت میں موصی لہم کی تعداد معلوم ہونے کی وجہ سے وصیت نافذ ہو سکتی ہے۔ اگر انکا شمار ہو سکے۔ اس جملہ میں امام ابو یوسف کے نزدیک اتنے لوگ داخل ہیں جنہوں کا شمار بحیاب لکھے ہو سکے مگر امام محمد کے نزدیک اس جملہ میں سوا دسویں سے زیادہ نہیں داخل ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اس امر کا انفصال قاضی کی رائے پر موقوف ہے اور اسی کے موافق فتوے دیا جاتا ہے اور فصل خصوصیات کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر جس قوم کے باب میں وصیت کی ہے اس قوم کے لوگوں کا شمار نہ ہو سکے تو اس وصیت میں صرف غباء داخل ہیں امرائین داخل ہیں کیونکہ وصیت ایک امر نیک یا کار ثواب ہے جس سے خوشنودی خدا حاصل کرنا مقصود ہے اور خدا محتاجوں کی حاجت روائی کرنے سے خوش ہوتا ہے۔ علاوہ برین اس وصیت کے فحوا سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ موصی لہ غریب و محتاج ہو اور موصی کا منشاء بھی سمجھنا چاہیے۔

لیکن اگر کوئی شخص کسی قوم کے دو نوجوان مردوں یا عورتوں کے باب میں وصیت کرے۔ اور انکا شمار نہ ہو سکے تو یہ اور صورت ہے۔ اس صورت میں وصیت باطل ہے اس واسطے کہ اس وصیت کے فحوا سے موصی لہم کا محتاج ہونا نہیں ثابت ہوتا ہے لہذا موصی کے کلام میں یہ تاویل نہیں ہو سکتی کہ اسنے غریب کو مراد لیا ہے اور نہ یہ وصیت اس قوم کے سب لوگوں کے باب میں درست ہو سکتی ہے کیونکہ جب وہ بے شمار ہیں تو انکی تعیین کیونکر ہو سکتی ہے اور وصیت ان موصی لہم کو جو مجہول الحقیقت ہوں باطل ہے کیونکہ وصیت ایسا فعل ہے جس سے موصی دوسرے شخص کو حق ملکیت دینا چاہتا ہے اور مجہول الحقیقت اشخاص کو یہ حق عطا کرنا محال ہے جب وصیت غریب و مساکین کے باب میں کی ہو تو اقل مراتب دو غریبوں کو مال وصیتی دینا چاہیے کیونکہ وصایا میں جمع کا اطلاق کم سے کم دو پر ہوتا ہے۔

جب کسی خاص شخص کی قوم کی اولاد کے باب میں وصیت کی جائے



تو اس میں مذکور وراثت سب برابر حق رکھتے ہیں کیونکہ لفظ اولاد سب پر حاوی ہے۔ جب کسی خاص شخص کے ورثہ کے باب میں وصیت کی جائے تو اس شخص کے سب ورثہ میں تقسیم کی جائیگی موافق قواعد میراث کے یعنی مرد کو عورت کا دو چند ملیگا اس واسطے کہ یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ لفظ ورثہ موصی نے اس غرض سے کہا تھا کہ وصیت کی تقسیم میں بھی وہی امتیاز رکھا جائے جو میراث میں رکھا جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے ثلث مال سے زائد کی وصیت کسی کے باب میں کرے تو اس وصیت کو گھٹا کر ثلث میں لے آئیں گے۔ مثلاً اسے عالمگیری میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی جائداد کے ایک ثلث کی وصیت ایک شخص کے باب میں اور ایک ثلث کی دوسرے شخص کے باب میں کرے اور دونوں وصیتوں کو اس کے ورثہ منظور کر لیں تو موصی لہم کو دو ثلث ملیں گے اور ورثہ کو ایک ثلث ملیگا۔ لیکن اگر ورثہ اس کو نہ منظور کریں تو موصی لہم ایک ثلث لے کر آپس میں نصف نصف تقسیم کر لیں گے۔ جب موصی نے ثلث مال کی وصیت ایک شخص کے باب میں اور ایک سدس کی وصیت دوسرے شخص کے باب میں کی ہو تو اس میں کمی نسبت دیکھا کر کی جائیگی یعنی پہلا موصی کہ ایک ثلث کے بدلے دو شیع پائیگا اور دوسرا موصی کہ ایک شیع پائیگا جس کا مجموع ایک ثلث ہوا۔

ردالمحتار میں بھی یہی لکھا ہے کہ اگر کوئی اپنے ثلث مال کی وصیت زید کے حق میں کرے اور دوسرے ثلث کی وصیت دوسرے شخص کے باب میں کرے اور ورثہ اس کو نہ منظور کریں تو ایک ثلث کو دو دون موصی لہم برابر تقسیم کر لیں گے۔ اور اگر وہ ایک ثلث ایک شخص کو اور ایک سدس دوسرے شخص کو دے تو ایک ثلث ان دونوں میں دو اور ایک کی نسبت سے تقسیم کیا جائیگا۔ اگر وہ اپنی کل جائداد ایک شخص کو اور اس کا ایک ثلث دوسرے شخص کو دے تو وہ ایک ثلث اُن میں برابر تقسیم کیا جائیگا۔ مگر یہ اس وقت ہوگا جبکہ ورثہ راضی نہوں۔ اگر ورثہ راضی ہو جائیں



تو کیونکر تقسیم ہوگی اس میں بڑا اختلاف ہے جس کا نتیجہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل مال و اسباب  
موصی کا چار سهام میں تقسیم کر کے ایک سہم دوسرے موصی لے کو اور تین سہم پہلے موصی لے  
کو دیے جائیں گے۔

مسائل شیعہ۔ مذہب شیعہ میں دوسری وصیت باطل ہو جائیگی اور ثلث مال جس میں  
وصیت نافذ ہو سکتی ہے پہلے موصی لے کو ملیگا۔ شرائع الاسلام میں اس مسئلہ کو عبارت  
ذیل بیان کیا ہے۔

”اگر کوئی شخص اپنا ثلث مال ایک موصی لے کو بذریعہ وصیت دیجائے  
اور ایک ربع دوسرے کو اور ایک سدس تیسرے کو اور اُسکے ورثہ اُن وصایا کو نہ منظور کریں تو  
ثلث مال پہلے موصی لے کو دیا جائے اور باقی وہ مایا باطل ہیں۔ لکن اگر وہ ثلث مال کی وصیت  
ایک شخص کے باب میں کرے اور دوسرے ثلث کی وصیت دوسرے کے باب میں کرے  
تو اس صورت میں دوسری وصیت سے پہلی وصیت منسوخ ہو جائیگی اور اگر اس میں شک  
پیدا ہو کہ موصی نے پہلے کس موصی لے کا نام لیا تھا تو اُس کا فیصلہ قرعہ اندازی سے  
لیا جائیگا۔ اگر کوئی شخص ایک شرکی وصیت دو آدمیوں کے باب میں کرے اور اُس شرک  
کی قیمت اُسکے ثلث مال سے زائد ہو اور اُسکے ورثہ مقدار زائد از ثلث کا اذن نہ دین  
تو حسب قدر اس شرک میں سے ثلث مال میں آجائے اُس قدر دو وزن موصی لے کا مال  
مشترک ہے۔ لکن اگر وہ ایک ایک چیز دو وزن کو بذریعہ وصیت دیجائے تو ابتدا  
اس شخص سے کیجائے جس کے حق میں پہلے وصیت کی تھی۔ اور جو کچھ کمی پڑے  
وہ دوسرے پر عائد ہوگی۔

یہ اصول وصایاے معین اور غیر معین دو وزن پر حاوی ہے

مثلاً اگر کوئی شخص ایک رقم کی یا اپنے متروکہ میں ایک حصہ کی وصیت کسی کے باب میں  
کرے اور دوسرے کے باب میں اُس قدر کی وصیت کرے حسب قدر اسکی بسر اوقات کو لے



ایک میعاد میں تک کافی ہو تو آخر الذکر وصیت کی مالیت کا تخمینہ کیا جائیگا اور دونوں وصیتوں کا تصفیہ اصول مصرعہ بالا کے بموجب کیا جائیگا۔

شرع حنفی۔ جب موصی ایک شخص کو اپنا نصف مال اور دوسرے شخص کو ربع مال بذریعہ وصیت دیجائے تو موصی لہم اپنا حصہ پانچویں بشرطیکہ اسکے ورثہ راضی ہو جائیں اور جو کچھ باقی رہے وہ ورثہ کو ملے گا مگر اگر ورثہ راضی نہ ہوں تو دونوں وصیتوں کا ثلث مال میں کیا جائیگا جو جائز الوصیت ہے اور جو سات حصوں میں تقسیم کیا جائیگا چار حصے نصف مال کے موصی لہ کو اور تین حصے ربع مال کے موصی لہ کو دیے جائیں گے۔ یہ قول امام اعظم کا ہے۔ مگر صاحبین کے نزدیک اس ایک ثلث کے تین حصے کر کے دو حصے نصف مال کے موصی لہ کو اور ایک حصہ ربع مال کے موصی لہ کو دیا جائیگا۔

جب رقم معینہ یعنی مثلاً ہزار درہم کی وصیت ایک شخص کے باب میں اور دو ہزار درہم کی وصیت دوسرے شخص کے حق میں کی ہو اور ایک ثلث جو جائز الوصیت ہے اسکی مالیت صرف ہزار درہم کی ہو تو امام اعظم کے نزدیک ہر ایک موصی لہ کو اس ہزار درہم میں سے بقدر اسکے پورے حصہ کے دیا جائیگا اس واسطے کہ بادی النظر میں یہ اسوجہ سے جائز ہے کہ شاید موصی نے اور جائداد اسقدر چھوڑی ہو کہ یہ رقم اسکے ایک ثلث میں آجائے۔ اور اس میں سب علماء کا اتفاق ہے کہ جب متعدد وصایا میں سے ہر ایک وصیت ثلث مال سے زائد میں نہ ہو یعنی مثلاً ایک ثلث ایک شخص کو اور ایک ربع دوسرے شخص کو بذریعہ وصیت دیا گیا ہو اور ورثہ دونوں کو نہ منظور کریں تو ہر ایک موصی لہ بقدر اپنی پوری وصیت کے حصہ پانے کا مستحق ہے چاہے وہ جو کچھ ہو اور اسی کے موافق وہ ثلث اتنے دونوں میں تقسیم کیا جائیگا۔

جب وصیت غیر معینہ طور سے کیجائے یعنی مثلاً موصی کے



کہ مین اپنے مال کا ایک حصہ فلان شخص کو دیتا ہوں تو وہ اپنے منشاء کی تصریح اپنی زندگی میں ہر وقت کر سکتا ہے اور اُسکے مرنے کے بعد اُسکی وصیت کے معنی بیان کرنا اسکے ورثہ پر موقوف ہے۔ اگر وصیت ایک سہم یا ایک جزء کی ہو تو بعض علماء کا قول ہے کہ ورثہ کو اختیار ہے کہ جس قدر چاہیں دین مگر مبسوط میں لکھا ہے کہ ایک سہم کے موصی لہ کو بقدر اقل سہام ورثہ دیا جائے بشرطیکہ وہ ثلث مال سے زائد نہ ہو۔ یہ قول صاحبین کا ہے۔ جب کسی شخص نے اپنے مال کے ایک سہم میں وصیت کی ہو اور کوئی وارث نہ چھوڑا ہو تو موصی لہ کو نصف ملیگا اس واسطے کہ بیت المال بجائے موصی کے فرزند کے ہے اور یہ صورت بمنزلہ اسکے ہے کہ اُسے دو فرزند چھوڑے ہیں جن میں اسکا مال برابر تقسیم کیا جائیگا۔

اگر کوئی شخص اپنے بیٹے یا بیٹی کے حصہ کی وصیت کرے تو اگر وہ بیٹا یا بیٹی زندہ ہو تو یہ وصیت باطل ہے اس واسطے کہ اُسے دوسرے شخص کے مال میں وصیت کی ہے لکن اگر اُسکے بیٹا یا بیٹی کچھ نہ ہو تو یہ وصیت جائز ہے۔ اگر دختر یا لیسپر کے حصہ کے مثل کی وصیت کی ہو تو یہ وصیت جائز ہے اگرچہ اُسکا بیٹا یا بیٹی موجود ہو اس واسطے کہ کسی چیز کا مثل خود وہ چیز نہیں ہے بلکہ اور چیز ہے پس بیٹی کا حصہ دریافت کر کے اُسکے برابر ایک رقم موصی لہ کو دیدی جائے۔ لکن اگر وہ ثلث مال سے زیادہ ہو تو ورثہ کا اذن حاصل کرنا ضرور ہے اور اگر ایک ثلث کے برابر یا اُس سے کم ہو تو بغیر اذن ورثہ درست ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص ایک بیٹے کے حصہ کی وصیت کسی کے باب میں کرے اور ایک بیٹا رکھتا ہو تو موصی لہ کو نصف مال وصیتی ملیگا بشرطیکہ ورثہ راضی ہو جائیں ورنہ صرف ایک ثلث ملیگا۔ اسی طرح سے اگر وہ دو بیٹے رکھتا ہو تو زیلعی کے نزدیک موصی لہ ایک ثلث پائیگا۔ جب موصی اپنے مرنے کے بعد صرف ایک بیٹی چھوڑ جائے اور بیٹی کے حصہ کی وصیت کی ہو تو موصی لہ نصف پائے گا بشرطیکہ وہ بیٹی راضی ہو جائے ورثہ ایک ثلث پائیگا۔ اور اگر دو بیٹیاں ہوں تو مناج میں لکھا ہے کہ موصی لہ ایک



ثالث پائیگا۔ اور اگر تین بیٹیاں ہوں تو فقط ایک ربع پائیگا۔ اس قول کی تائید میں مجتہد کا قول دیا ہے۔ یہ ایک کتاب امام زہدی کی ہے۔ اگر کوئی موصی اپنے مرنے کے بعد ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑ جائے اور بیٹی کے حصہ کی وصیت کی ہو تو موصی لہ کو ایک ربع ملیگا۔ اور اگر کوئی موصیہ اپنے مرنے کے بعد ایک شوہر اور ایک خواہر عینی ایک غلائی اور ایک اخیانی چھوڑ جائے اور خواہر غلائی کے حصہ کی وصیت کر جائے تو موصی لہ کو ایک عشر ملیگا۔ مجتہدین میں یہی لکھا ہے۔ اور ہند یہ یعنی قتاوے عالمگیری میں اس مسئلہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ شوہر اپنا حصہ معینہ پائیگا اور باقی موصی لہم اور ان تینوں بیٹوں میں بہ مقادیر شرعیہ تقسیم کیا جائیگا۔ اگر کوئی موصی اپنے مرنے کے بعد ایک مان اور ایک بیٹا چھوڑ جائے اور ایک بیٹی کے حصہ کی وصیت کی ہو تو اُسکی جائداد کے سترہ حصے کیے جائیں گے جن میں سے پانچ حصے موصی لہ کو اور دو حصے مان کو دیے جائیں گے۔

اس مسئلہ کو یوں سمجھیے کہ اگر موصی نے کوئی وصیت نہ کی ہوتی تو اُسکی جائداد کے چھ حصے کیے جاتے جن میں سے پانچ حصے بیٹے کو ملتے اور ایک حصہ مان کو ملتا۔ مگر جب موصی ایک بیٹی کے حصہ کی وصیت کرے تو اس حصہ میں کچھ اضافہ کرنا چاہیے اور چونکہ بیٹی کا حصہ بیٹے کے حصہ کا نصف ہوتا ہے لہذا اس میں  $\frac{1}{2}$  حصے اضافہ کرنے چاہئیں جس کا مجموعہ  $\frac{3}{2}$  ہوا اور جب اُسکو دو حیدر کر لیا تاکہ کچھ کسر نہ بچے تو ۱۱ حصے ہوئے جن میں سے پانچ حصے موصی لہ پہلے پائیگا اس واسطے کہ وصیت ثالث مال سے کم میں کی ہے لہذا ورثہ کی میراث پر مقدم ہے اور باقی بارہ حصوں میں سے دو حصے مان کو اور دس حصے بیٹے کو ملیں گے۔

اگر ایک بیٹی اور ایک بیٹا ہوں اور وصیت ایک بیٹی کے حصہ کی ہو تو موصی لہ کو ایک ثالث ملیگا خواہ وہ بیٹی یا وہ بیٹا راضی ہو خواہ نہ ہو۔ سبجانی کے قتاوے نامیہ میں یہی لکھا ہے۔



اگر کوئی شخص زوجہ اور ایک بیٹا رکھتا ہو اور دوسرے بیٹے کے حصہ کی وصیت کرے (اگر دوسرا بیٹا ہوتا) تو اسکی جائیداد کے پندرہ حصے کیے جائیں گے بشرطیکہ ورثہ اس وصیت سے راضی ہوں۔ اُن پندرہ حصوں میں سے موصیٰ لہ سات حصے پائیگا اور زوجہ ایک حصہ پائیگی اور بیٹا بھی سات حصے پائیگا۔ اس صورت میں صورت مذکورہ بالا کی طرح فرض کیجئے کہ اگر وصیت نہ ہوئی ہوتی تو وہ جائیداد آٹھ حصوں میں تقسیم کی جاتی جن میں سے ایک حصہ زوجہ کو اور سات حصے بیٹے کو ملتے۔ مگر جب جائیداد وصیتی کو دوسرے بیٹے کا حصہ فرض کر لیا (اگر وہ ہوتا) تو اُن حصوں میں سات حصے اور ملائے پڑے تاکہ مجموعہ پندرہ حصے ہو جائیں۔ لیکن چونکہ اس صورت میں مال وصیتی ثلث مال موصیٰ سے زائد ہے لہذا ورثہ کا اذن شرط ہے ورنہ وصیت ناجائز ہوگی۔

جب کوئی شخص ایک بیٹی اور ایک بھائی چھوڑ کر مر جائے اور دوسرے شخص کے باب میں ایک بیٹے کے حصہ کی وصیت کر جائے تو چونکہ اسکا کوئی بیٹا نہیں ہے لہذا موصیٰ لہ دو ثلث مال وصیتی پائیگا اور باقی ایک ثلث اُس بیٹی اور اُس بھائی میں نصف نصف تقسیم کیا جائیگا بشرطیکہ ورثہ راضی ہو جائیں۔ لیکن اگر وہ نہ راضی ہوں تو موصیٰ کہ کو صرف ایک ثلث ملے گا اور باقی دو ثلث بیٹی اور بھائی میں برابر تقسیم کیے جائیں گے۔ اور اگر وصیت ایک بیٹے کے حصہ کی مثل کی کی ہو اور اور سب امور ویسے ہی ہوں جیسے آخر الذکر صورت میں تھے تو موصیٰ لہ کو دو خمس جائیداد کے ملینگے بشرطیکہ ورثہ راضی ہو جائیں۔ اگر کوئی شخص ایک بھائی اور ایک بہن چھوڑ کر مر جائے اور کسی شخص کے باب میں ایک بیٹے کے حصہ کی وصیت کر جائے اور اُس وصیت کو اُسکے ورثہ منظور کر لیں تو موصیٰ لہ کل جائیداد پائے گا اور بھائی اور بہن کو کچھ نہ ملیگا۔ لیکن اگر اُسے ایک بیٹے کے حصہ کے مثل کی وصیت کی ہوتی اور اُس وصیت سے ورثہ راضی نہ ہو جائے تو موصیٰ لہ کو صرف ایک نصف ملتا



اور دوسرا نصف بھائی اور بہن میں اس طرح تقسیم ہوتا کہ بھائی کو دو حصے ملتے اور بہن کو ایک حصہ ملتا۔ ان دونوں صورتوں میں اگر اس وصیت کو ورثہ نامنظور کرتے تو موصی کو صرف ایک ثلث ملتا اور باقی دو ثلث اسی طرح سے بھائی اور بہن میں تقسیم کیے جاتے۔  
یہ سب اس وقت ہے جبکہ موصی ورثہ چھوڑ گیا ہو۔ لیکن اگر ورثہ نہ ہو اور موصی کسی خاص وارث کے حصہ کی وصیت کرے تو نصف موصی کو ملے گا اور نصف بیت المال میں داخل کیا جائیگا۔ قول مشہور یہی ہے اور جوہر میں بھی یہی لکھا ہے۔ وارث ذمی حق ہے لہذا بالکل محبوب الارث نہیں ہو سکتا۔

موصی نے اپنے مال کے ایک ثلث کی وصیت زید اور عمرو کے باب میں کی مگر عمرو وصیت کے وقت مر چکا تھا تو پورا ایک ثلث زید کو ملیگا۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ معدوم یا متوفی کوئی حق نہیں رکھتا ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ ہے کہ اگر موصی یہ نہ جانتا تھا کہ وصیت کے وقت عمرو مر چکا تھا تو صرف ایک نصف زید کو دیا جائے گا۔ زیلعی کا بھی یہی قول ہے۔ کیونکہ زید اور عمرو کے باب میں وصیت در حالیکہ عمرو مر چکا ہو بہتر اس وصیت کے ہے جو زید کے اور ایک شرمعدوم کے باب میں کی ہو۔ مگر جب وصیت زید اور عمرو کے درمیان کی ہو اور اس وقت عمرو مر چکا ہو تو جو موصی زید کو دے اس کو صرف ایک نصف ملیگا کیونکہ درمیان کے لفظ سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ نصف نصف دیا جائے۔

اگر کوئی شخص ان الفاظ سے وصیت کرے کہ میرا وصی میرے مال کا ایک ثلث زید اور پسر عبد اللہ کو دے اگر وہ میرے مرنے کے وقت محتاج ہو۔ اور موصی کی وفات کے وقت پسر عبد اللہ مالدار ہو تو صرف اس ثلث کا ایک نصف زید کو دیا جائے گا۔



یہی نتیجہ اسوقت ہوگا کہ جب موصی لم یمن سے کوئی شخص موصی کے حیات میں مر جائے۔ اصول یہ ہے کہ جب وصیت اشخاص موجودین یا اشیاء موجودہ کے باب میں کی ہو اور انہیں سے ایک وصیت کے بعد معدوم ہو جائے تو باقی ماندہ موصی لم یمن اپنے حصہ پانچنگے اور موصی لم یمن کا حصہ موصی کی اصل جائداد میں شامل ہو جائیگا۔ لیکن اگر موصی لم یمن سے ایک وصیت کے وقت موجود نہ تھا یا وہ صفت نہ رکھتا تھا جو موصی نے اس وصیت کے لینے کے لیے قرار دی تھی تو مال وصیتی موصی لم یمن موجودین کو ملیگا۔ مثلاً اگر وصیت زید اور ان لوگوں کے باب میں کی جائے جو کسی خاص مکان میں رہتے ہیں مگر اس مکان میں کوئی نہ رہتا تھا تو کل مال وصیتی زید کو ملیگا کیونکہ معدوم اشخاص کے حق میں وصیت نہیں ہو سکتی۔ یہی نتیجہ اسوقت بھی ہوگا جبکہ کوئی شخص زید اور اسکے اعتقاب کے باب میں وصیت کرے کیونکہ اعتقاب وہ لوگ ہیں جو کسی کے مرنے کے بعد زندہ رہیں اور انکی تعین وصیت کے وقت نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص کہو کہ یہ وصیت زید اور پسر عبد اللہ کے باب میں ہے اگر وہ میرے مکان میں رہے۔ اور پسر عبد اللہ اسکے مکان میں نہ رہے تو کل مال وصیتی زید کو ملیگا۔ لیکن جب وصیت زید اور عمرو کے باب میں کی ہو۔ اور عمرو موصی کے مرنے کے بعد مر جائے تو اسکا حصہ اسکے ورثہ کو دیا جائیگا۔

جب کوئی عورت شوہر چھوڑ کر مر جائے اور اپنے نصف مال کی وصیت کسی غیر آدمی کے حق میں کر جائے تو ایسی وصیت جائز ہے اور شوہر ایک ثلث اور موصی لم یمن ایک نصف کا مستحق ہے اور ایک سدس جو باقی رہا بیت المال میں داخل کیا جائے۔ اس واسطے غیر آدمی کے حق میں وصیت ثلث مال میں ورثہ کے حقوق پر مقدم ہے پس باقی دو ثلث بطور مشرکہ کے تقسیم ہو جائیں گے اس میں سے ایک نصف یعنی کل مال کا



ایک ثلث شوہر کا مال ہے اب رہا ایک ثلث اسکا کوئی وارث نہیں ہے لہذا باقی وصیت اس  
ایک ثلث میں نافذ ہوگی اور وہ کل جائداد کا ایک سدس ہے پس اب وصیت ایک  
نصف کی ہو جائیگی۔ اور چونکہ اس ایک سدس کا کوئی مستحق نہیں ہے لہذا وہ بیت المال  
کا حصہ ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایک زوجہ چھوڑ کر مر جائے اور اپنی تمام جائداد  
کی وصیت کسی غیر آدمی کے حق میں کر جائے اور زوجہ اس وصیت کو منظور نہ کرے تو وہ  
ایک سدس کی مستحق ہوگی اور باقی بائیس سدس موصی لہ یا بیگاسوا سطلے کہ ایک ثلث  
کا مستحق تو وہ از روے وصیت ہے اب رہے دو ثلث اسی میں سے ایک ربع زوجہ  
پائے گی جو کل جائداد کے ایک سدس کے برابر ہے اور باقی موصی لہ یا بیگا کہ وہ بیت المال  
پر ترجیح رکھتا ہے۔

جب کوئی شخص اپنے مال کے ایک ثلث کی وصیت کسی شخص کے بیٹوں  
کے باب میں کرے مگر وہ شخص وصیت کے وقت کوئی بیٹا نہ رکھتا ہو اور بعد ازاں جب  
موصی مر جائے تب اسکے یہاں بیٹے پیدا ہوں تو وہ بیٹے ثلث مال کے مستحق ہیں اور اگر  
وصیت کے وقت بھی اسکے بیٹے ہوتے مگر انکا نام موصی نے نہ لیا ہوتا یعنی احمد محمود وغیرہ  
نہ کہا ہوتا تو وہ وصیت ان سب بیٹوں کے نام ہوتی جو موصی کی وفات کے وقت موجود  
ہوتے۔ اور اگر وہ بیٹے جو وصیت کے وقت موجود تھے مر جائیں اور انکے بعد اور بیٹے  
پیدا ہوں اور وہ موصی کی وفات کے وقت زندہ ہوں تو وہ بھی ثلث مال کے مستحق  
ہیں۔ لیکن اگر موصی نے ان بیٹوں کا نام لے دیا ہو جو وصیت کے وقت موجود ہوں  
یا اور کسی طور سے انکی تصریح کر دی ہو تو وصیت صرف انھیں کے حق میں سمجھی  
جائیگی اور انکے مرنے پر باطل ہو جائیگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر موصی لمہ کا نام لے  
دیا گیا ہو اور کسی طور سے انکی تصریح کر دی گئی ہو تو انکے حق میں وصیت مخصوص



ہو جائیگی اور یہ لحاظ کیا جائیگا کہ کس وقت وہ وصیت کی گئی تھی۔

جب کوئی شخص اپنے مال کے ایک ثلث کی وصیت اپنی ام الولد کے باب میں کرے اور تین ام الولد رکھتا ہو اور فقراء و مساکین کے باب میں بھی کرے تو اس جائداد کے پانچ حصے کر کے تین حصے ام الولد کو دیے جائیں گے اور ایک حصہ فقراء اور ایک حصہ مساکین کو دیا جائیگا یہ قول امام اعظم اور امام ابو یوسف کا ہے۔ امام محمد کے نزدیک اس جائداد کے سات حصے کر کے تین حصے ام الولد کو اور دو حصے فقراء اور مساکین کو دیے جائیں گے قول اول احوط ہے۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص اپنے مال کا ایک ثلث زید اور مساکین کو از روے وصیت دے جائے تو زید کو نصف ملیگا اور دوسرا نصف امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک مساکین کو دیا جائیگا۔ مگر امام محمد کے نزدیک اس جائداد کے تین حصے کیے جائیں گے۔ جب کوئی شخص اپنے مال کے ایک ثلث کی وصیت زید اور فقراء و مساکین کے باب میں کرے تو امام اعظم کے نزدیک اس جائداد کے تین حصے کیے جائیں گے اور امام ابو یوسف کے نزدیک دو حصے اور امام محمد کے نزدیک پانچ حصے کیے جائیں گے اور یہی قول مختار ہے۔ جب کوئی شخص ثلث مال کی وصیت فقراء کے باب میں کرے تو امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس میں ایک فقیر بھی داخل ہو سکتا ہے مگر امام محمد کے نزدیک کم سے کم دو فقیر ہونے چاہئیں۔ مگر جب جماعت مساکین کا لفظ کہا ہو تو وہ وصیت صرف ایک مسکین کو نہیں مل سکتی۔ یہ مسئلہ جماعی ہے۔

اگر کوئی شخص فقراء بلخ کے حق میں وصیت کرے تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس وصیت میں سے اور فقراء کو بھی دینا جائز ہے اور اسی کے موافق فتوے ہیں۔ جب کوئی شخص اپنے ثلث مال کی وصیت ایک شخص کے باب میں کرے



دوسرے شخص سے کہے کہ میں نے تم کو اسکے ساتھ شریک کیا۔ تو وہ ثلث اُن دونوں کو ملیگا۔ اور اگر ایک شخص کے باب میں سو روپیہ اور دوسرے شخص کے باب میں بھی سو روپیہ کی وصیت کر کے تیسرے شخص سے کہے کہ میں نے تم کو ان کا شریک کیا تو یہ تیسرا شخص ہر سو روپیہ کے ایک ثلث کا مستحق ہوگا۔

جب کوئی شخص کسی غیر آدمی اور اسکے وارث کے باب میں وصیت کرے تو وہ غیر آدمی نصف پائیگا اور باقی وصیت باطل ہے اور اگر کسی انسان کے قاتل اور غیر آدمی کے باب میں وصیت کرے تو بھی ہی ہوگا۔

اگر کوئی شخص تین کپڑے رکھتا ہو ان میں سے ایک کپڑا اچھا ہو اور ایک وسط درجہ کا ہو اور ایک بُرا ہو اور وہ تینوں کپڑے تین آدمیوں کو از روئے وصیت دیجائے تب ان میں سے ایک کپڑا کم یا ضائع ہو جائے مگر یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کونسا کپڑا ہے اور ورثہ باقی دو کپڑے موصی لہم کو دنیا نہ منظور کریں اور ہر ایک موصی لہ سے کہیں کہ جس کپڑے کی وصیت تمہارے باب میں کی تھی وہ ضائع ہو گیا ہے تو اس صورت میں چونکہ اُن اشخاص کے حقوق کی تعیین نہیں کی گئی ہے اور جب اُن کے حقوق کی تعیین نہیں کی ہے تو جو فیصلہ اس مقدمہ کا کیا جائے جائز نہیں ہو سکتا اور موصی کا مقصد نہیں یہ کہ آسکتا لہذا ان وصایا کو باطل قرار دینا چاہیے مگر یہ کہ ورثہ باقی کپڑے حوالہ کر دیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو یہ عذر رفع ہو جائیگا اور سب سے عمدہ کپڑے کا موصی لہ و ثلث اس عمدہ کپڑے کا پائیگا جواب باقی رہ گیا ہے اور اوسط درجہ کے کپڑے کا موصی لہ اس عمدہ کپڑے کے باقی ایک ثلث کا مستحق ہوگا اور ایک ثلث بُرے کپڑے کا بھی پائیگا اور سب سے بُرے کپڑے کا موصی لہ اس کپڑے کے باقی و ثلث پائیگا۔

جو افزونی مال و صیثی میں قبل وفات موصی ہوئی ہو وہ موصی کا مال ہے مثلاً موشی کے بچے یا زمین کی پیداوار۔ اور اسپر دہی دیون عائد ہونگے جو موصی کی



باقی جائداد پر عائد ہوں۔ مگر وہ افزونی جو اسکی وفات کے بعد وقوع میں آئے اور اسوقت وقوع میں آئے جب اسکا ترکہ تقسیم ہو چکا ہو موصیٰ لہ کا مال ہے۔ اور جو افزونی بعد وفات موصیٰ مگر قبل تقسیم ترکہ وقوع میں آئے وہ دو حال سے خالی نہیں ہے یا موصیٰ لہ کے اس وصیت کو قبول کرنے کے قبل یا اسکے بعد وقوع میں آئی ہے۔ پہلی صورت میں وہ افزونی داخل وصیت اسوجہ سے ہے کہ اصل مال وصیتی کے مصنافات میں سے ہے اور ثلث مال سے ملنی چاہیے اور صرف اسوقت جائز ہے جبکہ ایک ثلث کے اندر ہو۔ مگر کلام اس میں ہے کہ اگر موصیٰ لہم کے قبول کرنے کے بعد مگر قبل تقسیم ترکہ افزونی ہوئی ہو تو اس میں بھی یہی حکم جاری ہوگا۔ اس سلسلہ میں امام محمد نے کوئی صاف فتویٰ نہیں دیا ہے مگر قدوری نے لکھا ہے کہ اس صورت میں وہ افزونی وصیت میں نہ داخل ہوگی اور کل جائداد سے لی جائیگی۔ لکن ہمارے مشائخ (علماء حنفیہ) نے فرمایا ہے کہ وہ افزونی وصیت میں داخل ہے اور ثلث مال سے لی جائیگی۔

اگر موصیٰ کی وفات کے بعد مال وصیتی میں ایسی افزونی ہوئی ہو جو اس سے جدا ہو سکے پس اگر اصل مال وصیتی اور وہ افزونی دونوں ایک ثلث میں داخل ہوں تو وہ دونوں موصیٰ لہ کا مال ہے۔ اگر وہ دونوں ثلث مال سے زائد ہوں تو امام اعظم کے نزدیک یہ ہے کہ اس وصیت کا نفاذ پہلے تو اصل مال میں بعد اسکے اس افزونی میں کیا جائیگا۔ مگر صاحبین کے نزدیک دونوں میں اسکا نفاذ برابر کیا جائیگا۔ یعنی مثلاً اگر موصیٰ چھ سو درہم اور ایک گھوڑی چھوڑ گیا ہو جسکی قیمت تین سو درہم ہے اور وہ گھوڑی بعد وفات موصیٰ مگر قبل تقسیم ترکہ بچے اپنے اور اس بچے کی قیمت بھی تین سو درہم ہو تو اس صورت میں اصل مال وصیتی اور اسکی افزونی کا مجموعہ چھ سو درہم ہوے تو امام اعظم کے نزدیک موصیٰ لہ اس گھوڑی اور اسکے بچے کے ایک ثلث کا مستحق ہے جسکا مجموعہ چار سو درہم یعنی اصل مال کا ایک ثلث ہو مگر صاحبین کے نزدیک موصیٰ لہ اصل مال اور افزونی دونوں میں دو دو ثلث پانے کا مستحق ہے۔ یہ اس تقدیر پر ہے کہ اس گھوڑی کے بچے دینے کے پیشتر اور نیز قبل تقسیم ترکہ موصیٰ لہ نے اصل وصیت کو قبول



کر لیا ہو۔ اگر اُس گھوڑی کے بچہ جننے کے وقت اور تقسیم ترکہ کے بعد موصی نے اُس وصیت کو قبول کر لیا ہو تو وہ اُسکا مال ہے اور اگر اُسکے قبول کرنے کے بعد مگر تقسیم ترکہ کے قبل وہ گھوڑی بچہ جنی ہو تو قدرتی کے نزدیک یہ وصیت نہیں ہے مگر ہمارے مشائخ (علماء حنفیہ) کے نزدیک یہ وصیت ہے اور ثلث مال میں اسطرح نافذ ہوگی کہ گویا وہ گھوڑی وصیت قبول ہونے کے پیشتر بچہ جنی تھی۔ اگر یہ امر قبل وفات موصی وقوع میں آئے تو وہ بچہ اس وصیت میں ہرگز نہ داخل ہوگا بلکہ اُس میں بھی وہی احکام جاری ہونگے جو متوفی کی باقی جائداد میں جاری ہونگے۔

مسائل شیعہ۔ مذہب شیعہ میں یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی نصف جائداد کے باب میں وصیت کرے اور پہلے اُسکے ورثہ راضی ہو جائیں مگر بعد ازاں کہیں کہ ہم سمجھے تھے کہ مقدار وصیت بہت کم ہے تو ڈگری اُس مقدار کی دی جائیگی جو مقدار وصیت ورثہ بیان کریں اور باقی کے باب میں اُنہیں حلف لیا جائے مثلاً اگر وصیت ایک غلام یا ایک مکان کی ہو اور ورثہ پہلے تو راضی ہو جائیں مگر بعد اُسکے کہیں کہ ہم سمجھے تھے کہ یہ متوفی کے مال کے ایک ثلث سے زیادہ نہیں ہے اور اگر زیادہ ہے تو یونہی خفیف سی زیادتی ہے تو اُنکا یہ بیان قابل توجہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اُنہوں نے اُس چیز کی وصیت کا اذن دیا ہے جسکو وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ جب ہم نے اس وصیت کو منظور کیا تھا اسوقت ہم اس شے کی مالیت سے ناواقف تھے۔ اگر کوئی شخص اپنے مال کے ایک ثلث کی وصیت بطور مشاع یعنی بلا انقسام کرے تو موصی الہ ہر چیز کے ایک ثلث کا حق ہے جو موصی کے قبضہ میں اُسکی وفات کے وقت تھی۔ اگر وہ کسی خاص چیز کی وصیت کرے جسکی قیمت اُسکی جائداد کے ایک ثلث کے برابر ہو تو اُسکے مرنے کے بعد موصی الہ مالک بلا شرکت غیر موصی نہ کا ہو جائیگا اور ورثہ کا کوئی عذر اُسکے باب میں نہ چلیگا۔ اور اگر متوفی نے مال موجود اور مال غیر موجود دونوں چھوڑے ہوں (مثلاً نقد روپیہ اور قرضہ) تو اُس چیز میں سے اُس قدر موصی الہ کو دیا جائیگا جس قدر مال موجود کے ایک ثلث کے برابر ہو اور باقی کا انتظار موصی الہ اسوقت تک کر لیا جیتا کہ ورثہ قرضہ کو وصول کریں کیونکہ جو چیز بالفعل موجود



نہیں ہے شاید وہ کم یا ضائع ہو جائے اور کبھی نہ وصول ہو۔ لہذا اگر اس نے اپنے غلام کے ایک ثلث کے باب میں وصیت کی ہو اور اس کا دو ثلث اور کسی شخص کا مال ثابت ہو تو اس وصیت کا نفاذ کل اس ایک ثلث میں کیا جائے جو موصی کا مال ہو اور وہ وصیت ایک ثلث کے ثلث پر نہ محدود کی جائے اس واسطے کہ اس کا نفاذ ہو سکتا ہے بے اس کے کہ ورثہ کے حق میں دست اندازی لازم آئے جب یہ فرض کیا جائے کہ موصی کی باقی جائداد کی ملکیت اس غلام کے دو ثلث کے برابر ہے۔

جب کوئی شخص ایک وصیت کرنے کے بعد دوسری وصیت کرے جو پہلی وصیت کے خلاف ہو تو دوسری وصیت نافذ کی جائیگی۔

جب کوئی شخص کہے کہ دو اگر اس عورت کے رحم میں لڑکا ہے تو اس کو دو درہم دیے جائیں اور اگر لڑکی ہے تو اس کو ایک درہم دیا جائے اور اس عورت کو ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوں تو ان کو تین درہم دیے جائیں۔ لیکن اگر اس نے کہا ہو کہ اگر اس عورت کے رحم میں لڑکا ہے تو اس کو اتنا دیا جائے اور اگر لڑکی ہے تو اتنا دیا جائے اور اس عورت کے لڑکا اور لڑکی دونوں پیدا ہوں تو ان کو کچھ نہیں ملے گا۔

اگر کوئی شخص اپنے غلام کی خدمت یا اپنے باغ کے سیوہ یا اپنے مکان کی سکونت یا اور کسی چیز کی منفعت کی وصیت دے یا ایک مدت معین تک کرے تو جو منفعت اس مال سے حاصل ہوا اس کا تخمینہ کیا جائے اگر وہ موصی کے ثلث مال سے زائد ہو تو وہ وصیت جائز ہے اور اگر ایک ثلث سے زیادہ ہو تو موصی لہ اس قدر پائیکا جس قدر ایک ثلث میں آجائے اور اس سے زائد میں وصیت باطل ہے۔

جب کوئی شخص اپنے غلام کی خدمت کی وصیت ایک مدت معین تک کرے تو اس غلام کے نفقہ کے مصارف اس کے ورثہ میں کیونکہ یہ ایسا فرض ہے جو اس غلام کے مال پر ہوتا ہے اور موصی لہ صرف اس غلام کی خدمت کا مستحق ہے باقی سب حقوق ملکیت اس شخص کے



ورثہ کے مین جیسے بیچ اور عتق وغیرہ مگر انہیں سے کوئی حق موصیٰ لہ کے حق کو نہیں باطل کر سکتا۔  
جب موصیٰ نے ایسی لفظ کا استعمال کیا ہو جو مستعدا شیا مین مشترک ہو اور  
سب پر صادق آسکتا ہو تو ورثہ کو اختیار ہے کہ انہیں سے جو چیز چاہیں موصیٰ لہ کو دیدیں۔ لیکن  
اگر موصیٰ نے کہا ہو کہ میری کمان اسکو دیدو اور اسکے پاس ایک ہی کمان ہو تو وہی کمان  
موصیٰ لہ کو دیدی جائے چاہے وہ جیسی ہو۔

جب کوئی شخص کسی غیر آدمی کو اپنے بیٹے کے حصہ کا مثل از روے وصیت  
دے گیا ہو اور اسکا ایک ہی بیٹا ہو تو یہ بمنزلہ اسکے ہے کہ اُس نے اپنی جائداد کو اُن دونوں میں تقسیم  
کر دیا ہے اور موصیٰ لہ نصف جائداد کا مستحق ہے مگر یہ کہ ورثہ کل وصیت کو منظور نہ کریں کہ اس صورت  
میں موصیٰ لہ کا حق صرف ایک ثلث میں رہ جائیگا۔ اگر موصیٰ کے دو بیٹے ہوں تو وصیت ثلث  
مال کی رہ جائیگی اور اگر تین بیٹے ہوں تو ربع مال کی رہ جائیگی۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ موصیٰ لہ  
ورثہ میں شامل ہو کر ایک وارث سمجھا جائیگا اگر وہ سب متروکہ میں برابر حصہ پانے کے مستحق  
ہوں۔ لیکن اگر اُنکے حصے مختلف ہوں یعنی بعض کے زیادہ اور بعض کے کم ہوں تو موصیٰ لہ  
مثلاً اُس وارث کے سمجھا جائیگا جسکا حصہ سب سے کم ہے مگر یہ کہ موصیٰ نے بالتحقیص کہہ دیا ہو  
کہ اسکا حصہ سب سے بڑے حصہ کے برابر ہو کہ اس صورت میں موصیٰ کے حکم کی تعمیل کی جائے  
پھر ملاحظہ کیجیے کہ اگر موصیٰ نے کہا ہو کہ میری بیٹی کے حصہ کے مثل تو ہمارے علماء (شیعہ) کے  
تزدیک موصیٰ لہ نصف کا مستحق ہے بشرطیکہ اُس بیٹی کے سواے اور کوئی وارث موصیٰ کا نہ ہو لیکن  
اگر وہ پوری وصیت کو نہ منظور کرے تو موصیٰ لہ کا حق ایک ثلث میں رہ جائیگا اسواسطے شیعوں  
کے تزدیک بیٹیان کل جائداد پاتی ہیں اور عصبیات یعنی اقرباء ذکور پدری کو کچھ نہیں ملتا  
لہذا موصیٰ لہ مثل دوسرے بیٹے کے ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص تین اخیانی بنین اور تین علاتی بھائی رکھتا ہو اور کسی غیر  
آدمی کے باب میں اپنے ایک وارث کے حصہ کے مثل کی وصیت کرے تو موصیٰ لہ مثل اسکی



ایک بہن کے سمجھا جائیگا اور موصی کی جائداد دس حصوں میں تقسیم کی جائیگی انہیں سے ایک حصہ موصی لہ کو ملیگا اور اخیانی بہنوں کو تین حصے اور علانی بھائیوں کو باقی چھ حصے موافق قاعدہ وراثت بلا وصیت کے ملینگے۔ اگر موصی ایک زوجہ اور ایک بیٹی رکھتا ہو اور بیٹی کے حصہ کے مثل کی وصیت کرے اور ورثہ اسکو منظور کر لیں تو موصی لہ اس مال کے سات حصوں کا مستحق ہے اور سات ہی حصے بیٹی پائیگی اور زوجہ کو دو حصے ملینگے پس اس صورت میں کل جائداد سولہ حصوں پر تقسیم کی جائیگی۔ مگر یہ کہنا بہتر ہے کہ اس صورت میں زوجہ پندرہ میں سے ایک حصہ زیادہ کی نہیں مستحق ہے لہذا کل جائداد پندرہ حصوں میں تقسیم کی جائیگی۔ لیکن اگر کوئی شخص چار ازواج اور ایک دختر رکھتا ہو اور کہے کہ انہیں سے ایک کے حصہ کے مثل تو اس کے مال کے ۲۴ حصے کیے جائینگے جسکا ایک شش یعنی چار حصے چار ازواج کو برابر دیے جائینگے اور موصی لہ ایک حصہ مثل ایک زوجہ کے حصہ کے پائیگا اور باقی ۲۰ حصے بیٹی کو ملینگے۔

جب کوئی شخص اپنی اولاد کے حصہ کے دو چند کے باب میں وصیت کرے تو موصی لہ کو اس حصہ کا دو چند ملیگا اور اگر موصی ضعیفان یعنی چار چند کا لفظ کہے تو موصی لہ کو اس حصہ کا چار چند ملیگا مگر بعض علماء کے نزدیک سہ چند کا مستحق ہے اور ترجیح اسی قول کو ہے۔ اور یہی اس صورت میں ہوگا جبکہ موصی نے ضِعْفُ الضِعْف یعنی اس حصہ کے دو چند کے دو چند کا لفظ کہا ہو۔

اگر کوئی شخص اپنی اولاد کے حصہ کی وصیت غیر آدمی کے حق میں کرے تو یہ وصیت بعض علماء کے نزدیک باطل ہے اس واسطے کہ یہ وصیت دوسرے شخص کے مال کی ہے مگر اصول کے موافق یہی کہنا چاہیے کہ یہ وصیت جائز ہے اور اس کے وہی معنی ہیں جو اس کے حصہ کے مثل کے معنی ہیں لیکن اگر موصی ایک بیٹا رکھتا ہو اور وہ اپنے باپ کو قتل کر ڈالے اور موصی اس بیٹے کے حصہ کے

سلاہ اولاد کے حصہ کی وصیت غیر آدمی کے باب میں کرنا از روئے شرع حنفی اس وجہ سے ناجائز ہے کہ دوسرے کے حق کی وصیت کرنا نہیں جائز ہے یعنی وہ اولاد جو کسی حال میں محبوب الارث نہ ہو سکے۔ ۱۲ منہ



مثل کی وصیت کرے تو بعض علماء کا قول ہے کہ یہ وصیت باطل ہے مگر از روئے اصول شرع ایسی وصیت کو جائز کہنا چاہیے۔

جب کوئی شخص جسکی جائیداد متفرق مقامات پر واقع ہو اسکے ایک ثلث کی وصیت فقراء کے حق میں کرے تو جو جائیداد شہر میں پائی جائے وہ اُسی شہر کے فقراء کو دیا جائے بلکہ کل مال موٹی بہ موٹی کے شہر کے فقراء کو دینا جائز ہے اور جو لوگ اس شہر میں نہ رہتے ہوں اور محتاج ہوں انکو بھی دینا جائز ہے مگر کسی کو تالاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو لوگ اس وصیت سے مفید ہوں انکو چاہیے کہ تین یا تین سے زیادہ ہوں کیونکہ موصی نے صیغہ جمع استعمال کیا ہے جسکا اطلاق کم سے کم تین پر ہوتا ہے۔ اگر موصی کہے کہ ۱۰ غلاموں کو آزاد کرو تو وصی کو لازم ہے کہ اقل مراتب تین غلام آزاد کرے مگر یہ کہ موصی کے مال کا ایک ثلث مقدار وصیت سے کم ہو۔ جب کوئی شخص مکان کی وصیت کرے اور وہ مکان اسکی وفات کے پیشتر منہدم ہو کر بالکل زمین سے ملا دیا جائے تو یہ وصیت باطل ہے اس واسطے کہ آپس پر لفظ دار یعنی مکان نہیں صادق آسکتا۔ یہ مسئلہ مشکوک ہے۔

جب کوئی شخص کہے کہ زید کو اور فقراء کو ایک رقم دیدو تو بعض علماء کے نزدیک زید ایک نصف کا اور بعض کے نزدیک صرف ایک ربع کا مستحق ہے۔ مگر قول اول بہت معتبر و مستند ہے۔

۱۔ یہ اصول مذہب شریع الاسلام اور جواہر الکلام سے نقل کیے گئے ہیں۔ واضح ہو کہ ان سب مسائل میں دو قول ہیں اور محقق ابو القاسم علی صاحب شریع الاسلام نے ان دونوں کا ذکر کر کے ہمیشہ اپنے قول کو ترجیح دی ہے مگر شیخ مرتضیٰ علم الہدے اور ابن حبیبہ اور محمد ابن ادریس حلی اور ابن زہرہ حلی صاحب غنیہ کا قول اکثر مسائل میں محقق حلی اور ارتقاہ میں کے خلاف ہے میں نے یہ عبارتیں شریع الاسلام سے نقل کر دی ہیں اور پرانے اقوال کو اپنی عبارت میں نہیں نقل کیا ہے۔ میں نے یہی صاحب کی شریع امامیہ کا تتبع کیا ہے گو میرے نزدیک ایم کوری صاحب کے ترجمہ فرانسیسی کو ترجیح ہے۔ ملاحظہ ہو ۱۲۔ منہ۔



اقرار قرضہ بنا بر  
شرع حنفی

اقرار قرضہ اکثر اسوجہ سے کر لیا جاتا ہے کہ اُس قاعدہ کا اثر باطل ہو جائے  
جسکے بموجب وہ وصایا جو ثلث مال سے زائد ہوں ثلث تک کم کر دینے  
پڑتے ہیں لکن جب اقرار دین مرض الموت کی حالت میں کیا جائے اور پیشتر سے سوچ کر  
نہ کیا جائے تو ایسا اقرار بھی شرعاً وصیت کے حکم میں ہے اور اُس میں ثلث تک کمی کرنی لازم ہے۔  
چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص مرض الموت میں اپنے ورثہ سے کمے کہ میں زید کا فرزند  
ہوں اور جو وہ کہے تلو اسکا اعتبار کرنا چاہیے تو اس صورت میں قرضہ کا دعویٰ کسی مقدار  
تک جو ثلث مال سے زائد نہ ہو تسلیم کر لینا چاہیے اگرچہ ورثہ اُس دعویٰ کی تکذیب کریں۔

### حاشیہ

#### احکام اُن وصایا کے جو غیر مسلم نے کیے ہوں

نویسین یعنی وہ لوگ جو مسلمان نہ ہوں مگر مطیع الاسلام یا دشادان اسلام کی رعیت ہوں اور اُنکے  
وصایا کے باب میں فتاویٰ عالمگیری میں احکام ذیل لکھے ہیں۔

ذمی کی وصیت امور دنیوی کے باب میں اجماعاً یعنی باتفاق علماء جائز ہے  
امور دنیوی کے سوائے اور امور کی چار قسمیں ہیں۔

اول۔ بعض امور ایسے ہیں جو ہمارے اور اُنکے نزدیک (یعنی مسلم اور ذمی دونوں  
کے نزدیک) موجب تقرب خدا ہیں۔ ایسے امور کے لیے وصایا جائز ہیں خواہ وہ کسی فرقہ کے  
لوگوں کے باب میں کیے جائیں۔

دوم۔ وہ امور ہیں جو ہمارے اور اُنکے دونوں کے نزدیک حرام یا مکروہ  
ہیں۔ ایسے امور کی وصیت اُس حالت میں جائز ہے۔ جبکہ ایک گروہ خاص کے باب میں کیجائے  
اور بطور سبب کے بلا لحاظ مقاصد کیجائے۔ لکن اگر اُن اشخاص کی تخصیص نہ کر دیجائے  
تو وصیت باطل ہے۔

سوم۔ وہ امور ہیں جو ہمارے نزدیک موجب تقرب الہی اور اُنکے نزدیک  
گناہ ہے۔ ایسے امور کے وصیت بھی اس شرط سے جائز ہے کہ خاص اشخاص کے باب میں بطور سبب اور  
بلا لحاظ مقاصد کیجائے۔ اگر اُن اشخاص کی تخصیص نہ کیجائے تو وہ وصیت باطل ہے۔



چہارم وہ اموی جنہیں ہمارے نزدیک معصیت اور اُنکے نزدیک ثواب ہے۔ ایسے  
اموی کی وصیت امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے خواہ موصی لہم کی تخصیص کی جائے خواہ نہ کی جائے  
مگر صاحبین کے نزدیک باطل ہے اگر موصی لہم کی تخصیص نہ کی جائے۔ مثلاً جب کوئی ذمی نصرانی ہو خواہ  
یہودی یہ وصیت کرے کہ میری طرف سے غلام خرید کر آزاد کرنا خواہ اُسکی نصرت کی ہو خواہ  
نہ کی ہو یا یہ وصیت کرے کہ میرے مال کا ایک ثلث فقراء و مساکین کو دیا جائے یا بیت المقدس  
کی روشنی یا کفار (ترک) سے غزوات صلیبی (جہاد) میں صرف کیا جائے تو وہ وصیت جائز ہے  
اگر کوئی ذمی اپنے مال کے ایک ثلث کی وصیت اپنے ماتم داروں اور نوحہ خواہوں کے حق میں  
کرے تو یہ وصیت جائز ہے بشرطیکہ موصی لہم کی تخصیص کر دی ہو اور اُنکے باب میں وصیت بطور  
ہبہ کے ہو لکن اگر اُنکی تخصیص نہ کی ہو تو وصیت باطل ہے۔ اور اگر کوئی ذمی ثلث مال میں  
وصیت کرے کہ چند مسلمانوں کے مصارف حج میں لایا جائے یا مسلمانوں کے لیے مسجد بنانے  
میں صرف کیا جائے اور اُن لوگوں کی تخصیص کر دے تو یہ وصیت بطور ہبہ کے جائز ہے لکن  
اگر موصی لہم کی تخصیص نہ کی ہو تو وصیت باطل ہے۔ اگر ذمی اپنے مال کا ایک ثلث معبد نصار  
(گرجا) یا معبد یہود بنانے کے لیے یا کسی مکان کو معبد یہود و نصارے کر دینے کے لیے از روے  
وصیت دے جائے تو صاحبین کے نزدیک یہ وصیت باطل ہے مگر یہ کہ کسی فرقہ خاص کے باب  
میں ہو کہ اس صورت میں ہبہ ہو جائیگا مگر امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک ایسی وصیت بہر حال  
جائز ہے۔ لکن مشائخ حنفیہ نے فرمایا ہے کہ ایسی وصیت صرف اُس حال میں جائز ہے  
جبکہ معابد اہل کتاب دیہات میں بنائے جائیں قصبات میں نہ بنائے جائیں کہ اس صورت  
میں وصیت باطل اور غیر موثر ہے۔

اگر کوئی ذمی جو دار الاسلام میں مستہین ہو مسلم یا ذمی کے باب میں وصیت کرے  
تو وہ وصیت اسکے کل مال میں جائز ہے مگر یہ کہ اُسکا وارث اسکے ساتھ دار الاسلام میں چلا  
آیا ہو اس صورت میں ثلث مال سے زائد کی وصیت اُس وارث کی رہنمائی پر موقوف  
ہے۔ لکن اگر وہ لا وارث ہو تو وہ وصیت کل مال میں اُسی طرح جائز ہے جیسے مسلم یا ذمی  
کی وصیت ایسی صورت میں جائز ہے۔

اگر موصی مذکور کا کوئی وارث دار الحرب میں ہو تو بھی کل مال کی وصیت

بلا اذن وارث جائز ہے۔



اگر اُس نے صرف اپنے مال کے ایک جزو کی وصیت کی ہو تو باقی اُس کے اس وارث کو جو دار الحسب میں ہے دیا جائیگا۔ اگر ذمی اپنے ثلث مال سے زیادہ کی وصیت کرے یا اپنے ورثہ میں سے ایک وارث کے باب میں وصیت کرے تو وہ اسی طرح ناجائز ہے جس طرح ایسی وصیت جو مسلم کرے ناجائز ہے۔

ہدایہ میں بھی یہی لکھا ہے کہ اگر کوئی یہودی یا نصرانی بجاالت صحت نفس ایک گرجا بنوا کر مرجائے تو وہ گرجا ہمارے سب علماء کے نزدیک اُس کے متروکہ میں داخل ہے اس واسطے کہ امام اعظم ابو حنیفہ نے ایسے مکان کو وقف نہ ہی قرار دیا ہے جو اُس کے اصول کے موافق وقف مطلق نہیں ہے بلکہ واقف کے ورثہ کو وراثتاً پہنچتا ہے مگر صاحبین کے نزدیک ایسی سب عمارات حرام اور ناجائز ہے لہذا بانی کے ورثہ کو اسی طرح وراثتاً پہنچتی ہیں جس طرح اُسکی اور جائیداد پہنچتی ہے۔ اگر کوئی یہودی یا نصرانی یہ وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد میرا مکان کسی خاص فرقہ کے لیے گرجا بنادالا جائے مگر اُس فرقہ کی تصریح نہ کرے تو یہ وصیت امام اعظم کے نزدیک جائز ہے مگر صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ ایسا فعل فی الواقع تو حرام ہے گو موصی کی نظر میں حلال ہو اور فعل حرام کی وصیت اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اُسکی تعمیل مستلزم تخلیل حرام ہے۔ امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ ایسی عمارات (گرجا وغیرہ) بنوانا ثواب جانتے ہیں اور چونکہ وہ کفار ذمی ہیں جنکے باب میں حکم شرع یہ ہے کہ اُنکے مذہب میں جو فعل جائز ہو اُسکو عمل میں لانے کی اجازت اُنکو دیکجاے لہذا اُنکے اعتقاد کے موافق وہ وصیت جائز ہے۔

دو۔ سوال۔ ذمی کا حالت صحت میں گرجا بنوانا اور گرجا کی وصیت کر جانا ان دونوں باتوں میں کیا فرق ہے کہ امام اعظم نے پہلی صورت میں اُسکو قابل الوراث قرار دیا ہے اور دوسری صورت میں غیر قابل الوراث فرمایا ہے۔

جواب۔ ان دونوں باتوں میں یہ فرق ہے کہ گرجا بنوانے سے اُسکے بانی کا حق اپنے مال میں نہیں زائل ہوتا مگر گرجا کو عبادت خدا کے لیے وقف کر دینے سے اُس کا حق ملکیت اس طرح زائل ہو جاتا ہے جس طرح مسجد سے اُسکے بانی مسلم کا حق ملکیت زائل ہو جاتا ہے اور چونکہ کفار کا معبد قریب الے اللہ وقف نہیں ہو سکتا لہذا وہ بانی کا مال باقی رہتا ہے اور اُسکی دیگر جائیداد کی طرح قابل الوراث ہے۔ مگر برخلاف اُسکے وصیت کا تو یہی مقصود ہے کہ مال وصیتی میں موصی کا حق ملکیت زائل ہو جائے۔ ذمیین کے وصایا چار قسم کے ہیں۔ (۱) وصیت اُن ہموار کی جو اُنکے مذہب میں نیک ہیں مگر مسلمانوں کے نزدیک نیک نہیں ہیں جیسے معبد نصاریٰ و یہود بنوانا یا اُنکے



فقراء کے کھانے کے لیے سوز و فزع کرنا۔ ایسے امور کی وصیت امام اعظم کے نزدیک موصی کے مذہب کے موافق جائز ہے۔  
 مگر صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ حرام ہے (۲) وصیت ان امور کی جو مسلمانوں کے مذہب میں مستحسن ہیں مگر  
 زمیین کے اعتقاد میں مذموم ہیں جیسے مسجد بنوانا یا حج بیت اللہ کرنا یا مسجد میں چراغ جلانا۔ ایسی وصیت موصی کے  
 اعتقاد میں سب علماء کے نزدیک ناجائز ہے مگر یہ کہ وصیت خاص اشخاص کے باب میں کی ہو کہ اس صورت میں  
 جائز ہے۔ کیونکہ ایسی حالت میں وہ بہہ یا عطیہ ہے اور مسجد وغیرہ کا جو ذکر موصی نے کیا ہے اسکو مشورہ سمجھنا  
 چاہیے یعنی یہ سمجھنا چاہیے کہ موصی نے اپنے مال کی وصیت کر کے موصی لہم کو یہ مشورہ دیا ہے کہ اس سے  
 مسجد وغیرہ بنوانا۔ (۳) وصیت ان امور کی جو مسلمین اور زمیین دونوں کے نزدیک مذموم ہیں جیسے  
 بیت المقدس میں چراغ جلانا یا کفار تار سے جہاد کرنا ایسی وصیت بہر حال جائز ہے خواہ خاص اشخاص سے کیجائے  
 خواہ نہ کیجائے (۴) وصیت ان امور کی جو مسلمین اور زمیین دونوں کے نزدیک قبیح ہیں جیسے مقتیون یا  
 زنان فاحشہ کی پرورش کی وصیت کرنا ایسی وصیت اسوجہ سے ناجائز ہے کہ موجب معصیت ہے۔ مگر یہ کہ خاص  
 اشخاص کے باب میں کیجائے کہ اس صورت میں جائز ہے۔

اگر کوئی مسلمان اپنی ساری جائیداد کی وصیت مستمین یا ذمی کے حق میں کرے تو وہ وصیت جائز ہے  
 کیونکہ کل مال کی وصیت صرف اسوجہ سے ناجائز ہے کہ موصی کے ورثہ کے حقوق کو مضر ہے اور اسی وجہ سے انکی  
 رضا مندی سے جائز ہے مگر مستمین کے ورثہ چونکہ دار الحرب میں رہتے ہیں اور دارالاسلام میں کالیث سمجھے جاتے ہیں  
 لہذا حقوق شرعی نہیں رکھتے ہیں علاوہ اسکے یہ ہے کہ مستمین کا مال صرف اسوجہ سے محفوظ رہتا ہے کہ وہ سلطان  
 کی امان میں ہوتا ہے اور وہ امان اسکا ذاتی حق ہے اسکے ورثہ کا حق نہیں ہے۔  
 اگر مستمین اپنے مال کے ایک جزو کی وصیت کرے تو اس وصیت کی تکمیل کیجائیگی اور باقی مال  
 اسکا اسکے ورثہ کو بھیجا جائیگا۔ اگرچہ وہ دار الحرب میں رہتے ہوں۔ اگر مستمین ایک ساعت بھی  
 قبل اپنی وفات کے اپنے غلام کو دارالاسلام میں آزاد یا مدبر کرے تو جائز ہے اور وہ غلام آزاد ہو جائیگا  
 اگرچہ اسکی قیمت موصی کے ثلث مال سے زیادہ ہو کیونکہ وصیت ثلث مال سے زیادہ کی صرف اسوجہ سے  
 ناجائز ہے کہ ورثہ کی حق تلفی کا باعث ہوتی ہے مگر مستمین کے ورثہ حقوق نہیں رکھتے ہیں جیسا سابق  
 میں بیان کیا گیا۔

اگر مسلمان یا ذمی مستمین کے حق میں وصیت کرے تو جائز ہے کیونکہ مستمین جب تک دارالاسلام  
 میں رہتا ہے ذمی سمجھا جاتا ہے اور چونکہ ذمی کے ساتھ رعایت و مروت اسکی حیات میں کرنا مسلمانوں کو جائز  
 ہے لہذا اسکے مرنے کے بعد بھی اس سے حسن سلوک کرنا جائز ہے۔ امام اعظم نے اور امام ابو یوسف کے فرمایا ہے



کہ ہمارے نزدیک دینیتین کے حق میں وصیت کرنا اسوجہ سے ناجائز ہے کہ وہ اپنے مال کو مراجعت کرنے کا قصد کرتے ہیں اور اسوجہ سے بھی ناجائز ہے کہ مسلمان انکو اپنے مال میں ایک سال سے زیادہ رہنے بھی نہیں دیتے تاوقتیکہ وہ خیرہ و ینا نہیں قبول کرتے۔ مگر پہلا قول راجح ہے۔

اگر ذمی اپنے مال کے ایک ثلث سے زیادہ کی وصیت کسی غیر آدمی یا اپنے کسی وارث کے حق میں کرے تو وہ وصیت ناجائز ہے کیونکہ خلاف شرع ہے اور شرع کی پابندی کا اقرار دینیتین نے سب امور دنیوی میں کیا ہے۔ اگر ذمی کسی اور کافر کے حق میں وصیت کرے تو جائز ہے اسواسطے کہ وصایا کا قیاس ہوارث پر کیا جاتا ہے لہذا مختلف قسم کے لوگ جو دین حق (اسلام) کے معتقد نہیں ہیں وہ سب ایک ہی فرقہ سے سمجھے جاتے ہیں۔ الکفر ملت واحدہ اگر کوئی ذمی جو دارالاسلام کا باشندہ ہو کافر حربی کے حق میں وصیت کرے تو وہ وصیت ناجائز ہے کیونکہ مختلف ملکوں کی سکونت کی وجہ سے انہیں توارث نہیں ہو سکتا اور وصیت مثل میراث کے ہے لہذا ذمی جو حربی کے باپ میں وصیت کرے وہ بھی ناجائز ہے۔ رد المحتار صفحہ ۶۸۳ بھی ملاحظہ ہو۔

### حاشیہ ۲۔

### اقرار مرئض

اگر مرئض کسی عورت کے قرضہ کا اقرار کرے یا اس کے حق میں وصیت کرے یا اسکو کوئی چیز ہبہ کرے اور بعد اس کے اس کے نکاح کرے اور پھر مر جائے تو وہ اقرار جائز ہے مگر وہ وصیت یا ہبہ ناجائز ہے کیونکہ بطلان اس اقرار کا جو وارث کے باپ میں کیا جائے اس امر پر موقوف ہے کہ وہ شخص اس اقرار کے وقت وارث تھا مگر بطلان وصیت بحق وارث اس پر موقوف ہے کہ وہ موصی کی وفات کے وقت وارث تھا جیسا سابق میں بیان کیا گیا۔ اور چونکہ وہ عورت اقرار کے وقت وارث نہ تھی بلکہ نکاح کے سبب موصی کے مرنے کے وقت اس کی وارث ہو گئی تھی لہذا وہ اقرار جائز ہے مگر وہ وصیت باطل ہے اور ہبہ بھی باطل ہے کیونکہ ہبہ اور وصیت کا ایک حکم ہے۔

اگر مرئض اپنے فرزند کے قرضہ کا اقرار کرے یا اس کے حق میں وصیت کرے یا اسکو کوئی چیز ہبہ کرے اس وقت جبکہ فرزند مذکور نصرانی ہو اور وہ اپنے باپ کی وفات کے قبل مسلمان ہو جائے تو وہ اقرار اور وصیت اور ہبہ سب باطل ہے۔ وصیت اور ہبہ تو اسوجہ سے باطل ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی وفات کے وقت اس کا وارث تھا اور اقرار اسوجہ سے باطل ہے کہ اگرچہ بیٹا کافر ہوئے کی وجہ سے اس اقرار کے وقوع کے وقت اپنے باپ کا وارث نہ تھا تاہم سبب وراثت یعنی نسب تو اس وقت موجود تھا جس سے باپ کی نسبت یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس نے جھوٹا اقرار کیا ہے کہ اس کے مال کا ایک حصہ اس کے بیٹے کو وراثت ملے۔ مگر نکاح کی اور کیفیت کے جیسا سابق میں بیان کیا گیا اس صورت میں سبب وراثت یعنی نکاح اقرار کے بعد ہوا تھا اس کے قبل موجود نہ تھا اگر اقرار کے وقت نکاح موجود ہوتا اور زوجہ پہلے نصرانی ہوتی پھر اپنے شوہر کی وفات کے قبل مسلمان ہو جاتی تو اس صورت میں وہ اقرار ناجائز ہو جاتا۔



## باب اٹھارہواں

وصیت کن خیر و ن کی ہو سکتی ہے۔

ہر چیز کا انتقال بالوصیت شرعاً جائز ہے جو منقولہ یا غیر منقولہ ہو اور جس پر حق ملکیت عمل میں آسکتا ہو یا جس کا مبادلہ ہو سکتا ہو یا اسکے ایک جز کا یا اسکی منفعت کا۔

مسائل شیعہ۔ شرایع الاسلام میں لکھا ہے کہ وصیت کسی چیز کے عین یا منفعت کی ہو سکتی ہے مگر ان دونوں میں یہ شرط ہے کہ وہ عین یا منفعت ایسی ہو جس پر قابض رہنا یا جس سے نفع ہونا شرعاً جائز ہو۔ لہذا وصیت شراب یا خوک یا سگ یا کسی ایسی چیز کی جس کے کچھ نفع نو باطل اور ناجائز ہے۔ مگر وصیت اس کتے کی جو شکاری ہو یا جو خانگی امور کے لیے پالا گیا ہو جیسے مکانات یا غلہ کے کھیتوں کی نگہبانی کرنا جائز ہے۔

وصیت جائز اور موثر رہتی ہے اگرچہ وصیت کے بعد مال وصیتی میں کچھ تغیر و تبدل یا اصلاح یا ترقی ہوئی ہو مگر یہ کہ وہ تغیر ایسا عظیم ہو کہ یہ گمان ہو سکے کہ اسکو عمل میں لانے سے موصی کو تشبیح وصیت مقصود تھی۔

اسی طرح سے جو نقصان یا تنزل مال وصیتی میں اس عرصہ میں ہوا ہو وہ موصی پر عائد ہوگا۔ مثلاً اگر موصی نے اس مال سے کچھ فرض دیا ہو تو وہ فرض موصیٰ کو اسی شرط سے ملیگا۔ جب ایک قطعہ اراضی کسی شخص کو از روئے وصیت دیا جائے اور بعد ازاں اس پر موصی مکان بنوائے تو حکم شرع یہ ہے کہ موصی کے مرنے کے بعد وہ زمین موصیٰ کو ملیگی اور وہ مکان موصی کے ورثہ کو ملیگا اور وہ دونوں اپنے اپنے حق کے مالک بالمشارکت ہوں۔

اگر موصی زمین وصیتی پر مکان بنوانے کے بدلے جو مکانات وغیرہ اس پر بنے ہوں انکو کھدوا ڈالے تو موصیٰ کو وہ زمین بغیر ان مکانات کے ملیگی لیکن اگر مکان کی وصیت کر کے موصی نے اسکو کھدوا ڈالا ہو تو اسکے اس فعل سے



وہ وصیت باطل ہو جائیگی۔

وصیت شرمباح کی بھی اُس وقت باطل ہے جبکہ اس شرط سے کیجائے کہ موصی الہ کسی فعل حرام کا مرتکب ہو مثلاً یہ شرط کہ وہ کسی مکان میں آگ لگا دے یا کسی کو مار ڈالے یا کسی شخص کو حج سے مانع ہو۔ اور حبیب کوئی چیز بیہ کیجائے اور اُس بیہ کا لفظ ذبحی کر دیا جائے تو پھر اُسکی وصیت نہیں ہو سکتی۔

موصی کو اُس جائداد کا جو اُسکے مرنے کے وقت اُسکی ہو ایک ثلث سے زیادہ ازروہ وصیت دنیا نہیں جائز ہے جیسا سابق میں بیان کیا گیا۔ یہ قاعدہ کلیہ ازروہ حدیث مقرر کیا گیا ہے اور اُس مسئلہ میں سب فرقوں کے علما کا اجماع ہے۔ چنانچہ ملتقی الابحار اور ہدایہ اور منہاج الطالبین میں یہ اصول بعبارت واضح بیان کیا ہے اور محقق (ابو القاسم حلی) نے اُسکی تشریح بعبارت ذیل فرمائی ہے: ”وصیت خواہ عین کی ہو خواہ منفعت کی موصی کے ثلث مال پر محدود ہے اور اگر کل وصایا ثلث مال سے زائد کے ہوں تو مقدار زائد از ثلث کی نسبت باطل ہیں مگر یہ کہ ورثہ راضی ہو جائیں۔ موصی کے مال کا ایک ثلث جسکی وصیت کرنا اُسکو شرعاً جائز ہے اس حیثیت کا لحاظ کر کے لیا جاتا ہے جو حیثیت اُسکی موصی کی وفات کے وقت ہو اس حیثیت کے اعتبار سے نہیں لیا جاتا جو وصیت کرنے کے وقت اس مال کی ہو۔ پس اگر کوئی شخص وصیت کرنے کے وقت غنی ہو مگر مرنے کے وقت فقیر ہو جائے تو اُسکے وصایاے جائز کے تصفیہ میں اُسکے متول سابق کا لحاظ نہ کیا جائیگا۔ اسی طرح سے اگر وہ وصیت کرنے کے وقت غریب ہو مگر مرنے کے وقت امیر ہو جائے تو اُسکے وصایا کی مقدار شرعی مقرر کرنے میں اُسکی حالت لاحقہ کا لحاظ کیا جائیگا۔ حالت سابقہ کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔“

ان اصول کو اس ملک کی عدالتوں نے متواتر قائم رکھا ہے۔ مگر اس مسئلہ میں



ایک اختلاف جو فرق اسلام میں ہے وہ لائق بیان ہے۔ مذہب حنفی میں یہ ہے کہ جب کوئی لا وارث آدمی اپنی کل جائداد کی وصیت کر جائے تو وہ وصیت جائز ہے اور سُنَّہِ بَیِّنَات کی اجازت کی کچھ ضرورت نہیں ہے اگرچہ در صورت نہ ہونے کسی وارث کے بیت المال وارث ہے۔ مگر شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک کسی کو اپنی کل جائداد کی وصیت کرنے کا اختیار نہیں ہے اور یہی مذہب شیعہ میں بھی ہے۔

جب کسی خاص رقم کی وصیت کی ہو اور موصی نے کچھ جائداد اور کچھ قرضہ بھی چھوڑا ہو تو رقم وصیتی کو فوراً ادا کرنا چاہیے بشرطیکہ ثلث مال سے زائد نہ ہو لکن اگر وہ ثلث مال سے زیادہ ہو تو ایک ثلث موصی لے کو دیدیا جائے اور جب قرضہ ادا کرنے کی نوبت آئے تو موصی لے ہر قسط سے ایک ثلث منہا کرے یہاں تک کہ اُسکی وصیت پوری ہو جائے۔

فرض کیجئے کہ موصی دو وصیتیں ایک ہی شخص کے حق میں کرے تو آیا وہ دونوں نافذ ہو سکتی ہیں خلیل ابن اسحق نے فرمایا ہے کہ اگر ان دونوں میں مختلف چیزیں شامل ہیں تو دونوں وصیتیں نافذ ہوں گی بشرطیکہ انکا مجموع ثلث مال سے زیادہ نہ ہو لکن اگر انہیں باعتبار مقدار یا تعداد کے کچھ فرق نہ ہو تو جو وصیت بعد ہوئی ہے وہی نافذ ہوگی۔ اسی طرح سے قتاو اے عالمگیری میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مال کے ایک سدس کی وصیت ایک آدمی کے حق میں کرے اور اُسی وقت یا اُسی جلسہ میں کہ میرے مال کا ایک ثلث اُسکو دیا جائے اور ورثہ راضی ہو جائیں تو بھی موصی لے ایک ثلث کا مستحق ہے اس سے زیادہ کا مستحق نہیں ہے اسواسطے کہ سدس ثلث میں داخل ہے خواہ مقدم ہو خواہ موخر۔ اور اگر کوئی شخص کہے کہ میرے مال کا ایک سدس فلاں شخص کو دیا جائے اور اُسی جلسہ میں یا دوسرے جلسہ میں کہے کہ میرے مال کا ایک سدس فلاں شخص کو دیا جائے تو موصی لے ایک سدس پائیگا مگر یہ کہ شہادت سے ثابت



ہو جائے کہ موصی کو دوسرے سدس کی وصیت کرنی بھی مقصود تھی۔

اگر کوئی شخص اپنے مال کا ایک جز معین از روے وصیت دیدے تو اُسکے مرنے کے وقت جو جائداد ہو اُسکا لیا گیا جائیگا وصیت کے وقت جو جائداد اُسکے پاس ہو اُسکا اعتبار نہ کیا جائیگا مگر جب کسی مال مخصوص یا اُسکے جز معین کی وصیت کی ہو لیکن مثلاً ایک ثلث گلہ گو سفند کی اور وہ گلہ قبل وفات موصی فنا ہو جائے تو وہ وصیت باطل ہو جائیگی۔ اسوے کہ جب وصیت ایک خاص گلہ گو سفند کے ایک خاص حصہ کی تھی تو اُس گلہ کے نہ موجود ہونے سے باطل ہو جائیگی گو موصی نے بعد ازان اور گلے حاصل کیے ہوں۔ لیکن اگر اُسکے پاس وصیت کرنے کے وقت کوئی گلہ نہ تھا اور بعد ازان اُس نے گلہ حاصل کیا ہو تو بنا بر قول مشہور وہ وصیت نافذ ہو جائیگی کیونکہ یہ وصیت چونکہ ناطق تھی لہذا اس وقت اُسکو نافذ کرنا چاہیے جبکہ وہ چیز جس میں سے یہ وصیت دی جائے بعد اسکے وقوع کے موجود ہو جائے۔ مگر جب موصی نے کہا ہو کہ میرے اوصیاء کو چاہیے کہ میرے مال میں سے ایک بھٹیر فلان شخص کو دے دیں اور موصی کے مرنے کے وقت کوئی بھٹیر اُسکے مال میں نہ ہو تو موصی لے کو ایک بھٹیر کی قیمت دے دیجائے۔ اور اگر اُسے کہا ہو کہ میرے اوصیاء میرے گلہ میں سے ایک بھٹیر لے کو دے دیں اور وہ مرجائے اور کوئی گلہ نہ چھوڑ جائے تو وصیت باطل ہوگی۔ یہی قاعدہ سب قسم کے مال میں جاری ہوگا۔

ایسا اکثر ہوتا ہے کہ موصی اپنے پوتے یا پوتی کے نام از روے وصیت کوئی جائداد نہیں چھوڑ جاتا مگر وصیت نامہ میں یہ لکھ دیتا ہے کہ اُسکو ایک بیٹے کا حصہ میرے ترکہ میں دیا جائے۔ پس فرض کیجیے کہ ایک موصی ایک ہی بیٹا اکیلا وارث چھوڑ جائے اور وہ بیٹا اذن بھی دے تو اُسکا ترکہ اُس بیٹے اور پوتے میں برابر تقسیم کیا جائیگا۔ نہ موصی لے



(پوتا) ایک ثلث اور وارث (بیٹا) دو ثلث پائے گا۔ لیکن اگر دو بیٹے ہوں انکا اذن ضرور نہیں ہے اور مال وصیتی ان بیٹوں اور اس پوتے میں بے حصص مساوی تقسیم کیا جائیگا۔ اسی طرح سے اگر چار بیٹے اور ایک پوتا ہو اور موصی ایک بیٹے کا حصہ اس پوتے کو دے جائے تو اسکو ایک خمس ملیگا۔ اگر کوئی شخص ایک زوجہ اور دو بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑ جائے اور ایک پوتا اس بیٹے کی اولاد بھی چھوڑ جائے جو اسکی زندگی میں مر چکا ہو اور یہ وصیت کر جائے کہ پوتے کو ایک بیٹے کا حصہ اس کے ترکہ میں دیا جائے تو تقسیم حسب تفصیل ذیل ہوگی۔

زوجہ  $\frac{1}{8}$

بیٹی  $\frac{1}{8}$

ہر ایک بیٹا  $\frac{1}{4}$

پوتا  $\frac{1}{4}$

اگر فقط ایک بیٹا ہو تو زوجہ  $\frac{1}{4}$  باقی اور بیٹا  $\frac{3}{4}$  اور بیٹی  $\frac{1}{2}$  اور پوتا  $\frac{1}{2}$

جسکا مجموع  $\frac{37}{40} = 1$

سابق میں بیان کیا گیا کہ جب وصایا متعدد ہوں اور سب بدرجہ مساوی اہم و ضروری ہوں اور انکا مجموع ثلث مال سے زائد ہو تو اہل سنت کے نزدیک ان سب میں حصہ رسد کی کمی کی جائیگی۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے مگر اس سے وہ وصایا مستثنیٰ ہیں جو فرائض مذہبی یا امور خیر کے لیے کیے گئے ہوں کہ انکو کلاً (نہ جزاً) اس ترتیب سے نافذ کرنا چاہیے کہ۔ (۱) طہارت کے لیے۔ (۲) نماز کے لیے۔ (۳) زکوٰۃ کے لیے۔ (۴) روزہ کے لیے۔ (۵) حج کے لیے۔ اس استثناء میں امور دینی اور امور نیک و نون داخل ہیں گو وہ امور فرائض مذہبی کے درجہ سے کم ہوں۔ ایسے امور کو پیشتر بجالانا چاہیے اسکے بعد ان اشخاص کو جنکے حق میں وصیت کی گئی ہے دینا چاہیے۔



ان امور کی ترتیب یہ لکھی ہے۔ (۱) معاوضہ دے کر قیدیوں کو رہا کرانا۔ (۲) ان غلاموں کو آزاد کرنا جنکو آزاد کرنے کا وعدہ موصیٰ نے کیا ہو۔ (۳) اس عورت کا مہر ادا کرنا جس سے موصیٰ نے مرض الموت کی حالت میں نکاح کر کے زفاف کیا ہو یعنی اپنے تصرف میں لایا ہو۔ (۴) زکوٰۃ دینا۔ (۵) عید الفطر کو فطرہ دینا اور عید الاضحیٰ کو قربانی کرنا۔ (۶) ظہار کا کفارہ دینا۔ (۷) نذر کا کفارہ دینا۔ (۸) روزہ واجب کا کفارہ دینا۔ (۹) عتق رقبہ یعنی بر دے آزاد کرنا۔ (۱۰) حج سنتی بجالانا۔

روالمختار میں اس باب میں یہ لکھا ہے کہ بے واضح ہو کہ وصایا دو قسم کے ہیں وہ وصایا جو بالکل خدا کی راہ میں ہوں اور وہ وصایا جو بندگان خدا کے حق میں ہوں یا خدا اور اسکے بندوں کے حق میں بالمشارکت ہوں۔ جو وصایا فی سبیل اللہ ہوں انکو سب وصایا پر مقدم رکھنا چاہیے کیونکہ انہیں موصیٰ لہ وحدہ لا شریک لہ ہے مگر جب موصیٰ لہم متعدد ہوں تو ایک دوسرے پر ترجیح نہیں رکھتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص اپنے مال کے ایک ثلث کی وصیت ایک آدمی کے حق میں کرے اور بچہ دوسرے شخص کے باب میں کرے تو دونوں وصیتیں نافذ کی جائیں گی مگر یہ کہ موصیٰ نے تصریح کر دی ہو کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دیجائے یا حب وصیت از قبیل محابات یا عتق ہو۔ لیکن جب وصیت اعتد تعالیٰ کی راہ میں کی ہو اور موصیٰ نے ان باتوں کا حکم دیا ہو کہ (۱) فرائض مانند زکوٰۃ اور حج کے ادا کیے جائیں (۲) وہ امور بجالائے جائیں جو صرف واجب ہیں نہیں نہیں ہیں جیسے کفارہ دینا یا نذر ادا کرنا یا زکوٰۃ فطر دینا (۳) نوافل یا مستحبات بجالانا جیسے حج سنتی یا فقراء کو صدقہ دینا۔ تو ان سب صورتوں میں ابتدا اس امر سے کرنی چاہیے جسکی نسبت موصیٰ نے وصیت کی ہو کہ یہ سب سے پہلے کیا جائے۔ لیکن اگر وہ سب امور باہم مخلوط ہوں تو ابتدا فرائض سے کرنی چاہیے خواہ موصیٰ نے انکو مقدم رکھا ہو خواہ نہ رکھا ہو ان کے بعد واجبات کو ادا کرنا چاہیے اور ثلث



وصیتی کو موصی کی وصیت کی تعمیل میں رسیدی صرف کرنا چاہیے۔ لہذا اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ میرے مال کے ایک ثلث سے مصارف حج ذرکوات اور کفارے دیے جائیں اور زید کو بھی دیا جائے تو اس ثلث کے چار حصے کر کے زید کو ایک حصہ دیا جائے اور باقی تین حصے اُن تین مقاصد میں صرف کیے جائیں۔ اگر موصی لہم کی یہ تصریح نہ کی ہو یعنی مثلاً غریب کا لفظ نہ کہہ دیا ہو تو چار حصوں میں تقسیم نہوگی کیونکہ وہ سب مال خدا کا ہے اور اُس میں سے فرائض (مذہبی) پہلے ادا کیے جائیں گے۔

مذہب شیعہ میں یہ ہے کہ جب کسی شخص نے کچھ جائیداد واسطے ادا کرنے اُن فرائض کے جنہیں سے بعض واجبات عینی اور بعض واجبات تخیری ہوں از روے وصیت دی ہو تو اُن سب کی تعمیل کی جائے بشرطیکہ ثلث مال اُنکی تعمیل کے لیے کافی ہو۔ اگر ثلث مال اس مقصد کے لیے نہ کافی ہو اور ورثہ اذن نہ دیں تو پہلے واجبات عینی کو موصی کی عام جائیداد سے ادا کرنا چاہیے اُسکے بعد جو کچھ باقی رہے اُسکے ایک ثلث سے دیگر واجبات کو بجالانا چاہیے اور حسب امر کو موصی نے پہلے کہا ہو اُس سے ابتدا کرنی چاہیے اور اسی طرح سے علی الترتیب اُنکی تعمیل کرنی چاہیے۔ اگر انہیں سے کوئی امر واجب عینی نہ ہو بلکہ واجب تخیری ہو تو اُسکا نفاذ صرف ثلث مال میں ہو سکتا ہے اور اُنکی تعمیل اس طرح کرنی چاہیے کہ حسب امر کو موصی نے پہلے کہا ہو اُس سے ابتدا کی جائے اور اسی طرح علی الترتیب تعمیل کی جائے یہاں تک کہ وہ ثلث تمام ہو جائے۔

## انیسواں باب

### فصل اول

#### وصیت کا اثر یا نتیجہ شرعی

وصیت کی تعریف یہ لکھی ہے کہ عطا کرنا حق ملکیت کا (ملکیت کی خواص چیز کے عین یا اُسکی منفعت میں جسکا نفاذ موصی کی وفات کے بعد کیا جائے وہ آدمی کو



وصیت کرنا اسوقت درست ہے جبکہ اسپر کوئی حق خدا کا نہ ہو لکن جب اسپر حق اللہ ہو تو وصیت کرنا اسپر فرض ہے جیسے مثلاً اسنے زکوٰۃ نہ دی ہو یا روزہ واجب نہ رکھا ہو یا حج نہ کیا ہو یا نماز ہے واجب کو ادا کرنے سے قاصر رہا ہو۔

کوئی لفظ یا کلمہ جس سے موصی کا ارادہ ظاہر ہو جائے انعقاد وصیت کے لیے کافی ہے اسکی مثالین فتاواے عالمگیری میں تفصیلاً لکھی ہیں۔

دو جب کوئی شخص کہے کہ یہ میرا غلام فلان شخص کا ہے یا یہ میرا مکان فلان آدمی کا ہے اور لفظ وصیت نہ کہے اور میرے مرنے کے بعد کا لفظ بھی نہ کہے تو ان کلمات سے ارزوے قیاس اور بموجب منطق کلام و اسباب بھی یہہ منعقد ہوگا اور اگر قبضہ و اسباب کی حیات میں ہو گیا ہو تو یہ یہہ جائز ہوگا لکن اگر قبضہ و اسباب کی وفات تک نہ ہوا ہو تو یہ یہہ باطل ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میں وصیت کرتا ہوں کہ میرے مکان کا ایک ٹالٹ میری وفات کے بعد فلان شخص کو دیا جائے تو یہ وصیت ہے اور موصی کی حیات میں قبضہ کرنا ضرور نہیں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جب کوئی شخص حالت صحت یا عام مرض میں کہے کہ میں اگر مجھ کو کچھ ہو جائے تو یہ چیز فلان شخص کی ہے۔ تو یہ وصیت ہے اور کچھ ہو جائے کے لفظ سے ہمارے نزدیک موت آجائے مراد ہے۔ اسی طرح سے اگر وہ کہے کہ فلان شخص کو ہزار درہم میرے ٹالٹ مال سے دنیا، تو یہ بھی وصیت ہے گو موصی نے اپنے مرنے کا کچھ ذکر نہیں کیا ہے۔ لکن اگر یہ کلمات کہے ہوں کہ فلان شخص کو میرے مال سے یا میرے مال کے نصف یا ربع سے تو انکا کچھ اثر نہ ہوگا ناوقتیکہ یہ الفاظ وصیت کے متعلق نہ کہے گئے ہوں کہ اس صورت میں اننے وصیت منعقد ہو جائیگی۔ اور اگر کوئی شخص کہے کہ اگر میں اس سفر میں مر جاؤں تو فلان شخص کے ہزار درہم مجھے قرض ہیں، تو یہ وصیت ہے اور ٹالٹ مال سے ریجائیگی۔



مسائل شیعہ - مذہب شیعہ میں چند قواعد وصایاے مشتبہ کے باب میں جنکو بیان کرنا مناسب ہے اگرچہ ان قواعد کے اقرار میں بلحاظ حالات موجودہ تمدن کچھ ترمیم ضرور کرنی پڑی وہ قواعد درج ذیل ہیں۔

موجب کسی شخص نے اپنے مال کے ایک جزو کی وصیت کی ہو تو اُسکے کلام میں تاویل و تردید کے موافق ہو سکتی ہے۔ انہیں سے جو حدیث اصح ہے اُس میں وارد ہوا ہے کہ موصی لہ کو موصی کے مال کا ایک عشر یعنی دسواں حصہ دیا جائے مگر دوسری حدیث کے موافق اُسکو صرف ایک سبُع یعنی ساتواں حصہ ایک ثلث کا ملنا چاہیے۔ پھر ملاحظہ کیجیے کہ اگر اُس نے ایک سہم کی وصیت کی ہو تو اُس سے ایک شش سمجھا جائیگا اور اگر اُس نے ایک شری کی وصیت کی ہو تو اُس سے ایک سدس مراد لیا جائیگا۔

دو اگر کوئی شخص متعدد امور کی وصیت کرے جنہیں سے ایک امر یا چند امور کو وصی بھول گیا ہو تو اُسکو چاہیے کہ اُس وصیت کی تعمیل ممدوح و مناسب طور سے کرے اگرچہ بعض علماء (شیعہ) کا قول یہ ہے کہ ایسی وصیت میراث میں شامل ہو جائیگی۔

دو اگر کوئی شخص ایک تلوار کی وصیت کرے جو بنیام میں ہو تو وہ بنیام اور قبضہ وغیرہ سب اُس وصیت میں داخل ہے۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص ایک صندوق کی وصیت کرے جس میں کپڑے ہوں یا ایک کشتی یا جہاز کی وصیت کرے جس میں مال تجارت ہو یا ایک تھیلی یا بقیچہ کی وصیت کرے جس میں کچھ کپڑے بندھے ہوں تو ان سب صورتوں میں وچیزیں جنکی وصیت فی الواقع کی ہے اور اور چیزیں بھی جو انہیں ہوں داخل وصیت ہیں۔ مگر بعض علماء نے اُس میں اختلاف کیا ہے گو وہ اختلاف لائق اعتناء نہیں ہے۔

دو اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ اپنی بعض اولاد کو محبوب الارث کر دے تو اُنکا اخراج نہیں جائز ہے۔ مگر اُس میں دو قول ہیں کہ آیا اُسکی وصیت کو بالکل غیر



موثر سمجھنا چاہیے۔ ایک قول تو یہ ہے کہ ایسی وصیت بالکل باطل اور غیر موثر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ایسی وصیت کو بھی اسی طرح نافذ کرنا چاہیے جس طرح وصیت اس شخص کی جو اپنا سارا مال کسی غیر آدمی کو دیکھا لے کہ وہ وصیت صرف ثلث مال میں نافذ ہوگی اور دو ثلث میں ورثہ اپنے حصص شرعیہ پائینگے۔ پہلا قول زیادہ تر موافق شرع معلوم ہوتا ہے اور دوسرے قول کی مؤید ایک حدیث ہے جو اب متروک ہو گئی ہے۔

”اگر کوئی شخص ایسے الفاظ سے وصیت کرے جو اس قدر مشتبہ ہوں کہ شرعاً انہیں کچھ تاویل نہ ہو سکے تو وارث کو اختیار ہے کہ جو تاویل چاہے اس وصیت میں کرے۔“  
”وصایا کو موصی کے مال کے ایک ثلث سے کم رکھنا اویسے ہے لہذا ایک ربع کی وصیت ثلث کی وصیت سے بہتر ہے اور خمس کی وصیت ربع کی وصیت پر ترجیح رکھتی ہے۔“

”وصایا سے مشتبہ میں اگر موصی کہ کوئی خاص شرط طلب کرے کہ موصی کی وصیت میں یہ چیز بھی داخل ہے تو اس کے مقابل میں وارث کے قول کو ترجیح دیجائیگی۔ اور اگر موصی کہ اب بھی اپنے دعوے میں اصرار کرے تو وارث سے اس کے بیان کی تصدیق کرائی جائے والا فلا۔“

## فصل دوم تنسیخ وصایا

وصیت فی نفسہ قابل تنسیخ ہے۔ اور ہر وقت یہاں تک کہ موصی مرض الموت میں بھی اسکو منسوخ کر سکتا ہے۔

تنسیخ وصیت صریحاً یا ضمنیاً صراحۃً یا کنائیہً ہو سکتی ہے۔ تنسیخ صریحاً اسکا نام ہے کہ موصی اپنی وصیت کو بالفاظ صریح منسوخ کر دے۔ اور تنسیخ ضمنی یہ ہے کہ موصی کے



کر دیا اور افعال سے ثابت ہو جائے کہ اُسکو وصیت قائم رکھنا نہیں منظور تھا و ہر فعل جبکا اثر یہ ہو کہ کسی مال میں آدمی کا حق ملکیت زائل ہو جائے جب ایسا فعل موصی مال وصیتی سے کرے تو وہ باعث تنسیخ وصیت ہو جائیگا۔ اور اسی طرح سے ہر فعل موصی کا جو مال وصیتی میں اضافہ یا افزونی کا باعث ہو موجب تنسیخ وصیت ہوگا بشرطیکہ وہ اضافہ یا افزونی اس مال سے غیر منفک ہو۔ اسی طرح سے کوئی انتقال جو بعد وصیت کیا گیا ہو اور نافذ ہو گیا ہو سبب تنسیخ وصیت ہے۔

منسوخی کے طریقہ اور قابلیت کے اعتبار سے وصایا عموماً چار قسم کے ہیں۔ اول اس قسم کی وصیت جو صریحاً یا ضمنیاً یا قولاً و فعلاً یعنی بالفاظ صریح یا بہ کردار منسوخ ہو سکتی ہے۔ دوم وہ وصیت جو صرف صریحاً یا قولاً یعنی بالفاظ صریح منسوخ ہو سکتی ہے۔ سوم وہ وصیت جو صرف ضمنیاً یا فعلاً یعنی فعل یا کردار سے منسوخ ہو سکتی ہے۔ چہارم وہ وصیت جو کسی طرح نہیں منسوخ ہو سکتی۔ قسم اول میں وہ وصایا مخصوص داخل ہیں جو موصی کے قول صریح سے منسوخ ہو سکتی ہیں یا اس طرح منسوخ ہو سکتی ہیں کہ موصی مال وصیتی کو اس طور سے بچڑالے یا منتقل کر دے کہ اس انتقال کو منسوخ کرنا اُسکے اختیار سے باہر ہو۔ قسم دوم میں وہ وصایا داخل ہیں جنہیں موصی نے اپنے مال کے ایک ٹکٹ یا ایک ربع کی وصیت کسی کے حق میں کی ہو۔ ایسی صورت میں موصی نہ مال وصیتی میں وہ خاص حصہ پانے کا مستحق ہے جو موصی اپنی وفات کے وقت چھوڑ گیا ہو پس تا وقتیکہ وہ وصیت بالفاظ صریح نہ منسوخ کی گئی ہو لا کلام نافذ ہوگی۔

۱۵ فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۱۴۳۔ بیلی صاحب کی شرح حنفی صفحہ ۶۳۸۔ رد المحتار صفحہ ۶۴۷۔ ۱۲۔ منہ سے بعض اوقات انتقال جائداد پر اقدام باعث تنسیخ وصیت ہو جاتا ہے گو کسی غیب شرعی کی وجہ سے خود وہ انتقال نافذ پذیر نہ ہو مگر جب کوئی انتقال فی نفسہ ناجائز ہو مثلاً جب انتقال جائداد اس شخص نے کیا ہو جو کوئی عذر شرعی مانع انتقال ہو تو وہ موجب تنسیخ وصیت نہ ہوگا۔ ۱۲۔ منہ



قسم سوم میں وہ صایا داخل ہیں جنہیں عتق مشروط ہوا ہو جو صرف موصی کے فعل سے منسوخ ہو سکتا ہے۔ قسم چارم میں وہ وصایا داخل ہیں جنہیں عتق مطلق ہوا ہو جو ہر گناہ و ضمانت کسی طرح نہیں منسوخ ہو سکتا۔

امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک جبکا قول حکم شرع سمجھا جاتا ہے موصی کے حکم سے کسی چیز کی صورت میں صرف تغیر کرنے سے وصیت نہیں منسوخ ہو جاتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو کچھ چاندی از روئے وصیت دیدے اور بعد ازاں اسکی انگوٹھی بنوائے تو امام اعظم کے نزدیک یہ تنسیخ وصیت نہیں ہے۔ مگر امام ابو یوسف اور طاہر امام محمد کے نزدیک بھی یہ تنسیخ وصیت ہے۔ اگر کوئی شخص کسی خاص چیز کی وصیت کر کے اسکو بیٹے اور پھر اسکو خریدے یا اسکو ہیہ کر کے پھر اس ہیہ کو منسوخ کرے تو وہ وصیت جائز باقی رہے گی جس بھڑکی وصیت کی ہو اسکو ذبح کرنا تنسیخ وصیت ہے مگر جس کیڑے کی وصیت کی ہو اسکو دھو ڈالنا تنسیخ وصیت نہیں ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک محض انکار وصیت بمنزلہ اسکی تنسیخ کے نہیں ہے مگر امام محمد کا قول اسکے خلاف ہے۔ اگر موصی کہے کہ جو وصیت میں نے زید یا بکر کے حق میں کی ہے وہ باطل ہے تو وہ وصیت منسوخ ہو جائے گی لیکن اگر اسنے صرف اتنا کہا ہو کہ یہ وصیت حرام ہے تو منسوخ نہوگی۔

اگر موصی کسی خاص چیز کی وصیت زید کے باب میں کرے اور پھر خاکہ کے حق میں کرے تو وہ دوسری وصیت کو یہ ضرور نہیں ہے کہ پہلی وصیت کو باطل کر دے۔ بلکہ اگر موصی کے کلام سے یا اور کسی بات سے ثابت ہو کہ اسکی نیت یہ تھی کہ شر و صیبتی و دونوں موصی لہم کو بالمشارکت دیجائے تو اسکا یہ مشار عمل میں لایا جائیگا۔ لیکن اگر اسکا مشار یہ معلوم ہو کہ پہلی وصیت کو منسوخ کر کے شر و صیبتی دوسرے موصی لہ کو دیجائے



تو یہ بمنزلہ تنسیخ وصیت اول ہوگا۔ مگر قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ سب سے آخر کی وصیت نافذ ہوتی ہے۔  
اگر دوسرا موصی لہ اسوقت مر گیا ہو جب دوسری وصیت ہوئی ہو تو دوسری وصیت  
کے باطل ہونے سے پہلی وصیت جائز باقی رہیگی اور اگر دوسرا موصی لہ وصیت کے  
وقت زندہ ہو مگر بعد ازاں موصی کی وفات کے قبل مر جائے تو دونوں وصیتیں باطل

ہو جائیں گی اور مال وصیتی ورثہ پر خود کر لیا۔  
مذہب حنفی میں جائداد کو رہن رکھنے سے وصیت نہیں باطل ہو جاتی اسواسطیکہ  
رہن سے رہن کا حق ملکیت جائداد میں نہ ہوتا ہے نہین زائل ہو جاتا بلکہ موصی کا حق فک رہن  
کا اسکے مرنے کے بعد موصی لہ کو ملیگا۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ رہن رکھنے کے وقت موصی

نے ایسے کلمات کہے ہوں جسے پہلی وصیت کو منسوخ کرنا صاف ظاہر ہو۔  
اگر کوئی شخص ایک مکان کی وصیت کر کے اس میں سفیدی پھیرے یا اسکو کھودا  
تو یہ بمنزلہ تنسیخ وصیت نہوگا لکن اگر اس مکان پر بکثرت کھل کر والے تو یہ بمنزلہ  
تنسیخ وصیت ہو جائیگا۔ اگر وہ زمین کی وصیت کر کے اس میں ترکاری بولے تو یہ  
تنسیخ وصیت نہوگی لکن اگر اس میں انگور یا اور درخت بولے تو قاضی خان کے  
تردیک وصیت منسوخ ہو جائیگی۔ اسی طرح سے شافعیہ اور مالکیہ کے تردیک  
مال وصیتی کو بیع اور ہبہ کرنا موجب تنسیخ وصیت ہے۔

محقق ابو القاسم حلی نے اصول مذہب شیعہ بعبارت ذیل بیان فرمائے ہیں۔  
"وصیت ایک عقد جائز موصی کا ہے خواہ وصیت مال کی ہو خواہ نقد  
ولی کی ہو۔ اور وہ موصی کی حیات میں کلام صریح سے یا اس فعل سے جو منافی

۱۵ رد المحتار صفحہ ۶۵۸-۶۵۹-۱۲ منہ قتا و اسے عالمگیری کے موافق یہ ہے کہ جس غلام کی وصیت  
کی ہو اسکو رہن رکھنا بمنزلہ تنسیخ وصیت ہے مگر یہ اثر اس قسم کی جائداد پر محدود ہے جو اس جائداد کے  
مشابہ ہو جسکا ذکر اس مقام پر ہے۔ ۱۲- منہ



وصیت ہو منسوخ ہو سکتی ہے۔ مثلاً اگر موصی مال وصیتی کو بیچ دے یا دوسرے وصیت نامہ میں اسکو بیع یا سبہ کر لے کا حکم لکھے اور موبوب لہ کا قبضہ کر دے یا اسکو رہن رکھ لے تو ایسا ہر فعل بمنزلہ تنسیخ وصیت ہوگا۔ اسی طرح سے اگر وہ شکر وصیتی کو ایسے استعمال میں لائے کہ اسکا وہ نام نہ باقی رہے مثلاً اگر وہ غلہ کی وصیت کر کے اسکو سپرد ادا لے اور اسکا میدہ بنوا دے یا میدہ کا خمیر کر کے اسکی روٹی پکوا لے تو یہ بمنزلہ تنسیخ وصیت ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص کسی قدر تیل کی وصیت کر کے اسمین اور تیل عمدہ قسم کا ملا دے یا ایک قسم کے غلہ کی وصیت کر کے اسمین دوسری قسم کا غلہ شریک کر دے اور اس طرح شریک کرے کہ ایک غلہ دوسرے سے ممیز اور علیحدہ نہ ہو سکے تو یہ بھی بمنزلہ تنسیخ وصیت ہوگا۔ لیکن اگر وہ روٹی کی وصیت کر کے اسکی ٹکڑے کر ڈالے تو یہ تنسیخ وصیت نہوگی۔“

جواز وصیت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ موصی لہ اسکو صریحاً یا ضمناً قبول کرے۔ چنانچہ ایک عالم مالکی کا قول ہے کہ دو وصیت کو قبول کرنا اسکے جواز کی ایک شرط ضروری ہے۔“ اور ایک عالم حنفی نے فرمایا ہے کہ دو وصیت قبول نہوئی ہو وہ باطل ہے۔“ اسی طرح سے مذہب شیعہ میں بھی مال وصیتی موصی لہ کا اسوقت ہو جاتا ہے جبکہ اسنے وصیت کو قبول کر لیا ہو۔ مگر حنفیہ اور شیعہ میں اس زمانہ کے باب میں جس زمانہ میں وصیت کو قبول کر لینا چاہیے اختلاف عظیم ہے۔

مذہب شیعہ میں وصیت کو قبل وفات موصی قبول کرنا جائز ہے اگرچہ موصی لہ کو اسمین اختیار ہے۔ مگر وصیت کو بعد وفات موصی قبول کرنا قبول قطعی ہے اگرچہ اس واقعہ کے وقوع کے بعد کچھ تاخیر بھی قبول کرنے میں ہو جائے بشرطیکہ موصی لہ نے بعد وفات موصی اور قبول کرنے کے پیشتر وصیت کو نا منظور نہ کیا ہو۔ لیکن اگر موصی کی حیات میں وصیت نا منظور



ہوئی ہو تو بھی اسکی وفات کے بعد قبول ہو سکتی ہے کیونکہ ایسی نامنظوری شرعاً معتبر نہیں ہے  
 لیکن اگر موصیٰ لہ بعد وفات موصی وصیت کو نامنظر کرے اور پیشتر اسکو قبول نہ کر چکا ہو تو  
 وہ وصیت منسوخ ہو جائیگی۔ جب موصیٰ لہ مال وصیتی پر قبضہ کر لیا ہو تو بھی اگر اسنے  
 بعد وفات موصیٰ اسکو نامنظر کیا ہو گو پہلے قبول کر چکا ہو تو وصیت باطل ہو جائیگی۔  
 جب قبضہ نہ ہوا ہو اور وصیت بعد وفات موصیٰ اور موصیٰ لہ کے قبول کرنے کے پیشتر  
 نامنظور کی گئی ہو تو بھی بعض علماء کے نزدیک منسوخ ہو جائیگی مگر بعض کے نزدیک  
 نہ منسوخ ہوگی اور یہی قول ترجیح رکھتا ہے۔ لیکن اگر قبول اور قبضہ دونوں امر ہو چکے  
 ہوں اور اسکے بعد وصیت نامنظر کی جائے تو اسمین کچھ شک نہیں ہے کہ وہ نامنظوری  
 غیر موثر ہے اور اسمین سب علماء کا اتفاق ہے کہ وہ وصیت نہیں منسوخ ہوئی اسوا یکہ  
 حق ملکیت موصیٰ لہ کو حاصل ہو چکا ہے۔

اگر موصیٰ لہ ایک جزء وصیت کو قبول کرے اور باقی کو نہ قبول کرے تو یہ قبول  
 جزئی جائز ہوگا اور اسکا ملک اس جزء میں قائم ہو جائیگا۔

مذہب حنفی میں قبل وفات موصیٰ وصیت کو قبول کرنا بیکار ہے۔ وصیت صریحاً  
 یا ضمنیاً قبول ہو سکتی ہے۔ اگر موصیٰ لہ قبول یا انکار کرنے کے پیشتر مر جائے تو اسکی موت بمنزلہ  
 قبول ہو جائیگی اور قیاس کیجائیگی اور اسکے ورثہ اس مال کو ورثتاً پائیگی۔ تو ریث  
 بالوصیت اور تو ریث بلا وصیت میں یہ فرق ہے کہ وارث میراث پر بغیر قبول قبضہ  
 کر لیتا ہے مگر موصیٰ لہ مال وصیتی پر بغیر قبول قبضہ نہیں پاتا۔ موصیٰ کی وفات کے بعد وصیت  
 کو قبول کرنا چاہیے اور اگر اسکی حیات میں وصیت قبول یا نامنظر کی جائے تو یہ دونوں فعل  
 باطل ہیں مگر موصیٰ لہ کو اختیار ہے کہ موصیٰ کے مرنے کے بعد اسکو قبول کرے۔

وصیت کا اثر شرعی یہ ہے کہ موصیٰ لہ کو ایک جدید حق اسی طرح حاصل ہوتا ہے



جب طرح یہ بین حاصل ہوتا ہے اور جب وہ وصیت قبول کر لیتا ہے تو مال وصیتی اُسکا ہو جاتا ہے۔ پس اگر وہ موصی کی وفات کے بعد قبول کر لے تو شیعہ وصیتی میں اُسکا مال قائم ہو جائیگا خواہ اُسے قبضہ کیا ہو خواہ نہ کیا ہو اور اگر وہ وصیت کو نا منظور کرے تو وہ منسوخ ہو جائیگی۔ مگر جب وصیت ایک گروہ کے باب میں کی جائے مثلاً فقراء کے باب میں یا کسی امرند ہی یا کار خیر کے لیے کی جائے تو موصی اہم کا اُسکو قبول کر لینا فرض کر لیا جائیگا۔

## فصل سوم

وصیت منفعات اراضی و باغات و مکانات و اشجار وغیرہ کی

وصایا کا دائمی ہونا شرع محمدی میں ممنوع نہیں ہے۔ جب تک وصیت میں ابتداء اُس شخص سے کی جائے جو اس وقت زندہ ہو یہ ضرور نہیں ہے کہ جن لوگوں کو مال بقی دیا جائے وہ بھی موجود یا زندہ ہوں۔ لہذا ہر شخص دوسرے کے حق میں ایک مبیعہ معتین تک یا دواماً و استمراراً غلات اراضی و باغات اور کرایہ مکان اور سکونت مکان اور جانوروں اور درختوں اور غلام کے خدمات یا کمسوبات کو استعمال میں لانے کی وصیت کر سکتا ہے اگر وصیت کی مبیعہ وغیرہ محدود ہو تو وہ وصیت دائمی سمجھی جائیگی۔

ایسی وصیت کا اثر یہ ہے کہ مال وصیتی موصی کے ورثہ کا مالک باقی رہتا ہے اور موصی لہ کو صرف اُسکی منفعت لینے کا حق حاصل ہو جاتا ہے جو حسب طرح سے اُس شخص کو حاصل

۱۔ رد المحتار صفحہ ۶۷۷۔ ہدایہ کتاب ۲ باب ۵ صفحہ ۵۲۷۔ غلات کا لفظ مشترک المعنی ہے حبیں پیداوار اور کرا یا لگان اور ہر قسم کی آمدنی اور منفعت اور غلاموں کے خدمات وغیرہ سب چیزیں داخل ہیں۔ جامع الفوائد ۱۲۔ منہ ۱۵ فتاویٰ عالمگیری (صفحہ ۱۸۸) میں ایک باب کا باب منفعت کی وصیت کے بارے میں باین عنوان لکھا ہے۔ فی الوصیۃ بالسکنۃ والخدمۃ والشمۃ وغلۃ العبیۃ وغلۃ البستۃ وغلۃ الارض وغیرہ۔ رد المحتار صفحہ ۶۷۸۔ بھی ملاحظہ ہو۔ ۱۲۔ منہ



ہو جاتا ہے جس کے حق میں وقف کیا جائے۔“

وصیت ایک سال کی بھی ہو سکتی ہے مثلاً سترہ ہجری کی۔ اگر موصی کی وفات کے وقت وہ سال تمام ہو جائے تو وہ وصیت باطل ہو جائیگی۔ اگر سال کا صرف ایک حصہ گزرا ہو تو حصہ غیر منقضي میں وہ وصیت نافذ ہوگی۔

اگر مال وصیتی ایک ثالث جائداد موصی کے اندر ہو تو اسکی منفعت موافق شرائط وصیت کے موصی لہ کو دی جائیگی۔ مثلاً اگر کسی مکان کے حق سکونت کی وصیت ہو اور وہ مکان ایک ثالث جائز الوصیت کے اندر ہو تو وہ موصی لہ کی سکونت کے لیے دے دیا جائیگا۔ اگر صرف اُس مکان کے کرایہ اور منافع کی وصیت کی ہو تو موصی لہ اسکا کرایہ اور منافع پائیگا مگر اس میں سکونت کا نہ مستحق ہوگا۔ اگر مال وصیتی ایک ثالث سے زائد ہو تو موصی لہ اس جز سے مستفیع ہوگا جو ایک ثالث کے اندر ہو۔ فتاواے عالمگیری میں ایک مثال غلام کی لکھی ہے جس سے اس اصول کی توضیح بخوبی ہو گئی ہے۔ وہ عبارت درج ذیل ہے۔

”اگر وہ غلام (جسکی وصیت کی ہے) ثالث مال کے اندر ہو تو وہ موصی لہ کی خدمت ایک دن اور ورثہ کی خدمت دو دن کیا کرے یہاں تک کہ پورا سال ہو جائے اور جب ایک سال گزر جائے تو وہ غلام ورثہ کو دیدیا جائے۔ اگر ایک سال میں کیا گیا ہو اور وہ غلام ثالث مال کے اندر ہو یا اس وصیت کو ورثہ منظور کر لیں تو وہ موصی لہ کو دیدیا جائے اور سال بھر اسکی خدمت کر کے پھر ورثہ کو واپس کر دیا جائے۔ اگر وہ غلام ثالث مال کے اندر نہ ہو اور ورثہ اس وصیت کو نہ منظور کریں تو وہ غلام تین برس تک ایک روز موصی لہ کی خدمت اور دو روز ورثہ کی خدمت کیا کرے جب تین برس گزر جائیں تو اسکی خدمت سے تفصیل وصیت ہو جائیگی۔ اگر موصی لہ مر جائے تو وہ غلام موصی کے ورثہ پر خود کریگا اور اگر وہ موصی کی حیات میں مر جائے تو وصیت باطل ہو جائیگی۔“



اگر موصی نے قبل انقضائے میعاد معینہ وصیت فوت ہو جائے تو مال وصیتی موصی کے ورثہ پر فوراً عود کرے گا۔ اگر موصی نے موصی کی حیات میں مر جائے تو وصیت معاً باطل ہو جائیگی۔ موصی کسی چیز کے عین کی وصیت ایک شخص کے باب میں اور اسکی منفعت کی وصیت دوسرے شخص کے حق میں کر سکتا ہے۔ اور اگر مال وصیتی ایک ثالث جائز الوصیت کے اندر ہو تو ہر ایک موصی نے اپنی اپنی وصیت کا مستحق ہوگا۔ اور اگر منفعت کی وصیت مطلق ہے تو موصی نے اپنی وفات تک اس پر قابض رہنے کا مستحق ہوگا بعد اسکے وہ منفعت اس موصی پر منتقل ہو جائیگی جسکے باب میں عین کی وصیت ہوئی ہے بشرطیکہ وہ زندہ ہو اگر وہ زندہ نہ ہو تو موصی کے ورثہ پر منتقل ہو جائیگی۔

جب وصیت ایک مکان کے کرایہ اور منافع کی ہو تو موصی نے کو اس میں سکونت کرنا نہیں جائز ہے۔ اگر وصیت سکونت مکان کی ہو اور اسکے سوائے اور کوئی جائداد نہ ہو تو موصی نے اس مکان کے ایک ثالث میں رہ سکتا ہے اور ورثہ ان دو ثالث کو جو انکے قبضہ میں ہیں بیچ نہیں سکتے۔ اور نہ وہ موصی کے حساباً سکونت مکان کی وصیت کی گئی ہے اس مکان کو کرایہ پر دے سکتا ہے اور نہ اس غلام کو جسکی خدمات کی وصیت کی گئی ہے موصی کے مکان سے نکال کر دوسرے مکان میں لیجا سکتا ہے مگر یہ کہ موصی اور اسکا اہل و عیال اس دوسرے مکان میں ہوں کہ اس صورت میں اس غلام کو انکی خدمت کے لیے وہاں لیجا سکتے ہیں۔ اس حکم شرع کی وجہ یہ ہے کہ وصیت کی تعمیل موصی کے منشاء کے موافق کرنی چاہیے اور جب موصی کا عیال اسکے ساتھ ایک ہی مکان میں رہتا ہو تو اسکا یہ منشاء ہوتا ہے کہ موصی نے کنیزیت

۱۔ رد المحتار صفحہ ۶۶۹۔ ۲۔ منہ ۱۲ رد المحتار صفحہ ۶۶۹۔ ۳۔ طائر الروایت کے موافق ورثہ اپنے دو ثالث کو نہیں بیچ سکتے اسواطیکہ اس سے موصی نے کالقصان یا حق تلفی ہوگی۔ مگر امام ابو یوسف کے نزدیک ایسی بیچ جائز ہے۔ طائر الروایت میں جو قول لکھا ہے اسکو ترجیح دی گئی ہے۔ ہدایہ میں لکھا ہے کہ موصی نے ورثہ کے حصص کی نسبت یہ اختیار رکھتا ہے کہ انکو کوئی ایسی دستاویز نہ تحریر کرنے دے جو اسکے حق میں مضر ہو ۱۲ منہ ۱۲۔ شافعیہ کے نزدیک وہ ایسا کر سکتا ہے ۱۲ منہ ۱۲ رد المحتار صفحہ ۶۸۰۔ ۱۲۔ منہ



یہ غلام اسی مکان میں کیا کرے۔ لیکن جب موصی دوسرے شہر میں رہتا ہو تو اُسکے ارادہ کو یہ سمجھنا چاہیے کہ موصی لہ اُس غلام سے وہاں جا کر خدمت لے۔

جب کسی مکان کی سکونت کی وصیت کسی شخص کے باب میں بلا تعین میعاد کی جائے تو وہ مدت العمر اُسکا مستحق رہیگا۔ اور جب مکان کی آمدنی کی وصیت کی جائے اور وہ مکان ثالث مال کے اندر ہو گو اُسکی آمدنی ثالث مال سے زائد ہو تو بھی وہ وصیت جائز ہوگی۔ یہی حکم غلام کے مکسوبات یعنی کمائی اور موصی کے باغ وغیرہ کی پیداوار یا آمدنی کا بھی ہے۔ جب یہ وصیت ہو کہ یہ غلام موصی لہ کی خدمت اُسوقت تک کرے جب تک کہ اُسکو اُسکی خدمت کی احتیاج باقی رہے۔ پس اگر موصی لہ نابالغ ہو تو وہ غلام اُسکے زمانہ بلوغ تک اُسکی خدمت کریگا اور اگر موصی لہ بالغ ہو مگر غریب ہو تو وہ غلام اُسکی خدمت اُسوقت تک کریگا جب تک کہ وہ خود ایک غلام خریدے۔ لیکن اگر موصی لہ بالغ ہو اور غنی بھی ہو تو وہ وصیت باطل ہو جائیگی۔

اگر کوئی شخص اپنے غلام کی سال بھر کی کمائی یا اپنے مکان کے ایک سال کے کرایہ کی وصیت کسی کے حق میں کرے اور اس غلام یا اُس مکان کے سوا کسی اور کوئی جائداد نہ رکھتا ہو تو اس صورت میں موصی لہ سال بھر کی کمائی یا کرایہ کا ایک ثالث پائیگا سوا سطلک چونکہ کرایہ یا اور آمدنی بھی ایک قسم کی جائداد ہے لہذا تقسیم ہو سکتی ہے۔ مگر موصی لہ ورثہ سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس مکان کو تقسیم کر لو تاکہ میں اپنے حصہ کا کرایہ خود وصول کر لیا کروں (یعنی ایک ثالث کا)۔

جب وصیت موصی کے باغ کی پیداوار کی ہو تو موصی لہ موجودہ اور آئندہ پیداوار دونوں کا مستحق ہے۔ مگر جب وصیت موصی کے باغ کے میوہ کی دوا ہو تو موصی لہ اس میوہ کا مستحق اپنی وفات تک ہے۔ لیکن اگر موصی نے لفظ دوا یا ابدانہ کہا ہو اور موصی کے روز وفات اُس باغ میں کچھ میوہ لگا ہو تو موصی لہ بقدر ثالث



جائز الوصیت اسکا مستحق ہے مگر آئندہ کے میوہ کا نہیں مستحق ہے کیونکہ یہ خیال کیا جائیگا کہ موصی کا  
نشر صرف میوہ موجودہ دنیا تھا۔ لکن اگر موصی کے روز وفات اس باغ میں میوہ نہ تو وصیت  
اس میوہ میں نافذ ہوگی جو موصی کی وفات کے بعد مگر موصی لہ کی وفات کے قبل پیدا ہو۔ جب  
وصیت اس چیز کی ہو جو دوسری چیز میں ملحق یا اضافہ ہوگئی ہو تو وہ اضافہ خاص جو موصی  
کی وفات کے وقت موجود ہو موصی لہ کو دیا جائیگا اگرچہ وصیت میں ابداً کا لفظ استعمال  
کیا گیا ہو۔ مگر یہ حکم کراہیہ اور منافع کا نہیں ہے۔ اس مسئلہ کی وجہ رد المختار میں لکھی ہے۔  
اور فتاویٰ عالمگیری میں اس مسئلہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ دو اگر کوئی شخص اپنے  
گھر کو سفند کا اون یا اسکے بچے یا اسکا دو دھنیر لے وصیت دے کر مر جائے تو موصی لہ صرف  
اس اون کا جو اون بھڑوں کی پشت پر ہو یا ان بچوں کا جو ان کے بطون میں ہوں یا اس  
دو دھ کا جو انکی جھایتوں میں ہو مستحق ہے خواہ وصیت میں لفظ ابداً کہا ہو خواہ  
نہ کہا ہو۔

اگر مکان کی آمدنی کے ایک ثلث کی وصیت ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک ورثہ  
اس مکان کو تقسیم کر کے اسکا ایک ثلث موصی لہ کو دے سکتے ہیں۔ اگر اس ثلث سے کچھ آمدنی  
ہو تو موصی لہ کو ملیگی اگر اس سے کچھ آمدنی نہ ہو تو اسکو کچھ نہ ملیگا۔ اور ورثہ بھی قبل یا بعد تقسیم  
اسکے ہاتھ اپنے دو ثلث کو فروخت کر سکتے ہیں۔

جب وصیت پیداوار اراضی کے ایک ثلث کی ہو اور اس زمین پر درخت یا اور کوئی  
جائداد نہ ہو تو اس اراضی کو لگان پر دے کر ایک ثلث اس لگان کا موصی لہ کو دیا جائیگا۔ اگر  
اس زمین پر درخت خرما یا اور درخت ہوں تو انکی پیداوار کا ایک ثلث موصی لہ کو دیا جائیگا  
اور وہ زمین مضاربت میں نہ دی جائیگی۔

ان فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۴۸۸۔ رد المختار صفحہ ۴۸۹۔ ہدایہ صفحہ ۵۲۶۔ ۱۲ منہ سے مضاربت اس معاملہ کا نام  
ہے جسکے بموجب مالک اراضی اور اسامی پیداوار اراضی کو باہم انچے حصص حصہ کے موافق تقسیم کر لیتے ہیں۔ ۱۲ منہ



جب وصیت باغ کے میوہ کی ہو تو موصی لہ اس باغ کو موصی کے ورثہ سے خرید سکتا ہے مگر اس سے وصیت منسوخ ہو جائیگی۔ اسی طرح سے اگر موصی کے ورثہ موصی لہ کو اور کوئی چیز دیکر راضی کر لیں تو وہ اپنا ثلث پیداوار انکو دیکر باز دعویٰ دے سکتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس مکان کی سکونت یا غلام کی خدمت کے باب میں ورثہ موصی اور موصی لہ میں معاملہ ہو جائے تو شرعاً جائز ہے مگر ان حقوق کو غیر آدمی کے ہاتھ فروخت کرنا نہیں جائز ہے۔

مکان کی آمدنی یا غلام کی کمائی کی وصیت غریب کے حق میں کرنا جائز ہے۔ مگر مکان کی سکونت یا غلام کی خدمت کی وصیت غریب کے باب میں کرنا نہیں جائز ہے تا وقتیکہ موصی لہم کی تخصیص نہ کر دیجائے۔

جب وصیت اصل اور فرع کی دو شخصوں کے نام ایک ہی وصیت نامہ میں لکھی ہو تو ہر ایک موصی لہ کو وہ شے مخصوص ملیگی جسکی وصیت اسکے باب میں کی ہے مثلاً اگر موصی نے کہا یا لکھا ہو کہ "میں یہ انکو ٹھی ملان شخص کو اور یہ نگ فلان شخص کو دیتا ہوں" اور جب ایک وصیت دوسری وصیت سے علیحدہ کی ہو تو بھی امام ابو یوسف کے نزدیک وہی نتیجہ ہوگا مگر امام محمد کے نزدیک اصل کا موصی لہ بالتخصیص اصل کا مستحق ہے اور فرع میں دونوں موصی لہم شریک ہیں۔

عبارت ذیل اس غرض سے نقل کی جاتی ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ جب ایک ہی چیز کی دو وصیتیں کی جائیں اور ایک وصیت دوسری سے پیدا ہوتی ہو تو ان دونوں کا نفاذ کیونکر کیا جائے۔

"اگر کوئی شخص ایک غلام کی وصیت ایک آدمی کے باب میں اور اسکی خدمت کی وصیت دوسرے آدمی کے حق میں کرے یا ایک مکان کی وصیت ایک کے حق میں اور اسکی سکونت کی وصیت دوسرے کے باب میں کرے یا ایک بھڑکی وصیت ایک کے حق میں اور اسکے اون کی



وصیت دوسرے کے باب میں کرے اور ان دونوں شخصوں کی تصریح کر دے تو ہر ایک موصیٰ وہ چیز یا بیگا جسکی وصیت اسکو کی ہے۔ اس مسئلہ میں کچھ اختلاف نہیں ہے خواہ وہ دونوں وصیتیں اکٹھا خواہ الگ الگ کی گئی ہوں۔ مگر جب ان صورتوں میں پہلے فرع کی وصیت بعد اسکی اصل کی وصیت کی ہو یعنی مثلاً پہلے غلام کی خدمت کی وصیت ایک شخص کے حق میں پھر خود غلام کی وصیت دوسرے شخص کے باب میں کی ہو یا پہلے مکان کی سکونت کی وصیت ایک آدمی کے باب میں کر کے پھر خود اس اصل مکان کی وصیت دوسرے کے حق میں کی ہو یا پہلے میوہ کی وصیت ایک آدمی کے باب میں کر کے پھر اصل درخت کی وصیت دوسرے کے حق میں کی ہو تو جب دونوں وصیتیں یکجا کی ہوں تب ہی ہر ایک موصیٰ اس چیز کا مستحق ہوگا جو اسکے نامزد کی گئی ہے اور اگر دونوں وصیتیں علیحدہ علیحدہ کی گئی ہوں تو اصل کا موصیٰ اس خاصہ اصل کا مستحق ہے اور فرع دونوں موصیٰ کو نصف نصف دی جائیگی۔ اور اگر ایک مکان کی وصیت ایک شخص کے باب میں اور اسکے ایک حجرہ مخصوصہ کی وصیت دوسرے شخص کے حق میں کی ہو تو وہ حجرہ نصف نصف دونوں کو ملیگا۔ اسی طرح سے اگر ہزار درہم کی وصیت ایک شخص کے باب میں اور انہیں سے سو درہم کی وصیت دوسرے کے حق میں کی ہو تو ہزار درہم کا موصیٰ سو درہم کا مستحق ہے اور وہ سو درہم ان دونوں میں برابر تقسیم کیے جائیں۔ اس میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔

جب وصیت کسی جانور کے بچہ کی استعمال یا تصرف کی ہو اور وہ بچہ کام کرنے کے قابل نہ ہو تو اسکو پرورش کرنا اس شخص کو واجب ہے جسکو اس چیز کے عین میں حق حاصل ہو۔ اسی طرح جب درخت سے خرما کا میوہ اڑے وصیت کسی شخص کو دو ادا دے دیا جائے اور خود ان درختوں کی وصیت جو شہور خام ہوں دوسرے کے حق میں کی جائے تو اصل درختوں کا موصیٰ نہ انکی آب پاشی وغیرہ کے مصارف کا ذمہ دار اسوقت تک ہے جب تک کہ وہ بخت ہو جائیں اور انہیں میوہ لگے بعد اسکے یہ ذمہ داری میوہ کے موصیٰ پر عائد ہو جائیگی اور اگر



جب اُن درختوں میں میوہ لگنا شروع ہو جائے تو گو بعد ازان وہ میوہ چٹ جائے اور پھر اُن درختوں میں کچھ میوہ نہ لگے تو بھی میوہ کا موصی لہ مصارف مذکورہ کا ذمہ دار ہوگا جس طرح سے خدمت کا موصی لہ اُس غلام کے دون اور رات دولون کے نفقہ کا ذمہ دار ہے گو وہ غلام رات کو سو رہتا ہو اور کام نہ کرتا ہو۔

اگر باغ کی آمدنی سے بیس درہم سالانہ کی وصیت کسی کے باب میں کی جائے اور اُس باغ کی آمدنی کبھی زیادہ اور کبھی کم ہو جاتی ہو تو موصی لہ ہر سال کی آمدنی کے ایک ثلث کا مستحق ہوگا جس میں سے بیس درہم جب تک وہ زندہ رہے اُسکے نفقہ میں صرف کیے جائیں گے۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ میری جائداد میں سے ایک رقم ماہانہ زید کو گزارہ کے لیے دیدی جایا کرے تو گو وہ رقم کیسی ہی قلیل ہو پورا ایک ثلث اُس جائداد کا اس مقصد خاص کے لیے علیحدہ کر دیا جائے تاکہ موصی لہ حسب الارشاد موصی اس میں سے اپنا گزارہ ماہانہ لے لیا کرے۔

اگر موصی اپنے مال کا ایک ثلث ایک شخص کو اور پانچ درہم ماہوار می دوسرے شخص کو اُسکی حیات تک بطور گزارہ کے اور پانچ درہم ماہوار می تیسرے شخص کی حیات تک بطور گزارہ کے از روئے وصیت مقرر کر جائے اور ورثہ اُن سب وصایا کو منظور کر لیں تو امام عظمیٰ کے نزدیک اُسکی جائداد کے نو حصے کیے جائیں جن میں سے ایک حصہ ایک ثلث کے موصی لہ کو دیا جائے اور باقی اٹھ حصے دیگر موصی لہ کو فی نفر چار کے حساب سے دیے جائیں۔ مگر صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک اُس جائداد کے سات حصے کیے جائیں جن میں سے ایک حصہ ایک ثلث کے موصی لہ کو دیا جائے اور باقی چھ حصے دیگر موصی لہ کو تین تین کر کے دیے جائیں۔ یہ اصول اُن صورتوں میں جاری ہوگا جن میں موصی کے ورثہ سب وصایا کو منظور کر لیں۔ مگر فرض کیجئے کہ وہ نہ منظور کریں تو اس صورت میں بھی



صاحبین کے نزدیک سات حصوں میں وہ جائداد تقسیم ہوگی اور امام اعظم کے نزدیک اس صورت میں یہ سمجھنا چاہیے کہ گویا سب موصی الہم ایک ثلث کے مستحق ہیں جو انہیں تین حصے کر کے تقسیم کر دینا چاہیے۔ اس صورت میں اگر وہ دونوں تنخواہ دار اس سرمایہ یا جائداد کے ختم ہونے کے پیشتر مر جائیں تو جو کچھ فاضل بچے وہ ایک ثلث کے موصی الہ کو ردائلیگا اور اگر انہیں سے ایک مر جائے تو اُسکا حصہ جو بچے وہ اس طرح تقسیم کیا جائے کہ ایک حصہ ایک ثلث کے موصی الہ کو دیا جائے اور دوسرا حصہ دوسرے تنخواہ دار کو دیا جائے۔ یہ قول امام اعظم کا ہے۔ اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ صرف ایک ربع ایک ثلث کے موصی الہ کو دیا جائے اور تین ربع اس تنخواہ دار کو دیا جائے جو زندہ رہ گیا ہے۔

اگر موصی پانچ درہم ماہواری زید کے گزارہ کے لیے اُسکی حیات تک اور دس درہم ماہواری بکر اور خالد کے گزارہ کے واسطے اُنکی حیات تک بالمشارکت یا علیحدہ علیحدہ مقرر کرے اور موصی کے ورثہ ان وصایا کو منظور کر لیں تو اس جائداد کے دو مساوی حصہ کر کے نصف زید کو دیا جائے اور نصف بکر اور خالد کو دیا جائے اس واسطے کہ زید کل جائداد کا موصی الہ سمجھا جائیگا اور بکر و خالد دونوں ملا کر ایک موصی الہ تصور کیا جائیگا اور وہ جائداد ان تینوں میں نصف نصف تقسیم کر دی جائیگی۔ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ اگر زید مر جائے تو اُسکا حصہ بکر اور خالد کے لیے رکھا جائیگا اور دس درہم ماہواری ان کے گزارہ کے لیے علیحدہ دیے جائیں گے۔ اور اگر انہیں سے ایک زید کے پیشتر فوت ہو تو اُسکا حصہ اُسکے ساتھی موصی الہ کو جو زندہ رہ گیا ہے ملیگا اور وہ پانچ درہم ماہواری گزارہ کے لیے علیحدہ پائیگا۔ اگر موصی کے ورثہ ان وصایا کو نہ منظور کریں تو اُسہیں علماء کا اتفاق ہے کہ اس جائداد کے ایک ثلث کے دو حصے برابر کیے جائیں انہیں سے ایک حصہ زید کو اور دوسرا حصہ بکر کو و خالد کو دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی جائداد کے ایک ثلث میں سے چار درہم



ماہواری زید کی اسکی حیات تک اور دس درہم ماہواری بکر اور خالد کی انکی حیات تک مقرر  
کر جائے اور اسکے ورثہ ان دونوں وصیتوں کو منظور کر لیں تو ایک ثالث اس جائیداد کا زید کو  
اور ایک ثالث بکر اور خالد کو بالشارکت دیا جائیگا اور زید کے مرنے کے بعد اسکا ایک ثالث  
یا حقدرا سمین سے باقی رہا ہو موصی کے ورثہ پر عود کرے گا اور اگر بکر یا خالد مر جائے تو اسکا حصہ  
جو باقی رہے وہ اسکے ساتھی موصی لہ کو ملیگا اور جب وہ بھی مر جائے تو جو کچھ باقی رہے وہ  
موصی کے ورثہ پر عود کرے گا۔ اگر ورثہ ان وصایا کو نہ منظور کریں تو ثالث مال کو دو حصوں میں  
تقسیم کر کے نصف زید کو اور نصف بکر اور خالد کو دے دیا جائیگا۔

امام محمد کا قول ہے کہ جب وصیت بائن کلمات کی جائے کہ میں ایک ثالث اپنے  
مال کا زید کو دیتا ہوں کہ جب تک وہ زندہ رہے چار درہم ماہواری اپنے گزارہ کے لیے پایا  
کرے اور دو ثالث بکر اور عمرو کو دیتا ہوں کہ وہ دونوں دس درہم ماہواری جب تک  
زندہ رہیں اپنے گزارہ کے لیے پایا کریں اور اسکے ورثہ ان وصایا کو منظور کر لیں تو کل جائیداد  
کا پورا ایک ثالث پہلے موصی لہ کو دے دیا جائے اور باقی دو ثالث بھی اسی طرح باقی دو  
موصی لہم کو دے دیے جائیں اور جب انہیں سے کوئی مر جائے تو اسکا حصہ اسکے ورثہ کو دیا جائے  
لکن اگر موصی کے ورثہ ان وصایا کو نہ منظور کریں تو پہلے موصی لہ کو ایک ثالث کا نصف ملیگا  
اور باقی دو موصی لہم کو باقی ایک نصف ملیگا۔ اسی طرح سے اگر وصیت بائن کلمات  
کی ہو کہ میں ایک ثالث اپنے مال کا زید کو دیتا ہوں کہ جب تک وہ زندہ رہے اسمین سے  
چار درہم ماہواری گزارہ کے لیے پایا کرے اور میں بکر اور عمرو کے حق میں یہ وصیت  
کرتا ہوں کہ بکر کو اسمین سے پانچ درہم ماہواری گزارہ کے لیے اور عمرو کو تین درہم  
ماہواری گزارہ کے واسطے دیا جائے اور ورثہ ان وصایا کو منظور کر لیں تو پہلے موصی لہ  
کو کل جائیداد کا ایک ثالث ملیگا اور باقی دو موصی لہم دوسرے ثالث کو باہم نصف نصف  
تقسیم کر لینگے۔ لکن اگر ورثہ ان وصایا کو نہ منظور کریں تو زید ایک ثالث کا نصف پائیگا



اور بیکر و عمرو دوسرے نصف کو باہم تقسیم کر لینگے اور جو کوئی انہیں سے مر جائے اسکا حصہ اسکے ورثہ کو ملیگا۔

مسائل شیعہ۔ مذہب شیعہ میں یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کی خدمت یا اپنے باغ کے میوہ یا اپنے مکان کی سکونت یا اور کسی منفعت کی وصیت دواماً یا ایک میعاد معین تک کرے تو جو منفعت اس سے حاصل ہو اسکا تخمینہ کیا جائے اگر وہ موصی کے ثلث مال سے زیادہ نہ ہو تو وہ وصیت جائز ہے اور اگر ثلث مال سے زائد ہو تو موصی لہ کو بقدر ایک ثلث کے دیا جائیگا اور اس سے زائد میں وصیت باطل ہوگی۔

جب کوئی شخص اپنے غلام کی خدمت کی وصیت ایک میعاد معین تک کرے تو اسکے نفقہ کے مصارف اس شخص کے ورثہ پر عائد ہونگے کیونکہ یہ ایسا فرض ہے جو غلام کے ملک بعد عائد ہوتا ہے اور اس ملک پر موقوف ہے اور موصی لہ صرف اسکی خدمت کا مستحق ہے باقی سب حقوق ملکیت اس غلام کے مثل بیع اور عتق وغیرہ کے اسکے مالک کے ورثہ کے ہیں گواہین سے کوئی حق موصی لہ کے حقوق کو نہیں باطل کر سکتا۔

## حاشیہ

سب فرقوں کے نزدیک زبانی وصیت کرنا جائز ہے اور اسکا طے رقیقہ قرآن مجید میں منصوص ہے۔ شرایع الاسلام میں لکھا ہے کہ یہ وصایا دو مسلمان اور عادل گواہوں کے گواہی سے شرعاً ثابت ہو جاتے ہیں یا اگر ضرورت ہو اور دو مسلمان گواہ نہ میسر آئیں تو دو ذمیوں کی شہادت کافی ہے۔ اور جب جائداد کی وصیت کا مقدمہ ہو تو ایک گواہ کی شہادت حلفی قبول ہو سکتی ہے یا ایک مرد اور دو عورتوں کی۔ اور ایک عورت کی گواہی سے بھی موصی لہ کا حق اس مال کے ایک رُبع میں ثابت ہو جاتا ہے جبکی گواہی اسنے دی ہے اور دو عورتوں کی شہادت سے نصف مال میں اور تین عورتوں کی گواہی سے تین رُبع میں اور چار عورتوں کی گواہی سے کل مال میں اسکا دعویٰ ثابت ہو جاتا ہے۔



مگر اوصیاء کا تقرر جو بذریعہ وصیت ہوا ہوا اسکا ثبوت صرف دو مردوں کی گواہی سے ہو سکتا ہے اور اس صورت میں عورتوں کی شہادت غیر مقبول ہے اور نہ ایک مرد گواہ کا اظہار حلفی اس مقدمہ میں قبول ہو سکتا ہے اگرچہ اس میں کسی قدر اختلاف علماء ہے۔

”وصی کی شہادت خود اسکی وصایت کے مقدمہ میں یا کسی مقدمہ میں جس سے خود اسکو یا اسکے عہدہ کو فائدہ ہو نہیں قبول ہو سکتی اور اگر موصی کی جائداد کے ایک خاص حصہ کے صرف کرنے کے لیے وہ وصی مقرر کیا گیا ہو تو اسکی شہادت اس امر کے ثبوت میں نہیں قبول ہو سکتی کہ یہ جائداد موصی کے نمٹ مال سے زیادہ نہیں ہے۔“ بلا واسلام میں جب وصیت گواہوں کی حضوری میں کیجاتی ہے تو گواہوں کا قاعدہ ہے کہ اپنی گواہی وصیت نامہ پر لکھ دیتے ہیں۔ وصیت کسی لفظ یا کلمہ سے ہو سکتی ہے بلکہ اشارات سے بھی ہو سکتی ہے جسے موصی کا مطلب اور ارادہ بخوبی ظاہر ہو جائے۔ اس ملک میں اکثر وصیت تحریری ہوتی ہے جسپر گواہوں کی شہادت ثبت ہوتی ہے اور جسکو وصیت نامہ کہتے ہیں۔

اب ایکٹ پروبیٹ (ایکٹ ۱۸۵۷ء) مسلمانوں کے وصیت ناموں سے متعلق ہے۔ جب وصیت قلمبند نہ ہو تو پروبیٹ کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔

## بیوان باب

### اوصیاء

### فصل اول

### کون لوگ اوصیاء مقرر ہو سکتے ہیں

موصی کو اختیار ہے کہ اپنی وصیت کی تعمیل جس شخص سے چاہے متعلق کرے اور بیابندی بعض قیود کے جبکا ذکر آئندہ کیا جائیگا وصی کا عہدہ مرد یا عورت عزیز یا غیر سب کے



سپرد ہو سکتا ہے۔ اور اگرچہ کوئی انتقال بالوصیت ناجائز ہوتا ہے مقرر وصی اولاد نابالغ کی حراست اور تعلیم و تربیت کے لیے جائز ہوگا۔ وصی کو موصی کی وصیت کی تعمیل جہاں تک وہ موافق شرع ہو بکمال تدبیر کرنا واجب ہے۔ اور اسکی اولاد کے حقوق کی نگرانی کرنا اور اسکے مال و اسباب کا انتظام کرنا بھی لازم ہے۔

مقرر وصی خصوصاً اور عموماً دونوں طرح سے ہو سکتا ہے یعنی کسی خاص مقصد کے لیے یا مقاصد عامہ کے لیے۔

نابالغ یا مجنون کو خواہ جنون لازمی ہو خواہ عارضی وصی مقرر کرنا نہیں جائز ہے۔ مگر عورت اور نابینا اور وہ شخص جسکو غیبت کی سزا شرعی ملی ہو شرعاً وصی مقرر ہو سکتا ہے۔ خصمانہ نے فرمایا ہے کہ جب نابالغ وصی مقرر کیا گیا ہو تو قاضی اسکو برخاست کر کے کسی اور شخص کو وصی مقرر کرے جو موصی کی وصیت کی تعمیل اور اسکی جائداد کے انتظام کی قابلیت رکھتا ہو۔ کوئی فعل جو وصی نابالغ نے قبل برخاست ہونے کے کیا ہو بنا بر قول مشہور موثر نہ ہوگا۔

مگر فرض کیجئے کہ وصی نابالغ قبل اسکے کہ اسکو قاضی برخاست کرے حد بلوغ کو پہنچ جائے تو آیا وصی باقی رہیگا؟ امام اعظم کا قول یہ ہے کہ نہ باقی رہیگا مگر ابو حنفیہ نے فرمایا ہے کہ وہ وصی باقی رہیگا اور ائمین امام محمد اور امام ابو یوسف نے اتفاق فرمایا ہے نابالغ خود اکیلا وصی نہیں مقرر ہو سکتا مگر اسکے ساتھ بالغ شریک ہو سکتا ہے۔ اور اس جائداد کے انتظام میں وہ نابالغ نہیں دخل دے سکتا ہے تا وقتیکہ بالغ نہ ہو جائے۔

جب دو وصی مقرر کیے جائیں اور ائمین سے ایک بالغ اور ایک نابالغ ہو تو وصی بالغ اکیلا کام کر سکتا ہے جب تک کہ وصی نابالغ بھی بالغ ہو جائے مگر جب وہ بالغ ہو جائے

۱۔ جامع الشتات۔ فتاویٰ قاضی خان۔ رد المحتار ۱۲ منہ ۵۵ رد المحتار صفحہ ۶۸۹۔ فتاویٰ عالمگیری

صفحہ ۲۱۴۔ ۱۲ منہ ۵۵ رد المحتار صفحہ ۶۸۹۔ ۱۲ منہ



تو پھر وصی بالغ اکیلا کام نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر وصی نابالغ مر جائے یا بعد بلوغ مجنون ہو جائے  
تو دوسرا وصی اکیلا کام کر سکتا ہے اور اس صورت میں قاضی کسی کو زبردستی اسکا شریک  
نہیں مقرر کر سکتا اسواسطیکہ ایک وصی موجود ہے جسکو خود وصی نے مقرر کیا تھا۔ اور  
وصی بالغ نے وصی نابالغ کے زمانہ نابالغی میں چاہیے جو کچھ کیا ہو اس فعل کو وصی نابالغ  
بعد بلوغ منسوخ نہیں کر سکتا مگر یہ کہ وہ فعل اس وصیت کی حقیقت اور اس کے مقصد  
کے خلاف ہو۔

چونکہ وصی اس غرض سے مقرر کیا جاتا ہے کہ وصی کی اولاد کی تعلیم و تربیت کی نگرانی  
کرے اور ان کے حقوق کی حفاظت کرے اور اسکی وصیت کی تعمیل و احیاء کرے لہذا شرع  
میں حکم قطعی ہے کہ کافر مسلم کا وصی نہ مقرر کیا جائے۔ سب فرقوں کا اتفاق ہے کہ مسلم کافر  
حربی کو اپنا وصی نہیں مقرر کر سکتا اگرچہ وہ دارالاسلام میں ستمین ہو۔ اگر ایسا تقرر عمل  
میں آیا ہو تو قاضی اسکو منسوخ کر سکتا ہے۔ ذمی کو وصی مقرر کرنا جائز ہے مگر قاضی اس کے تقرر  
کو بھی منسوخ کر سکتا ہے۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ کافر حربی کا تقرر بعدہ وصی فی نفسہ  
باطل ہے مگر ذمی کا تقرر اس عہدہ پر اسوقت تک جائز ہے جب تک کہ قاضی اسکو منسوخ کر دے  
یہی رائے مشیران قانونی سرکاری نے دو مقدموں میں دی تھی جنکا فیصلہ صدر دیوانی  
عدالت نے ملت اعزین کیا تھا۔

بمقدمہ محمد امین الدین ویک کس دیگر بنام محمد کبیر الدین ایک مسلمان عورت نے  
اپنی کل جائداد کی وصیت ایک غیر آدمی کے حق میں کر کے ایک ہندو کو اپنا وصی مقرر  
کیا تھا۔ جب صدر عدالت دیوانی کے ججوں نے اس مقدمہ میں قاضی القضاات اور  
مفتیان عدالت سے استصواب کیا تو انھوں نے یہ فتوے دیا کہ (۱) اگر موصیہ  
لا وارث مری ہے تو وہ اپنی ساری جائداد بذریعہ وصیت دے سکتی تھی۔ (۲) اگر وہ  
وارث رکھتی تھی تو ثلث مال سے زیادہ کی وصیت کا جواز اس کے ورثہ کی رضامندی پر



موقوف ہے۔ (۳) اگرچہ مسلم کا وصی غیر مسلم شرعاً مقرر ہو سکتا ہے مگر قاضی کو واجب ہے کہ اُسکو اُس عہدہ سے معزول کرے۔ اور اگرچہ وہ تقرر صحیح نہیں ہے تاہم شرعاً جائز ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اس وصی کے افعال بحیثیت وصی اسوقت تک جائز ہیں جب تک کہ قاضی اُسکو معزول کرے۔ اور اُس تقرر سے اُس وصیت کے چواڑہ میں جہاں تک وصی لہ کا حق متعلق ہے کچھ فتور نہ واقع ہوگا۔

بمقدمہ سہری املاک و دیگران مباحہ طور النساخہ بھی ہی اصول قرار دیا گیا ہے۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم کو مسلم کا وصی مقرر ہونا حالات موجودہ تمدن میں جائز ہے۔ البتہ اگر وصی غیر مسلم وصی مسلم کی اولاد نابالغ کے مذہب میں مداخلت سبب کرنا یا اُسکو تعلیم بیجا دینا چاہے تو بیج یا قاضی پر فرض ہے کہ اُسکو برخاست کر دے۔ تاوقتیکہ وہ ایسے فعل کی علت میں یا اسوجہ سے کہ شرع محمدی میں قاضی کو حکم ہے کہ اُسکو برخاست کر دے معزول نہ کیا جائے اُسکا تقرر جائز اور اُسکا انتظام صحیح باقی رہیگا۔

اگر کسی وصی کو اختلاف مذہب (کفر) یا عدم بلوغ یا عبدیت (غلامی) یہ عذر شرعی مانع وصایت ہوں اور وہ مسلمان ہو جائے یا آزاد کر دیا جائے یا نابالغ ہو جائے اور اسوجہ سے وہ مانع شرعیہ رفع ہو جائیں تو وہ وصی باقی رہیگا اگر معزول نہ ہو چکا ہو۔ مگر وصی نابالغ اور وصی غیر مسلم یا وصی غلام کے افعال میں یہ فرق ہے کہ وصی آخر الذکر کے افعال جائز ہیں مگر وصی سابق الذکر کے افعال بالکل ناجائز ہیں۔

جب قاضی کو معلوم ہو کہ جس شخص کو وصی نے اپنا وصی مقرر کیا ہے وہ اس کام کی لیاقت نہیں رکھتا یا سفیہ و نالائق ہے تو وہ دوسرے آدمی کو اُسکا مددگار مقرر کرے اور اگر اسکی عدم قابلیت دائمی ہو تو اسکی جگہ پر دوسرا وصی مقرر کر سکتا ہے جو منبر لہ اُسکے معزول کرنے کے ہوگا۔ اگر وصی خود کمدے کہ جو کام میرے سپرد کیا گیا ہے اسکی



لیاقت مجھے نہیں ہے تو قاضی اُسکے اس قول کو بغیر اس امر کو تحقیق کیے نہ قبول کرے  
 لیکن اگر اُسکو معلوم ہو کہ یہ شخص فی الواقع نالائق ہے تو اُسکی جگہ پر اور کسی کو مقرر کر دے  
 بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر قاضی اُس وصی کو موقوف کر دے جسکو موصی نے مقرر  
 کیا ہو اور جو اپنے کام کی لیاقت رکھتا ہو تو وہ موقوف ہو جائیگا اگرچہ قاضی نے یہ فعل  
 خلاف انصاف کیا ہو اور گناہ کیا ہو۔ مگر شبہا میں لکھا ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔  
 اکثر علماء کے نزدیک یہ حکم قاضی کا موثر ہے جیسا شرح وہبانیہ میں لکھا ہے مگر جامع الفصولین  
 میں لکھا ہے کہ ایسی معزولی کو ناجائز سمجھنا چاہیے البتہ قاضی کو واجب ہے کہ وصی خائن  
 یا غیر معتبر کو معزول کر دے۔ اُسکے بعد شراح نے لکھا ہے کہ جامع الفصولین کے  
 باب ۲۰ میں لکھا ہے کہ جب وہ شخص جسکو موصی نے وصی مقرر کیا ہو مرد عادل ہو تو قاضی  
 کو یہ مناسب نہیں ہے کہ اُسکو معزول کر دے اور اگر وہ ایسا کرے تو اکثر فقہاء کے  
 نزدیک اُسکا یہ فعل باطل ہے۔ میرے نزدیک یہ قول صحیح ہے۔ کیونکہ موصی قاضی کے  
 بہ نسبت اپنے حال پر زیادہ شفقت رکھتا ہے۔ پس اسی قول کے موافق فتوے دنیا  
 چاہیے۔ مگر یہ سب اس وصی سے متعلق ہے جسکو خود موصی نے مقرر کیا ہو مگر جس وصی کو  
 خود قاضی نے مقرر کیا ہو اُسکو قاضی جب مناسب سمجھے معزول کر سکتا ہے۔“

مسائل شیعہ۔ مذہب شیعہ میں بھی وصی کے اوصاف شرعی اسی قسم کے ہیں  
 جیسے مذہب حنفی میں ہیں۔ یعنی وصی کا صحیح العقل اور مسلمان ہونا شرط ہے بعض  
 علماء شیعہ کا قول یہ بھی ہے کہ وصی کو عادل ہونا چاہیے کیونکہ فاسق کا اعتبار نہیں ہو  
 مگر بعض کے نزدیک اُسکا عادل ہونا ضرور نہیں ہے اسواسطیکہ سب مسلمان معتبرین  
 اور نیز اسواسطیکہ اُسکو موصی نے اپنا وصی مقرر کیا ہے۔ مگر مجتہد کو واجب ہے کہ  
 اس وصی کو معزول کر دے جو وصی مقرر ہونے کے وقت تو معتبر اور امین ہو مگر



موصی کی وفات کے بعد خائن ہو گیا ہو کیونکہ موصی نے تو اسکو مستدین سمجھ کر وصی مقرر کیا تھا اور جب اسکو یہ معلوم ہوتا کہ یہ خیال سیرا غلط ہے تو وہ خود اسکو موقوف کر دیتا۔

کسی شخص کے غلام کو بغیر اس کے اقا کی اجازت کے وصی مقرر کرنا نہیں جائز ہے۔ آدمی اپنے غلام کو اپنا وصی مقرر کر سکتا ہے بشرطیکہ اسکی اولاد نابالغ ہو۔ اگر اسکی اولاد بالغ ہو تو نہیں مقرر کر سکتا۔ جب کوئی وصی جنون دائمی میں مبتلا ہو جائے تو قاضی اور کسی کو اسکی جگہ پر مقرر کر دے۔ اگر قاضی نے کسی کو وصی نہ مقرر کیا ہو اور وہ وصی جنون سے شفا پائے تو وہی وصی رہے گا۔

## فصل دوم

### تقرر اوصیاء کیونکر کیا جائے۔

وصی کو موصی ایسے بھی کہتے ہیں اور اسکی تعریف یہ لکھی ہے کہ ایک امین ہے جسکو موصی نے اس غرض سے مقرر کیا ہو کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے مال اور اولاد کی نگرانی اور حفاظت اور انتظام کیا کرے۔ وہ اسکا قائم مقام بھی ہے۔

اوصیاء کی تین قسمیں ہیں۔ اول وہ وصی جو اس کام کو جو اس کے سپرد کیا گیا ہے بجالا سکتا ہے اسکو وصی مقرر کہتے ہیں اور اسکو قاضی معزول نہیں کر سکتا۔ دوم وہ وصی جو سفیہ اور مالائق ہو اسکا مددگار قاضی کو مقرر کرنا چاہیے۔ سوم وہ

۱۔ شرائع الاسلام صفحہ ۲۵۳۔ جامع الشتات ۱۲ منہ ۵۷ رد المحتار صفحہ ۶۸۔ ۱۲ منہ ۵۷ وصی کا عہدہ قبول کرنا محض نامناسب ہے۔ کیونکہ یہ ایک خطرناک امر ہے جیسا امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ وصایت پہلی مرتبہ قبول کرنا خطا ہے دوسری دفعہ قبول کرنا فریب ہے تیسری مرتبہ قبول کرنا سرقہ ہے۔ فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۱۱۔ رد المحتار صفحہ ۶۵۵۔ ۱۲ منہ ۵۷ وہی کی حیثیت میں از روئے شرع محمدی اور بموجب قانون انگلستان بڑا فرق ہے۔ شرع محمدی میں وصی موصی کی جائداد کے انتظام اور تحفظ کے لیے اسکا قائم مقام ہے مگر کوئی حق اس جائداد میں نہیں رکھتا ہے۔ اسکا مقابلہ ایکٹ ۵۱۸ء کے احکام سے کیجیے۔ ۱۲ منہ



وصی جو فاسق یا کافر یا غلام ہو قاضی کو مناسب ہے کہ اسکو موقوف کر کے دوسرے شخص کو  
اسکی جگہ پر مقرر کرے۔

سابق میں بیان کیا گیا کہ (بابتثنا را اشخاص مذکورہ بالا کے) موصی ہر شخص کو وصی  
مقرر کر سکتا ہے اور اسکا تقرر اسوقت وقوع میں آئیگا جبکہ وہ اس عہدے کو قبول کر لے  
قبول قولاً و فعلاً دونوں طرح سے ہو سکتا ہے اور موصی کی حیات میں یا اسکی وفات کے بعد  
ہو سکتا ہے۔ موصی کی وفات کے بعد جو کارروائی اسکی جائداد میں کی جائے وہ بمنزلہ  
قبول ہے۔

جو شخص وصی مقرر ہوا ہو وہ وصایت سے استعفاء دے سکتا ہے یا انکار کر سکتا ہے اور اگر  
وہ ایسا کرے تو اسکا تقرر نافذ نہ ہوگا۔ جب تقرر اور قبول دونوں فعل فریقین کی موجودگی میں  
واقع ہوں تو کچھ وقت نہیں ہے۔ مگر جب کسی شخص کو اسکی غیبت میں وصی مقرر کر دیا ہو اور جب  
اسکو اطلاع ہو تو وہ کہے کہ مجھے منظور نہیں ہے اور پھر کہے کہ منظور ہے تو یہ قبول جائز  
ہے مگر یہ قبول کرنے کے پیشتر قاضی نے اسکو معزول کر دیا ہو۔ لیکن اگر موصی کی حیات میں  
تو اسنے وصی ہونا قبول کیا ہو اور اسے مرنے کے بعد قبول کر لیا ہو تو یہ قبول جائز نہ ہوگا۔  
اگر اسنے موصی کے سامنے سکوت کیا ہو اور پھر موصی کی حیات میں یا اسکی وفات کے بعد  
قبول کر لیا ہو تو یہ قبول جائز ہوگا خواہ قاضی کے سامنے کیا گیا ہو خواہ نہ کیا گیا ہو مگر یہ قبول  
کرنے کے پیشتر قاضی نے اسکو معزول کر دیا ہو کہ اس صورت میں اسکا مابعد کا قبول ناجائز  
ہوگا۔ اگر وہ موصی کی غیبت میں کہے کہ میں نہیں قبول کرتا اور یہ انکار موصی کو خط میں لکھ بھیجے  
یا کسی کے ہاتھ کھلا بھیجے اور پھر کہے کہ میں قبول کرتا ہوں تو یہ قبول جائز نہ ہوگا۔

جب وصی کا عہدہ ایک مرتبہ قبول کر لیا جائے تو پھر استعفاء نہیں ہو سکتا مگر

رہنما المختار صفحہ ۶۸۶۔ مگر اشیاء سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا کر سکتا ہے اگر وصیت نامہ میں اس مضمون کی کوئی

شرط لکھی ہو۔ ۱۲ منہ



وصی قاضی سے اپنے تین موقوف کرا سکتا ہے۔ امام محمد نے جامع الصغیر میں فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص وصی مقرر کیا جائے اور وصی کی حیات میں اس عہدہ کو قبول کر لے تو اس قبول کرنے والے پر وہ عہدہ فرض ہو جائیگا پس اگر وصی کی وفات کے بعد وہ اس عہدہ علیحدہ ہونا چاہے تو نہیں علیحدہ ہو سکتا۔ لیکن اگر وہ وصی کی حیات میں اور اس کے روبرو استغفار دے تو وہ استغفار جائز ہے اور اگر اس کے روبرو نہ دے تو ناجائز ہے۔ اس کے روبرو مراد اس کے علم سے ہے اور اس کے روبرو نہ ہونے سے مراد اس کی لاعلمی ہے۔ یہ محیط کے موافق ہے۔ اگر وصی وصی کے سامنے قبول کر لے اور وصی اس کی غیبت میں کہے کہ ”میں نے اسکو وصایت سے بری کیا تم اس بات پر گواہ رہو“ تو یہ ابراء جائز ہے۔ لیکن اگر وصی ایک مرتبہ قبول کر چکا ہو اور پھر وصی کی غیبت میں وصایت کو ناجائز کرے تو حنفیہ کے نزدیک یہ ابرار باطل ہے۔ اسی کے مشابہ مذہب شیعہ کے احکام بھی ہیں۔ یعنی لکھا ہے کہ وصی کی حیات میں وصی کو وصایت سے انکار کرنا جائز ہے بشرطیکہ وصی کو اطلاع دیدی ہو۔ لیکن اگر وصی اس انکار کے قبل یا بعد مر جائے اور اس کی اطلاع اسکو نہ ہوئی ہو تو وہ انکار صحیح نہیں ہو سکتا اور وصی اپنے فرایض منصبی کی تعمیل واجب ہے۔ اگر وصی اپنے فرایض منصبی کے تعمیل کی لیا نہ رکھتا ہو تو مجتہد اسکا مددگار کسی کو مقرر کر سکتا ہے لیکن اگر وہ خائن یا جلساز ہو تو اسکو موقوف کر کے دوسرے شخص کو اس کی جگہ پر مقرر کرنا چاہیے۔

تقرروہی اُن سب الفاظ سے ہو سکتا ہے جسے وصی کا منشاء اپنی وفات کے بعد اسکو اپنا قائم مقام مقرر کرنے کا ظاہر ہو جائے۔ اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ ”تم میرے مرنے کے بعد میرے وکیل ہو“ تو یہ بمنزلہ وصی مقرر کرنے کے ہو جائیگا۔

فتاویٰ قاضی خان اور خلاصہ اور اکتب فقہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ ”میں اپنے مرنے کے بعد اپنے لڑکوں کو تمھارے سپرد کرتا ہوں“ یا ”میرے مرنے کے بعد



میری اولاد کا خیال رکھنا" یا اور ایسے ہی کلمات کے جسے دوسرے شخص کو وصی کے منیکے بعد  
 اُسکی طرف سے کچھ افعال کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے تو تقرر وصی ہو جائیگا۔ ایک کتاب میں  
 لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص چند اشخاص سے کہے کہ یہ بات میرے مرنے کے بعد میری طرف سے  
 کرنا۔ تو اس سے وہ سب اشخاص اُسکے اوصیاء ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ سب وصی کی وفات  
 تک خاموش رہیں اور بعد اُسکے انہیں سے صرف بعض لوگ قبول کر لیں تو وہی اوصیاء  
 ہو جائیں گے۔ لیکن انہیں سے فقط ایک شخص قبول کر لے تو وہ وصی کا کام نہ کر سکے گا جب تک کہ  
 قاضی دوسرے شخص کو انتظام جائد و وصی میں اُسکا شریک نہ مقرر کرے اس واسطیکہ وصی کا  
 منشاء صاف یہ تھا کہ منصب وصی پر کوئی شخص مقرر کیے جائیں۔

وصی بغیر اپنی رضا مندی اور بغیر اپنے علم کے معزول ہو سکتا ہے۔ وصی کی معزولی  
 اور وکیل کی معزولی میں یہ فرق ہے کہ اُسکے موکل کو اُسے آگاہ کر دینا چاہیے کہ تم معزول  
 کیے گئے۔

جب کسی شخص نے دو وصی مقرر کیے ہوں تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک ایک وصی  
 اکیلا اُسکی جائداد کا انتظام نہیں کر سکتا اور جو فعل انہیں سے ایک وصی نے کیا ہو وہ بغیر  
 دوسرے کی منظوری کے نہیں نافذ ہو سکتا مگر بعض مقدمات مخصوصہ میں۔ مثلاً ایک وصی  
 دوسرے سے علیحدہ ہو کر وصی کا غسل اور دفن و کفن اور اُسکے جنازہ کی تشییع کر سکتا ہے  
 اور اُسکا قرضہ اُسکی اُسی قسم کی جائداد سے جس قسم کا قرضہ ہے ادا کر سکتا ہے اور  
 وصایا سے مخصوصہ وصی لہم کو حوالہ کر سکتا ہے اور اُسکی امانتوں کو واپس کر سکتا ہے  
 اور جو چیزیں اُسے غصب کر لی ہوں یا بذریعہ بیع ناجائز حاصل کی ہوں انکو واکذار کر سکتا ہے  
 اور اُسکے کسی خاص غلام کو آزاد کر سکتا ہے اور اُسکی جائداد کی عام حراست کر سکتا ہے  
 مگر ایک وصی دوسرے سے علیحدہ ہو کر وصی کی اُس امانت کو جو کسی شخص پاس ہو  
 نہیں لے سکتا یا اُسکا قرضہ کسی پر آتا ہوا اُسکو نہیں وصول کر سکتا البتہ انہیں سے



ایک اکیلا اسکے حقوق کی نالش کر سکتا ہے۔ انہیں علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یکہ وصی بلا ستر  
 دوسرے وصی کے نابالغ کی طرف سے ہبہ کو قبول کر سکتا ہے اور اسکے افعال کو منظور کر سکتا ہے  
 اور جو چیزیں وزن یا پیمانہ ہو سکیں انکو تقسیم کر سکتا ہے اور جس چیز کے خراب ہو جائیکہ اندیشہ ہو  
 اسکو بیچ سکتا ہے۔ جب موصی نے یہ وصیت کی ہو کہ چند حصے میری جائداد کے فقرا و مساکین کو  
 خدا کی راہ میں دیدیے جائیں اور انکی تخصیص نہ کی ہو تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک ایک  
 وصی اس مقدمہ میں دوسرے وصی سے علیحدہ ہو کر نہیں کام کر سکتا مگر امام ابو یوسف کے  
 نزدیک کر سکتا ہے۔ لیکن اگر فقرا و مساکین کی تصریح کر دی ہو تو دو میں سے ایک وصی سب  
 علماء کے نزدیک اکیلا کام کر سکتا ہے۔ صورت مذکورہ بالا میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ دو وصی  
 ایک ہی کام میں لینے اکٹھا مقرر کیے گئے ہیں۔ لیکن جب ایک وصی دوسرے سے پیشتر  
 مقرر کیا گیا ہو تو بعض علماء حنفی کا قول ہے کہ انہیں سے ہر ایک وصی علیحدہ کام کر سکتا ہے  
 مگر بعض علماء نے فرمایا ہے کہ امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک وہ انتظام جائداد موصی کے  
 مقدمہ میں علیحدہ علیحدہ کام نہیں کر سکتے اور یہی قول علامہ سرخسی نے اختیار کیا ہے۔ البتہ  
 اگر دو وصی خاص اس شرط سے مقرر کیے گئے ہوں کہ انہیں سے ایک اکیلا کام کر سکتا ہے یا  
 موصی نے کہہ دیا ہو کہ انہیں سے ہر ایک وصی تام ہے تو ہر ایک اکیلا اسکی جائداد کا انتظام  
 کر سکتا ہے۔

جب دو وصی ہوں تو انہیں سے ایک کے افعال باطل ہیں تا وقتیکہ دوسرا انکی تصدیق  
 نہ کرے جیسے دو متولیوں میں سے ایک متولی کے افعال بغیر اتفاق دوسرے متولی کے  
 باطل ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر دو وصیوں میں سے ایک وصی زمین وقفی کا بیٹہ  
 لکھ دے تو نہیں جائز ہے تا وقتیکہ دوسرا وصی نہ منظور کرے اگرچہ وہ دونوں علیحدہ علیحدہ  
 وصی مقرر ہوئے ہوں۔ بعض علماء نے مثل ابولیس کے فرمایا ہے کہ جب دو وصی علیحدہ  
 علیحدہ افعال قیادہ عالمگیری سے لیے گئے ہیں ۱۲ منہ



علیہ مقرر کیے گئے ہوں تو وہ علیہ علیہ کا کام بھی کر سکتے ہیں۔ مگر موقوفین قول اول کو صحیح لکھا ہے اور یہی قول صاحب درمختار نے بھی اختیار کیا ہے۔ مگر یہ اسوقت ہے جبکہ دونوں وصیتوں کا موصی نے یا ایک ہی قاضی نے مقرر کیا ہو لیکن اگر انکو دو قاضیوں نے مقرر کیا ہو تو وہ علیہ علیہ کا کام کر سکتے ہیں کیونکہ دو قاضی اپنے اپنے حدود اختیار کے اندر جو کارروائی کریں وہ جائز ہے لہذا مستطمان جائداد موصی جب اُنکے نائب ہیں تو انکو بھی ایسا کرنا جائز ہے۔

وصی شریک کی تصدیق بمنزلہ تجدید معاہدہ کے نہیں ہے بلکہ اُس سے صرف وہ معاہدہ جو پہلے ناجائز تھا جائز ہو جاتا ہے۔ اگر ایک وصی دوسرے کے علم یا مرضی کے بغیر کام کرے اور کچھ جائداد کا نقصان ہو جائے تو اُس نقصان کی تلافی یا مکافات اُسی وصی کو کرنی پڑے گی جسکے اکیلا کام کرنے سے وہ نقصان ہوا ہے۔ ایک وصی دوسرے وصی کو اپنا وکیل مقرر کر سکتا ہے اور اس صورت میں اکیلے اُس وصی کی کارروائیاں جائز ہو جائیں گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک دو میں سے ایک متولی یا وصی اکیلا کام نہیں کر سکتا مگر امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک کر سکتا ہے خواہ وہ دونوں ساتھ مقرر ہوئے ہوں خواہ علیہ علیہ مقرر ہوئے ہوں۔ اور امام اعظم کا قول عموماً مفتی ہے۔ افعال ایک وصی کے بلا شرکت دوسرے وصی کے موصی کا کفن خریدنے اور اُسکی تجنیز و تکفین میں اور اُسکے حقوق کی نالاش کرنے میں اور اُسکی اولاد کے لیے اشیاء ضروری خریدنے میں اور اُسکی طرف سے یہ قبول کرنے میں اور غلاموں کو آزاد کرنے میں اور جو امانتیں موصی پاس رکھی ہوں انکو واپس کرنے میں اور وصایا سے مخصوصہ ادا کرنے میں جائز ہیں۔ شرح و ہدایہ میں ان امور کو بھی لکھا ہے کہ ایک وصی اکیلا کر سکتا ہے۔

دو اس استثناء کی علت ضرورت ہے ابواسطی کہ ان امور میں تاخیر ہونے سے لاش کے شر جانے کا خوف ہے۔



یعنی جو چیزیں موصی نے خیانت کر کے یا بذریعہ بیع ناجائز حاصل کی ہوں انکو واپس کر سکتا ہے اور جن چیزوں کا وزن یا پیمانہ ہو سکے انکو تقسیم کر سکتا ہے اور موصی کے قرضہ پر اُس کے قرضہ کا تقاضا کر سکتا ہے اور اُس کا قرضہ ادا کر سکتا ہے۔

جب دو مین سے ایک وصی غیر حاضر ہو تو جو موجود ہے وہ اکیلا کام کر سکتا ہے بشرطیکہ اُس وصی کی غیبت منقطع ہو یعنی وہ اتنے فاصلہ پر ہو کہ کوئی قافلہ یا کاروان وہاں پہنچ سکتا ہو۔

ایک وصی اکیلا اُس چیز کو فروخت کر سکتا ہے جس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ سابق مین بیان کیا گیا کہ جملہ مقدمات میں ایک وصی کو اکیلا کام کرنا امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے مگر امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک نہیں جائز ہے۔ مگر جب موصی نے وصیت میں کہہ دیا ہو کہ دونوں وصی بالشارکت یا علیحدہ علیحدہ کام کر سکتے ہیں تو سب علماء کے نزدیک ہر ایک وصی اکیلا کام کر سکتا ہے۔

مسائل شیعہ۔ شیعہ اور حنفیہ میں اس باب میں کچھ خفیہ سا اختلاف ہے۔ یعنی مذہب شیعہ میں یہ ہے کہ جب دو وصی عموماً یا خاص اس شرط سے مقرر کیے گئے ہوں کہ وہ

اس وجہ سے ہمسایوں کو متونی کے قبیلہ و کفین کا حکم ہے اور جو مسافر استہین مر جائے اُس کے ساتھی مسافروں کو اُس کے دفن و کفن کا حکم ہے۔ رد المحتار ۱۲ منہ ایسی غیر حاضری کو اصطلاح فقہاء میں غیبت منقطع کہتے ہیں۔ یہ قاعدہ اس اصول پر مبنی ہے کہ دونوں وصیوں کو بالشارکت کام کرنا ضرور ہے کیونکہ جب ایک وصی اتنے فاصلہ پر ہو یا اتنی دور رہتا ہو کہ اُس کو خط نہ پہنچ سکے نہ اُس کا خط پہنچ سکے تو وہ اس وقت خاص میں شرعاً معدوم سمجھا جاتا ہے اور اُس حالت میں دونوں وصیوں کے بالشارکت کام کرنے کی ضرورت شرعاً نہیں ہے۔ جو چیزیں موصی پاس امانت رکھی ہوں انکو ایک وصی پھیر سکتا ہے مگر جو چیزیں موصی کی اور کسی کے پاس امانت رکھی ہوں انکو دونوں وصی واپس لے سکتے ہیں۔ یہ قول سبکی کا ہندیہ (فتاویٰ عالمگیری) میں لکھا ہے۔ اور یہی قول ابن شہنہ کا بھی ہے۔ مگر جب کوئی چیز وصیت ادا کرنے کے لیے فروخت کرنی پڑے تو بغیر رضا مندی دوسرے وصی کے نہیں فروخت ہو سکتی۔

قاضی خان نے لکھا ہے کہ ایک وصی ہر چیز پر جو موصی کو قبل اُسکی وفات کے وراثتاً ملی ہو قبضہ کر سکتا ہے بشرطیکہ اُس پر قبضہ نہ ہوا ہو اور جو جائیداد یا امانتیں موصی کی مکان میں رکھی ہوں انکو نقصان سے بچانے کے لیے بھی ایک وصی قبضہ کر سکتا ہے اور اگر کسی بھی وصی کے قرضہ کی جو کسی پر واجب الاما ہو رسید نہیں دے سکتا مگر اُس کے قرضہ کا مطالبہ وراثتاً کر سکتا ہے۔



و دونوں بالمشارکت کام کریں تو انہیں سے ایک بغیر دوسرے کے کام نہیں کر سکتا اور اگر انہیں سے ایک اکیلا کام کرے تو اس کے افعال ناجائز ہونگے سوائے ان افعال کے جو نہایت ضروری ہوں جیسے موصی کی اولاد نابالغ کے لیے نان و نفقہ مہیا کرنا۔ اور حاکم شرع کو واجب ہے کہ انکو بالمشارکت کام کرنے پر مجبور کرے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو ان دونوں کے جگہ پر اور دن کو مقرر کر دے۔ اسی طرح سے جب دو وصی ہوں تو وہ جائداد کو باہم تقسیم کر سکا انتظام علیحدہ علیحدہ نہیں کر سکتے۔ اور اگر ان میں سے ایک بیمار پڑ جائے یا اپنے فرائض منصبی کی تعمیل کے قابل نہ ہے تو حاکم شرع کو واجب ہے کہ دوسرا وصی جو لائق ہے اسکا شریک کسی کو مقرر کرے مگر یہ اختیار اسوقت نہیں عمل میں آ سکتا جبکہ انہیں سے ایک مر جاے یا ناقابل ہو جائے کہ اس صورت میں جو وصی باقی رہ گیا ہے وہ اکیلا کام کر سکتا ہے اور حاکم شرع کو دوسرا وصی مقرر کرنے کا اختیار نہیں ہے جب تک موصی کا مقرر کردہ وصی زندہ ہے اور کام کر نیکی لیاقت رکھتا ہے۔ اگر موصی نے یہ شرط کر لی ہو کہ وصی بالمشارکت اور علیحدہ علیحدہ بھی کام کریں تو اس صورت میں وہ افعال جو اکیلے ایک وصی کیے ہوں جائز ہیں۔ اور وہ جائداد کو باہم تقسیم کر کے اس کے ایک ایک جزو کا انتظام علیحدہ علیحدہ بھی اسی طرح کر سکتے ہیں جس طرح قبل تقسیم علیحدہ علیحدہ کام کر سکتے تھے۔

جب دو وصی دو مقصد سے مقرر کیے جائیں ایک موصی کا قرضہ ادا کرنے کے لیے اور ایک اسکی جائداد کا انتظام کرنے کے واسطے تو امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک وہ دونوں عموماً وصی ہیں اور سب مقدمات میں کارروائی کر سکتے ہیں۔ مگر امام محمد نے اس میں اختلاف کیا ہے اور فرمایا ہے کہ انہیں سے ہر وصی کا اختیار اس مقصد پر محدود ہے جس مقصد کے لیے وہ مقرر کیا گیا ہے۔ مگر جب یہ شرط خاص کر لی جائے کہ ایک وصی اس مقدمہ میں کارروائی نہ کرے جس کے واسطے دوسرا وصی مقرر کیا گیا ہے تو محمد ابن فضل نے فرمایا ہے کہ ہر وصی کے اختیارات

ملہ شریع الاسلام۔ مگر محقق کے نزدیک یہ قول مشکوک ہے ۱۲ منہ



ان حدود کے اندر محدود ہونگے جو موصی نے مقرر کر دیے ہیں اور اختلاف مذکورہ بالا میں  
اُس صورت میں ہے جبکہ ایسی شرط نہ کر لی گئی ہو اور فتوے امام اعظم کے قول کے  
موافق ہے۔

جب دو میں سے ایک وصی مر جائے اور اپنے شریک کو اپنا وصی مقرر کر جائے  
تو اس صورت میں یہ وصی جو زندہ رہ گیا ہے اصل موصی کی جائداد وغیرہ کی نسبت اکیلا کارروائی  
کر سکتا ہے۔ اگر وصی متوفی دوسرے شخص کو اپنا وصی مقرر کرے تو وہ شخص اس وصی کا جو  
زندہ رہ گیا ہے شریک ہو جائے گا اور وہ وصی اکیلا کام کر نیکا مستحق نہ ہوگا۔ جب وصی متوفی  
نے کوئی وصی اپنا نہ مقرر کیا ہو تو قاضی دوسرے شخص کو اس وصی کے ساتھ شریک  
کر دے جو زندہ رہ گیا ہے کیونکہ موصی کا منشاء یہی تھا کہ اُسکی وصیت کی تعمیل دو وصیوں سے  
متعلق کیا جائے۔ ورنہ میں یہی لکھا ہے۔

جب دو میں سے ایک وصی مجنون ہو جائے یا اور کوئی عیب شرعی جو مانع وصایت ہے  
اُس میں ہو جائے تو قاضی اُسکا عوضی مقرر کر دے مگر اُسکے شریک کو اُسکا عمدہ نہیں دے سکتا  
لکن اگر ان میں سے ایک وصی بے ایمان ہو جائے تو قاضی کو اختیار ہے کہ اور کسی شخص کو دوسرے  
وصی کے ساتھ شریک کر دے یا اُسکو اکیلا کام کرنیکی اجازت دے۔

وصی کا وصی کو کیسا ہی بعید ہو اصل موصی کے وصی کی حیثیت سے کام کر سکتا ہے۔  
امام شافعی نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔

وصی بالواسطہ کے اختیارات کے باب میں رد المحتار میں چار شقیں لکھی ہیں۔ (الف)  
یا وصی متوفی نے جب اپنا وصی مقرر کیا تھا اس وقت اپنے اختیارات کی تصریح نسبت جائداد  
اصل موصی کے نہ کی تھی یعنی صرف یہ کہہ دیا تھا کہ ”میں اس شخص کو اپنا وصی مقرر کرتا ہوں“  
(ب) یا اُس نے اپنے اختیارات جو وہ اصل موصی کی جائداد میں رکھتا ہے صریحاً بیان کر دیے تھے



یعنی یہ کہدیا تھا کہ "میں اس شخص کو اپنی جائداد کا وصی مقرر کرتا ہوں۔" (ج) یا اُسے صاف صاف کہدیا ہے کہ "میں اس شخص کو اپنے موصی کی جائداد کا وصی مقرر کرتا ہوں۔" (د) یا اُسے یہ کہدیا ہے کہ "میں اسکو دونوں جائدادوں کا وصی مقرر کرتا ہوں۔"

جب وصی متوفی نے اختیارات کی تصریح نہ کی ہو یا صاف صاف کہدیا ہو کہ یہ شخص دونوں جائدادوں کا وصی ہے تو اکثر علماء کے نزدیک وصی متوفی کا وصی اصل موصی کا وصی ہو جائیگا اس مسئلہ میں امام شافعی اور امام زفر نے اختلاف کیا ہے۔

جب وصی متوفی نے صرف اتنا کہدیا ہو کہ یہ شخص میری جائداد کا وصی ہے تو امام اعظم ابو حنیفہ سے دو قول اس مسئلہ میں منقول ہیں جن میں سے قول راجح یہ ہے کہ وہ دونوں جائدادوں کا وصی ہوگا۔ اور صاحبین سے بھی اس میں دو قول منقول ہیں جن میں سے قول اصح یہ ہے کہ اُسکے اختیارات اپنے موصی کی جائداد میں محدود رہیں گے۔ اور اگر وصی متوفی نے کہا ہو کہ میں اس شخص کو اصل موصی کا وصی مقرر کرتا ہوں۔ تو سب علماء کے نزدیک ایسا ہی ہوگا۔ تاہم خانہ اور شرح طحاوی اور اور کتب معتبرہ میں یہی لکھا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں اصول مصرعہ بالا اس طرح بیان کیے ہیں۔

"جب کسی شخص نے دو وصی مقرر کیے ہوں اور ان میں سے ایک وصی مر جائے تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک یہ ہے کہ جو وصی زندہ رہ گیا ہے وہ موصی کی جائداد کا انتظام نہیں کر سکتا بلکہ اُسکو چاہیے کہ یہ مقدمہ قاضی کے سامنے پیش کرے اور اگر قاضی مناسب سمجھے تو اُسی کو تنہا وصی رہنے دے اور اختیار انتظام یا انتقال اُسکی طرف منتقل کر دے یا متوفی کی جگہ پر دوسرے شخص کو اُسکا شریک مقرر کرے۔ مگر امام ابو یوسف کے نزدیک وہ وصی جو زندہ رہ گیا ہے اکیلا کام کر سکتا ہے۔ کیونکہ اُنکے نزدیک یہ ہے کہ جب دوسرا وصی زندہ تھا تب بھی وہ اکیلا کام کر سکتا تھا۔ اگر دو میں سے ایک وصی موصی کے مرنے کے بعد وصایت قبول کرے اور دوسرا نہ قبول کرے یا اگر ان میں سے ایک موصی کے پیشتر ہے اور قبل اسکے کہ دوسرا



قبول کرے مر جائے تو ایک وصی اکیلا امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک کام نہیں کر سکتا مگر امام ابو یوسف کے نزدیک کام کر سکتا ہے۔ جب ایک شخص نے دو وصی مقرر کیے ہوں اور ان میں سے ایک مر جائے اور اپنے شریک کو اپنا وصی مقرر کر جائے تو یہ جائز ہے اور وہ شریک اصل موصی کی جائداد کا انتظام کر سکتا ہے کیونکہ جب وہ اپنے شریک کی اجازت سے اس کی زندگی میں ایسا کر سکتا تھا تو اُس کے مرنے کے بعد بھی ایسا کر سکتا ہے گو ایک قول ایسے انتظام کے جواز کے خلاف بھی ہے مگر پہلا قول صحیح ہے۔

اگر کوئی شخص ایک وصی مقرر کر کے اُسکو ہدایت کرے کہ فلان شخص کے ارشاد کے موافق عمل کرنا تو وہ وصی بغیر اُس تیسرے شخص کے علم یا صلاح کے کام کر سکتا ہے۔ لیکن اگر موصی نے اُس سے یہ کہا ہو کہ ”بغیر اُس کے علم یا ارشاد کے کوئی کام نہ کرنا“ تو وصی کو بغیر اُس کے علم کے کام کرنا نہیں جائز ہے اور یہی فتویٰ ہے۔ اگر موصی نے کہا ہو کہ ”فلان شخص کی رائے کے موافق کام کرنا“ یا ”بغیر فلان شخص کی رائے کے کوئی کام نہ کرنا“ تو پہلی صورت میں وہ شخص جس سے موصی نے خطاب کیا ہے وصی ہوگا اور دوسری صورت میں قول مشہور کے موافق وہ دونوں وصی ہوں گے۔ ابونصر نے فرمایا ہے کہ اگر یہ کلمات کہے ہوں کہ ”اس مقدمہ میں فلان شخص کے حکم سے کام کرنا“ تو وہی شخص خاص وصی ہے اور اگر یہ کلمات کہے ہوں کہ ”بغیر اُس کے حکم کے کام نہ کرنا“ تو دونوں وصی ہوں گے اور ہمارے اصحاب (علماء حنفیہ) کے نزدیک یہی قول راجح ہے جب کوئی شخص ایک آدمی کو اپنا وصی اور دوسرے کو اُسکا مشرف یعنی ناظر مقرر کرے تو پہلا ہی شخص وصی ہوگا مشرف وصی نہ ہوگا البتہ مشرف کے تقرر کا یہ نتیجہ ہوگا کہ وصی بے اُس کے علم کے کام نہ کر سکیگا۔

مسائل شیعہ۔ مذہب شیعہ میں یہ ہے کہ وصی موصی کی جائداد کے انتظام کو اپنے وصی کے سپرد نہیں کر سکتا بے اُس کے کہ یہ اختیار اُس کے لیے باقی رکھا گیا ہو جب موصی نے وصی کو اجازت دیدی ہو کہ جب تم مرنے لگو تو میری جائداد کا انتظام اپنے وصی سے متعلق



کر دینا تو وہ اجماعاً ایسا کر سکتا ہے۔ اور قول مشہور کے موافق اُس ہنگام میں بھی وہ ایسا کر سکتا ہے جبکہ موصی نے اُسکو ایسے تقرر کا حکم دیا ہو نہ منع کیا ہو گو بعض علماء نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے۔ جب اصل موصی کی وصیت میں کوئی حکم نہ ہو تو وصی کے مرید کے بعد موصی کی جائداد کی نگرانی حاکم شرع سے متعلق ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص بے وصی مقرر کیے مر جائے تو اُسکے مال کی نگرانی اور انتظام حاکم شرع (مجتہد) سے متعلق ہو جائیگا اور اگر اُس مقام پر کوئی مجتہد نہ موجود ہو تو ہر مرد و مو من جسکا اعتبار ہو سکتا ہو اُسکی جائداد کی حراست اور انصرام کر سکتا ہے اگرچہ یہ امر مشکوک اور انتہائی ہے۔

جب موصی نے کوئی وصی مقرر کر دیا ہو تو قاضی کوئی منتظم یا ناظر نہیں مقرر کر سکتا مگر یہ وصی غیر حاضر ہو اور اُسکی غیر حاضری غیبت منقطع کی حد تک پہنچ گئی ہو۔ شرح ابو سعودین یہی لکھا ہے۔

اگر کوئی شخص موصی کی جائداد پر نالش کرے اور اُسکا وصی غیر حاضر ہو تو قاضی کسی کو موصی کی طرف سے مدعا علیہ مقرر کر دے تاکہ مدعی اپنا دعویٰ اُسپر اچھی طرح ثابت کر سکے۔ کیونکہ وصی کا اقرار موصی کے خلاف جائز نہیں ہے اور صرف وصی کے قبول کر لینے سے مدعی موصی کی جائداد کی ڈگری نہیں کر سکتا۔

جب کسی نابالغ لڑکے کی جائداد کا انتظام اُسکا باپ کرتا ہو اور اُسکو ضائع و برباد کئے ڈالنا تو قاضی اُس جائداد کو اُس سے چھین کر کسی امین کے سپرد کر سکتا ہے جو بطور وصی کے کام کریگا۔

## فصل سوم

اوصیاء کے اختیارات۔

شرع مجہدی کے احکام وصی کے اختیارات کے باب میں ان قواعد سے مشابہ ہیں جو فائز انگلستان میں ہیں۔ مگر بعض امور میں اختلاف بھی ہے جس پر



توجہ تام کرنی چاہیے۔

جب موصی کی اولاد نابالغ ہو تو وصی کے اختیارات ایک حد تک مطلق ہیں۔ یعنی اسکو یہ اختیار ہے کہ عند الضرورت موصی کی جائداد کو بیکرا اسکی قیمت سے پہلے موصی کا فرضہ یا وہ فرضہ جو اسکی اولاد نابالغ کی پرورش کے واسطے لیا ہوا داکرے بعد اسکے کوئی اور جائداد جس میں زیادہ نفع متصور ہو اس سے خرید لے۔ مگر بیع قیمت کافی پر کرنی چاہیے یعنی اس قیمت پر جو بیوپاریوں میں قیمت واجب ہو۔ وصی اس جائداد کو خود اپنے ہاتھ یا اپنے کسی ایسے عزیز کے ہاتھ نہیں فروخت کر سکتا جسکی شہادت اسکے مقابل میں شرعاً مقبول نہ ہو۔ وہ سب قسم کی جائداد منقولہ وغیر منقولہ میں نابالغ کا حصہ موصی کے شریک حصہ داروں یا موصی لہ سے لے سکتا ہے اگرچہ تقسیم جائداد میں کچھ تھوڑا سا فرق ہو جائے (غبن سیئر) لکن اگر اسکی تقسیم میں غبن کثیر یعنی بدیہی فرق ہو جائے تو وہ تقسیم ناجائز اور غیر موثر ہے۔

جب موصی کے سب ورثہ نابالغ ہوں تو وصی موصی لہ کا حصہ دیکر جو باقی رہے اسکو ورثہ کے لیے رکھ سکتا ہے اور یہ فعل اسکا شرعاً جائز اور موثر ہے۔ اور اگر ورثہ نابالغ کے حصوں میں سے کچھ وصی کے ہاتھ سے ضائع ہو جائے تو اسکا تاوان نہ وہ موصی لہ سے لے سکتے ہیں نہ وصی لہ سے لے سکتے ہیں مگر یہ کہ وہ نقصان اسکی غفلت یا کاہلی سے ہو گیا ہو۔ مگر جب بعض ورثہ نابالغ اور غیر حاضر ہوں تو وصی کو جائز ہے کہ انکی طرف سے ہر چیز سوائے عقار یعنی جائداد غیر منقولہ کے موصی لہ کے ساتھ تقسیم کر لے اور نابالغوں کے حصے اپنے پاس رکھے۔ اگر سب ورثہ نابالغ ہوں یا انہیں سے بعض نابالغ اور حاضر ہوں تو وصی نے جو تقسیم جائداد منقولہ وغیر منقولہ کی کر لی ہو وہ ورثہ نابالغ کے مقابل میں باطل ہے۔ لکن اگر ورثہ نابالغ تو ہوں مگر غیر حاضر ہوں تو جو تقسیم وصی نے کی ہو وہ صرف جائداد غیر منقولہ میں ناجائز اور غیر موثر ہے لکن اگر ورثہ نابالغ تو ہوں مگر غیر حاضر ہوں تو جو تقسیم جائداد منقولہ کی وصی نے موصی لہ کے ساتھ کی ہے وہ جائز ہے۔



جب موصی نے وصایائے مخصوصہ خاص اشخاص کے حق میں کیے ہوں تو موصی لم کی عدم موجودگی میں اگر موصی نے موصی کی جائداد کو تقسیم کر دیا ہو تو وہ تقسیم ناجائز ہوگی۔ اور اگر موصی لم کے حصے تلف ہو جائیں تو وہ ورثہ کے حصوں میں سے بقدر ثلث مال موصی لینے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

مگر جب تقسیم قاضی نے کی ہو اور موصی لم کا حصہ اُس نے اپنی حراست میں رکھا ہو تو وہ تقسیم صحیح ہے اور اگر موصی لم کا حصہ قاضی کے پاس یا اُس شخص کے پاس جس کو اُس نے ناظر یا امین مقرر کیا ہو ضائع ہو جائے تو موصی لم موصی کے ورثہ پر اُس کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ قاضی اُس کا ذمہ دار ہو سکتا ہے۔ مگر یہ قاعدہ صرف اُن چیزوں میں جاری ہوگا جن کا وزن یا پیمانہ ہو سکتا ہے۔ جو چیزیں ایسی نہیں ہیں اُن کی تقسیم بمنزلہ مبادلہ کے ہے جیسے بیع و شرا وغیرہ لہذا وہ تقسیم ناجائز ہے اس واسطیکہ دوسرے شخص کی جائداد کو بیع کرنا نہیں جائز ہے۔ جب قاضی نے جملہ امور میں کسی شخص کو ایک یتیم کا ولی یا وصی مقرر کر دیا ہو اور اُس نے اُس کی طرف سے تقسیم کی ہو اور خواہ جائداد منقولہ خواہ غیر منقولہ تقسیم کی ہو تو وہ تقسیم صحیح ہے لکن اگر اُس کا تقرر کسی غرض خاص سے ہوا ہو مثلاً اُس یتیم کی پرورش یا اُس کے مال کے تحفظ کی غرض سے تو وہ تقسیم ناجائز ہے۔

اختیارات اُس وصی کے جس کو مان نے یا اور کسی عزیز نے مثل بھائی یا چچا کے مقرر کیا ہو نہایت محدود ہیں۔ اُس کو یہ اجازت نہیں ہے کہ جو نابالغ اُس کے زیر حراست ہیں اُن کی جائداد غیر منقولہ میں کسی حال میں دخل دیکے اور نہ اُس جائداد میں دخل دیکے۔ جو اُن نابالغوں نے سوائے اپنی مان کے اور کسی مورث کے ترکہ میں پائی ہو۔ البتہ وہ وصی اُن کی جائداد منقولہ میں جو انھوں نے مان کے ترکہ میں پائی ہو دخل دیکے۔

لہٰذا ذیل کے نزدیک موصی لم خود وصی پر بھی دعویٰ کر سکتے ہیں مگر یہ سب اس وقت ہے جبکہ تقسیم بغیر حکم قاضی



یا اسکو تقسیم کر سکتا ہے بشرطیکہ انکا باپ نہ زندہ ہو اور اسنے کوئی وصی نہ مقرر کیا ہو۔

جب وصی وصی کے ورثہ میں تقسیم کرے اور وہ سب نابالغ ہوں تو وہ تقسیم ناجائز ہے۔ اگر وہ سب بالغ ہوں اور انہیں سے بعض غیر حاضر ہوں اور جو حاضر یا موجود ہوں انہیں تقسیم کر دیجائے اور انکے حصے ساری جائداد سے علیحدہ کر لئے جائیں تو وہ تقسیم شائع۔ یعنی جائداد منقولہ کی نسبت جائز اور جائداد غیر منقولہ کی نسبت ناجائز ہے۔ اگر ورثہ بالغ اور نابالغ دونوں ہوں اور ورثہ بالغ غیر حاضر ہوں تو وہ تقسیم ناجائز ہے اگر ورثہ بالغ حاضر یا موجود ہوں اور انکے حصے نابالغوں کے حصوں سے علیحدہ کر کے انکو دیدیے جائیں مگر نابالغوں کے حصے یکجا رکھے رہیں اور انہیں فرداً فرداً تقسیم کر دیے جائیں تو وہ تقسیم بھی جائز ہے۔ اور جب ہر ایک بالغ یا نابالغ کا حصہ اور ون کے حصوں سے علیحدہ کر لیا جائے تو وہ تقسیم ناجائز ہے۔ لیکن اگر نابالغوں کے حصے انکو دیدیے جائیں اور نابالغوں کے حصے رکھ لیے جائیں اور جب وہ سن بلوغ کو پہنچیں تب انہیں تقسیم کیے جائیں تو یہ تقسیم درمیان نابالغوں اور نابالغوں کے جائز ہے۔

جب وصی نے وصیت نامہ میں وصی کو ہدایت کی ہو کہ میری جائداد کو بیکرا اسکی قیمت سے اور کوئی جائداد خرید لینا تو وصی کو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے۔

جب وصی نابالغ کے نام سے بلا ضرورت قرض لے تو وہ قرض اس نابالغ پر نہ عائد ہوگا اور اگر اس یتیم کا کچھ نقصان اُسین ہوگا تو اسکا ذمہ دار وہ وصی ہوگا۔

جب وہ وصی جسکو خود وصی نے مقرر کیا ہو کوئی چیز اسکی جائداد میں سے فروخت کر ڈالے تو اس کے اس فعل کا جواز دو اعتبار سے دیکھا جائے گا۔ پہلے اس اعتبار سے

۱۔ اگر ورثہ تین دن کی مسافت یا اس سے زیادہ فاصلہ پر ہوں تو یہ حکم ہے۔ یہ قول قسستانی کا ہے۔ بہر صورت بقدر فاصلہ ہونا چاہیے کہ خط و کتابت مشکل سے ہو سکے ۱۲ منہ ۱۵ فدا دے قاضی خان فدا دے عالمگیری صفحہ ۱۲۲



کہ موصی نے کچھ قرضہ تو نہیں چھوڑا ہے یا کچھ مال از روے وصیت تو کسی کو نہیں دیا ہے  
 دوسرے اس اعتبار سے کہ اُس نے قرضہ چھوڑا ہے یا کسی کے حق میں کچھ مال کی وصیت  
 کی ہے۔ مختصر علامہ قدوری کے باب اول میں لکھا ہے کہ جب موصی کی جائداد سے کوئی قرضہ  
 یا وصیت نہ ادا کرنی پڑے تو وصی اُسکی کل جائداد منقولہ وغیرہ منقولہ کو بیع کر سکتا ہے بشرطیکہ  
 موصی کے ورثہ نابالغ ہوں۔ مگر شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا ہے کہ اس کتاب میں لکھا ہے  
 وہ متقدمین کا قول ہے اور متاخرین کے نزدیک نابالغ کے عقار یعنی جائداد غیر منقولہ  
 صرف اسوقت فروخت ہو سکتی ہے جبکہ موصی کا کچھ قرضہ یا کوئی وصیت نہ ہوا جبکہ  
 اس نابالغ کو اس جائداد کی قیمت کی ضرورت ہو یا کوئی شخص وچند قیمت دیکر  
 اُسکے خریدنے پر آمادہ ہو یا اُسکے فروخت سے نابالغ کا اور کوئی فائدہ ہو یعنی مثلاً  
 جب خراج یعنی مالگزاری دینی ہو یا جب اُسکی آمدنی اُسکے خرچ سے کم ہو یا جب  
 وہ جائداد کوئی دکان یا مکان ہو جو گرا پڑتا ہو۔ جب خراج دینا ضرور ہو اور موصی کی  
 جائداد علاوہ عقار کے اور کچھ بھی ہو تو پہلے اُسی کو بچکر خراج ادا کیا جائیگا اور اگر وہ  
 غیر مکفی ہو تو اسوقت وہ عقار قیمت مناسب پر یا اُس قیمت پر جو اُسکی مالیت سے  
 بہت کم نہ ہو فروخت کی جائیگی مگر وصی اُسکو اُس قیمت سے جو لوگ عموماً دینا منظور کریں  
 بہت کم پر نہیں بیچ سکتا۔ اسی طرح سے وصی نابالغ کے لیے کوئی چیز اُس قیمت پر جو اُسکی  
 مالیت سے زیادہ ہو نہیں خرید سکتا۔“

ردالمحتار میں اس اصول کو زیادہ تر شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے اور لکھا  
 ہے کہ متقدمین کا قول یہ تھا کہ وصی کو نابالغوں کی جائداد غیر منقولہ بیچ ڈالنے کا اختیار ہے  
 مگر متاخرین نے اُسکے اختیار بیع کو چند قیود سے مقید کر دیا ہے کہ بے اُن قیود کے لحاظ  
 وہ نابالغوں کی جائداد غیر منقولہ کو نہیں بیچ سکتا۔ ان قیود کی تصریح فتاویٰ قاضی خان  
 میں موجود ہے اور زیلعی نے فرمایا ہے کہ صدر الشہید کے نزدیک فقہائے متاخرین کے قول کے



موافق ہے اُن قیود کی یہ تفصیل ہے کہ (۱) اگر موصی کچھ قرضہ چھوڑ کر مر گیا ہو اور اُس کے ادا کرنے کے لیے اُسکی جائیداد کے ایک جز کو بیچنا ضرور ہو یعنی وہ قرضہ بغیر فروخت کے ایک جز و جائیداد غیر منقولہ کے نہ ادا ہو سکے تو وصی کو جائز ہے کہ اُسکو قیمت کافی پر بیچ دے۔ (۲) اگر موصی نے وصیت کی ہو کہ اتنا اتنا روپیہ نقد فلان فلان اشخاص کو دیدینا اور اُسے کچھ نقد روپیہ نہ چھوڑا ہو جس سے یہ وصایا ادا کیے جائیں تو وصی جائیداد غیر منقولہ کے ایک جز کو جو اُن وصایا کو ادا کرنے کے لیے کافی ہو فروخت کر سکتا ہے (۳) اگر اُس جائیداد کے منہدم ہو جائیں یا خوف ہو مثلاً مکان ہو کہ گرا جاتا ہو تو اُسکو بھی فروخت کر سکتا ہے۔ (۴) جب وہ مال کسی غاصب کے قبضہ میں ہو اور اُسکے ملنے کی امید نہ ہو تب بھی اُسکو فروخت کر سکتا ہے۔ (۵) جب اُس جائیداد کے انتظام یا حفاظت کا خرچ اُسکی آمدنی سے زائد ہو تب بھی اُسکو فروخت کر سکتا ہے۔ (۶) جب خراج شاہی یا مالگزاری سرکاری دینا ضرور ہو اور اُسکو ادا کرنے کے لیے کوئی سرمایہ نہ ہو تب بھی اُسکو فروخت کرنا جائز ہے۔ (۷) جب اُس جائیداد کی دو گنی قیمت ملتی ہو تب بھی اُسکو فروخت کرنا جائز ہے۔

موصی کو جائز ہے کہ اپنے سوا سے اور ہر شخص کے ہاتھ نابلغوں کی جائیداد منقولہ کو فروخت کر ڈالے یا ایسے شخص سے کوئی جائیداد اُنکے لیے خریدے لکن اُسی قیمت پر خرید و فروخت کرے جو نرخ بازار کے موافق ہو۔ اگر خرید یا فروخت قیمت غیر کافی پر ہوئی ہو تو نہیں جائز ہے اور منسوخ ہو سکتی ہے اور وصی اُسکا ذمہ وار ہے۔

جس وصی کو قاضی نے مقرر کیا ہو وہ نابلغوں کی جائیداد خود نہیں خرید سکتا اور نہ اپنا مال اُنکے ہاتھ بیچ سکتا ہے۔ مگر وہ وصی جسکو نابلغوں کے باپ نے مقرر کیا ہو ایسا معاملہ شرعاً کر سکتا ہے۔ یہ قول امام اعظم کا ہے مگر ایسے معاملہ کے جواز کی یہ شرط ہے کہ اُس میں نابلغوں کا فائدہ بدیہی ہو۔ صاحبین کے نزدیک ایسا



معاملاً بطلاناً ناجائز ہے۔ فتوے امام اعظم کے قول کے موافق ہے۔  
 بعض فقہاء کے نزدیک باپ اپنی نابالغ اولاد کی جائداد کو بیچ سکتا ہے بشرطیکہ  
 وہ امین و متدین ہو اور اس بیع سے انکا فائدہ صریحاً متصور ہو۔ مگر جب باپ امین و  
 متدین نہ ہو تو اسکی نابالغ اولاد بعد بلوغ اس بیع کو منسوخ کر سکتی ہے مگر یہ کہ وہ بیع  
 اس جائداد کی دو چاند قیمت پر مہولی ہو۔ فتوے اسی قول کے موافق ہے حموی نے اپنی  
 شرح اشباہ میں فرمایا ہے کہ باپ وہی سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا ہے اور اس کے  
 اختیارات بھی انھیں قیود سے مقید ہیں۔ اور اسی قول کے موافق حنوطی نے بھی فتوے  
 دیے ہیں۔ یہ سب جائداد وغیرہ کی بیع سے متعلق ہے۔ اب یہی جائداد منقولہ اس کے  
 باب میں حکم شرح یہ ہے کہ باپ اپنی نابالغ اولاد کا مال قیمت انچ بیچ سکتا ہے بشرطیکہ  
 نابالغ کا فائدہ ہو یا اگر خفیف سافرق ہو فرق فطیم نہ ہو تو بھی اسکو فروخت کر سکتا ہے  
 مگر اگر بہت تفاوت ہو تو وہ بیع ناجائز ہے۔

نابالغ کے مال سے وہی خود تجارت نہیں کر سکتا مگر درمیں لکھا ہے کہ اسکی طرف سے  
 اس کے مال میں تجارت کر سکتا ہے بشرطیکہ انھیں نابالغ کا فائدہ ہو۔ اگر وہی نابالغ کے  
 مال سے تجارت کرے تو جو منافع انھیں ہو بعض علماء کے نزدیک وہ صدقہ ہے اور جو  
 روپیہ اس تجارت میں لگایا ہو وہ نابالغ کو پیر دینا چاہیے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ ہے  
 کہ جو منافع ایسی تجارت میں ہو وہ اس نابالغ کا مال ہے اور قاضی خان نے اسی قول کے موافق  
 فتوے دیے ہیں۔ مگر قاضی وہی کو اجازت دے سکتا ہے کہ نابالغ کے مال سے اسکی  
 طرف سے تجارت کرے یا اس سے مضاربت کرے یعنی اور شخص کے ساتھ  
 شریک ہو کر تجارت کرے۔

اگر ضرورت ہو اور نابالغ کا فائدہ متصور ہو تو وہی اسکی جائداد کو کرے پیر دے سکتا ہے



مگر بغیر اجازت قاضی کے اُسکو رہن نہیں رکھ سکتا۔ لیکن وہ موصی کے متلع کو اپنے جائدا و منقولہ کو بیچ سکتا ہے اگر اُسکی نابالغ اولاد کے نفقہ کے لیے اُس جائدا و کو بیچنا ضرور ہو۔

اگر وصی نابالغ کے اسباب کو اعتبار پر فروخت کرے تو اُسکی میعاد معمولی ہونی چاہیے۔ لیکن اگر اُس فروخت سے نابالغ کا نقصان ہو یا جس میعاد تک اعتبار کیا گیا ہے وہ طولانی یا غیر معمولی ہو تو بھی رٹلی کے نزدیک یہ معاملہ جائز ہوگا۔ جب دو وصیوں کے زیر حراست دو نابالغ ہوں اور ایک نابالغ کا وصی اُسکی جائدا و دوسرے کے ہاتھ فروخت کرے تو قاضی خان نے اُس بیع کو ناجائز لکھا ہے اور فتاواے عالمگیری میں اس قول کو قبول کر لیا ہے۔ مگر والمختار میں اس قول کی صحت میں کلام کیا ہے اور لکھا ہے کہ ایسی بیع کو ناجائز قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ وصی نے یہ بیع اپنی طرف سے نہیں کی ہے اور کسی خاص جائدا و کو ایک نابالغ کی طرف سے فروخت کرنا اُسکے حق میں اُسی قدر مفید ہو سکتا ہے جتنے دوسرے نابالغ کو اُسکے خریدنے سے فائدہ ہو سکتا ہے۔

نابالغ کے مال کی خرید یا فروخت میں جو معاوضہ یا قیمت ملے یا دی جائے اگر وہ بہت کم ہو تو اُسکا ویندار وصی ہے۔

وصی کو موصی کی تجویز و تکفیل میں معمول یا دستور سے زیادہ نہ صرف کرنا چاہیے۔ جب نابالغ منور رشید نہ ہو اور وصی نے اُسکو جائدا و حوالہ کی ہو اور وہ تلف ہو گئی ہو تو اُسکا ذمہ دار وصی ہے۔ رشد کے معنی اپنے مال کی حراست کی قابلیت ہے امام اعظم کا قول یہ ہے کہ وصی نابالغ کو اُسکی جائدا و نہ حوالہ کرے جب تک کہ اُسکی عمر ۲۵ سال کی نہ ہو جائے۔ مگر صاحبین کا قول یہ ہے کہ جب اُس نابالغ ہو جائے تو اُسکو رشید بھی قیاس کر لینا چاہیے البتہ اس قیاس کی ترویج اس طرح ہو سکتی ہے کہ



یہ ثابت کر دیا جائے کہ وہ سفیر یا ضعیف العقل ہے یا اپنی جائداد کی حراست کی قابلیت نہیں رکھتا ہے۔

جب موصی اپنے مال کے ایک ثلث کی وصیت اس طرح کرے کہ میرے اوصیاء و بشارت یکدیگر اسکو جو چاہیں کریں اور انہیں سے ایک موصی مر جائے تو وہ ثلث موصی کے ورثہ کو واپس دیا جائیگا۔

جب سب ورثہ بالغ و رشید اور حاضر ہوں تو موصی بے انکی اجازت کے کوئی جزو جائداد نہیں فروخت کر سکتا لیکن اگر وہ غیر حاضر ہوں تو موصی جائداد منقولہ کو فروخت کر سکتا ہے۔ مگر عقار یعنی جائداد غیر منقولہ کو نہیں بیچ سکتا۔ یہ قید اس اصول پر مبنی ہے کہ موصی اختیار حفاظت شخص غیر حاضر کی جائداد کا رکھتا ہے اور جب مال منقول کے تباہ و برباد ہو جانے کا کمان ہو تو اسکو فروخت کر دالفاصلہ اور موصی اسکو شخص غیر حاضر کی غیبت میں فروخت کر کے محکمی قیمت وصول کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ مگر عقار یعنی مال غیر منقول فی نفسہ محفوظ ہے لہذا موصی اسکو فروخت کرنے کا اختیار نہیں رکھتا ہے مگر اس صورت میں جبکہ وہ جائداد غیر منقولہ افعال و برباد ہوئی جاتی ہو کہ اس صورت میں وہ بھی فروخت ہو سکتی ہے۔ جب سب ورثہ بالغ ہوں اور انہیں سے ایک وارث غیر حاضر ہو اور دیگر ورثہ حاضر ہوں تو وارث غیر حاضر کے اس حصہ کو جو عقار یعنی مال غیر منقول نہ ہو موصی اجماعاً باتفاق علماء اُسکے تحفظ کی غرض سے فروخت کر سکتا ہے۔ امام اعظم کے نزدیک موصی ان ورثہ کے حصوں کو بھی فروخت کر سکتا ہے جو حاضر ہوں مگر صاحبین کے نزدیک اُنکے حصوں کی بیع ناجائز ہے اور قول مختار یہی ہے۔

یہ سب اس صورت میں ہے جبکہ موصی نے کچھ قرضہ نہ چھوڑا ہو یا وصیتیں نہ کی ہوں اگر ایسا قرضہ بقدر ہو کہ اسکی ساری جائداد انہیں مستغرق ہو تو موصی کل جائداد کو اجماعاً فروخت کر سکتا ہے



اور اگر قرضہ اسقدر نہ ہو کہ تمام جائداد انہیں مستغرق ہو جائے تو وصی صرف اسقدر جائداد فروخت کر سکتا ہے جسقدر اُس قرضہ کو ادا کرنے کے لیے ضرور ہو۔ مگر جب وصی نے عقار یعنی جائداد وغیرہ منقولہ کو قرضہ ادا کرنے کے لیے نیک نیتی سے فروخت کر ڈالا ہو اور کچھ اور جائداد بھی اُسکے پاس ہو جو اُس مقصد کے لیے کافی ہو تو وہ بیع جائز ہے اسی طرح سے جب وصی نے متعدد وصیتیں کی ہوں تو وصی اُسکی اسقدر جائداد فروخت کر سکتا ہے جسقدر اُن مایاکی تعمیل کے لیے کافی ہو بشرطیکہ وہ دیون کو رد ادا کرنے کے بعد ثلث مال سے رائد نہ ہو جائے۔ اگر کوئی شخص چند ورثہ چھوڑ جائے اور انہیں سے ایک نابالغ اور باقی سب بالغ ہوں اور اُسکی جائداد پر قرضہ یا وصایا کا بار نہ ہو اور کل جائداد منقولہ ہو تو وصی اُس نابالغ کے حصہ کو فروخت کر کے اُسکی قیمت سے اور کوئی جائداد جس سے نابالغ کا زیادہ فائدہ ہو خرید سکتا ہے۔ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ امام اعظم کا قول یہ ہے کہ وہ دیگر ورثہ کے حصص کو بھی فروخت کر سکتا ہے۔ مگر صاحبین نے اس میں اپنے استاء سے اختلاف کیا ہے۔

وصی نابالغ کے اُس سرمایہ سے جو خود اُسکے پاس ہو کچھ قرض نہیں لے سکتا۔ وصی اُس سرمایہ سے اپنا وظیفہ معینہ سے زیادہ نہیں لے سکتا مگر باپ اپنی نابالغ اولاد کی جائداد سے اُس قدر لے سکتا ہے جسقدر اُسکے باپ کے گزارہ کے لیے ضرور ہو۔ لیکن وصی ایسا نہیں کر سکتا۔

جو وصی مفت مقرر کیا گیا ہو وہ وصی کی جائداد کے انتظام پر مجبور نہیں ہو سکتا لہذا قاضی اُسکا کچھ وظیفہ مفت رکھ سکتا ہے۔ یہی فتوے ہے۔ مگر قضاو اسے قاضی خان میں لکھا ہے کہ جب وصی کے لیے کچھ نہ مقرر کیا گیا ہو تو وہ ایک محدود اور واجبی قسم بطور اجرت بقدر اپنی ضرورت کے لے سکتا ہے اور اگر ضرورت ہو تو وہ نابالغ کی سواریوں پر اُسکے کام کے لیے اجا سکتا ہے اگرچہ چند علما نے اُسکو ناجائز قرار دیا ہے۔



حنفیہ کے نزدیک باپ کا وصی اُسکی نابالغ اولاد کی ولایت کا مستحق یہ ترجیح داتا ہے  
وصی کسی قرضہ کا اقرار وصی کی جائداد پر نہیں کر سکتا اور مقررہ اپنا مطالبہ پانچ کا مستحق  
نہ ہو گا تا وقتیکہ اپنا دعویٰ کسی دلیل سے ثابت نہ کر دے۔ اور وصی یہ اقرار بھی نہیں  
کر سکتا کہ اور کوئی شخص وصی کے ترکہ میں حصہ پانے کا مستحق ہے مگر یہ کہ وہ خولیاء وراثت  
کا اُس صورت میں اُسکا اقرار خود اُسکے حصہ میں نافذ ہو گا۔

جب کوئی شخص بلا وصیت مر گیا ہو اور کسی کو اپنا وصی نہ مقرر کر گیا ہو اور قاضی سے  
رجوع نہ کی گئی ہو تو اہل محلہ میں سے کوئی شخص بشرط ضرورت اُسکی جائداد کا انتظام  
کر سکتا ہے۔ یہی فتوے ہے۔

جب متوفی کی جائداد مقروض ہو مگر مقدار قرضہ اُس جائداد سے زائد نہ ہو اور وہ  
اُسکے ورثہ میں تقسیم کر دی جائے اور بعد ازاں کوئی قرضہ کا مدعی پیدا ہو تو وہ شخص اپنا قرضہ  
ورثہ سے اُنکے حصوں کی مقدار کے موافق رسیدی وصول کرنے کا مستحق ہو گا مگر صرف  
اس طور سے وصول کر سکتا ہے کہ سب ورثہ کو قاضی کے سامنے لیجائے اور اگر  
ورثہ میں سے ایک شخص پر نالش کرے تو جس قدر اُسکے پاس جائداد موجود ہو اسی قدر  
وہ اپنا قرضہ وصول کر سکتا ہے۔

نابالغ اولاد کی جائداد کی ولایت کا حق باپ بہ ترجیح دیگر اشخاص کے رکھتا ہے  
اور جب باپ موجود نہ ہو تو اُسکا وصی یہ حق رکھتا ہے۔ جب باپ بلا تقرر وصی مر گیا ہو  
تو ولایت داوا سے متعلق ہوگی اور اُسکی عدم موجودگی میں اُسکے وصی سے اور وصی کے  
وصی سے متعلق ہوگی۔ اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو ولایت قاضی سے یا جس شخص کو  
وہ مقرر کر دے اُس سے متعلق ہوگی۔

اصول مقررہ بالا کو فتاوا سے عالمگیری میں عبارت ذیل بیان کیا ہے جو باب کا  
وصی بجائے باپ کے ہے۔ اسی طرح سے دادا کا وصی بجائے باپ کے وصی کے ہے



اور واداکے وصی کا وصی بجائے واداکے وصی کے ہے اور قاضی کے وصی کا وصی بجائے قاضی کے وصی کے اس صورت میں ہے جبکہ اسکا تقرر عام طور سے ہوا ہو۔  
 اگر باپ کسی کو وصی مقرر کر کے اور چند اولاد چھوڑ کر مر جائے اور انہیں سے بعض بالغ اور بعض نابالغ ہوں اور وصی کے مرنے کے بعد انہیں سے بعض اولاد مر جائیں اور نابالغ اولاد چھوڑ جائیں تو باپ کا وصی ان اولاد کا بھی وصی ہوگا اور انکی جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ دونوں کے انتظام کا مستحق ہوگا اور یہ پابندی قیود مصدقہ بالاسکو فروخت کر سکیگا۔

مگر وہ وصی جسکو بھائی یا مان یا چچا یا اور کسی غریب نے مقرر کیا ہو کچھ اختیارات نہیں رکھتا ہے۔ یہ اقرباء نابالغ کی جائیداد غیر منقولہ کو نہیں فروخت کر سکتے صرف اسکی جان و مال کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ اور اسکی طرف سے تجارت بھی نہیں کر سکتے البتہ مایحتاج مثل غذا اور لباس کے اسکے لیے خرید سکتے ہیں۔ اور صرف اس مال منقول کو بیع کر سکتے ہیں جو نابالغ کو اس شخص سے جس نے وصی مقرر کیا ہو وراثتاً ملا ہو۔ کیونکہ متاع یعنی مال منقول کی قیمت کی حفاظت کرنا خود اس مال کی حفاظت سے آسان ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو وصی مان نے مقرر کیا ہو وہ کچھ دست اندازی اس جائیداد میں نہیں کر سکتا ہے جو اولاد کو اپنے باپ یا اور کسی غریب سے وراثتاً ملی ہو خواہ وہ جائیداد مقروض ہو خواہ نہ ہو اور نہ وہ کسی جزیرہ جائیداد غیبیہ منقولہ کو جو نابالغ نے اپنی مان سے وراثتاً پائی ہو فروخت کر سکتا ہے مگر یہ کہ وہ جائیداد مقروض ہو یا اسمین سے وصیتیں ادا کر نی ہوں۔ اگر وہ جائیداد مقروض ہو یا اسمین سے وصیتیں ادا کر نی ہوں تو وہ اس جائیداد منقولہ یا غیبیہ منقولہ کے اس جزیرہ کو جو تہ ذلہ ادا کرنے کے لیے کافی ہو فروخت



کر سکتا ہے۔ اگر سب ورثہ بالغ اور حاضر ہوں اور وہ جائیداد قرضہ سے بری ہو تو وصی  
 اسکے کسی جز کو نہیں فروخت کر سکتا لکن اگر وہ جائیداد مقروض ہو تو اسکے اختیارات ان  
 احکام کے تابع ہیں جو اُس وصی کے اختیارات سے متعلق ہیں جسکو باپ نے مقرر کیا ہو۔  
 اگر بعض ورثہ بالغ اور بعض نابالغ ہوں اور ورثہ بالغ غیر حاضر ہوں اور وہ جائیداد قرضہ سے بری ہو  
 تو وہ وصی جائیداد منقولہ کو بیچ سکتا ہے خواہ وہ بالغ کے حصہ کی ہو خواہ نابالغ کے حصہ کی ہو  
 مگر عتقاریہ جائیداد غیر منقولہ بالغ یا نابالغ کی نہیں فروخت کر سکتا۔ اگر وہ جائیداد مقروض ہو  
 تو مان کا وصی بعینہ وہی اختیارات رکھتا ہے جو باپ کا وصی رکھتا ہے۔ اگر ورثہ بالغ حاضر  
 ہوں اور جائیداد قرضہ سے سبکدوش ہو تو وصی نابالغ کا حصہ جائیداد منقولہ کا فروخت کر سکتا  
 مگر اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا بالغ کے حصہ کو فروخت کر سکتا یا نہیں۔  
 عتقار کو تو یقیناً نہیں بیچ سکتا۔ مان کا وصی اسکی اولاد کے لیے کوئی چیز نہیں  
 خرید سکتا سوائے غذا اور لباس کے جو اسکے بقا کے واسطے ضرور ہیں۔  
 جو کچھ مان کے وصی کے باب میں بیان کیا گیا ہے وہی بھائی اور چچا کے بھی پر  
 بھی صادق آتا ہے اور اصول یہ ہے کہ وصی کے اختیار کا اندازہ موصی کے  
 اختیار سے کیا جاتا ہے۔

وصی اسکا مستحق ہے کہ جو کچھ اسنے نابالغوں کی طرف سے صرف کیا ہوا انکی جائیداد  
 وصول کر لے مگر اسکو اسکا ثبوت رکھنا چاہیئے۔ لکن فتاوا اے قاضی خان میں  
 لکھا ہے کہ وصی اُس صرف کو نابالغ کی جائیداد سے لے سکتا ہے گو وہ اس بات کے  
 گواہ نہ رکھتا ہو کہ وہ صرف خاص اُسنے کیا تھا۔ مگر انہیں سے کوئی قید یا پابندی  
 نہیں متعلق ہے درحالیکہ وہ وصی ہوں۔ گو انکو بھی شہادت یا ثبوت رکھنا  
 بہتر ہے۔



وصی اسکا بھی مستحق ہے کہ جو کچھ اُس نے موصی یا اسکے کسی وارث کی تجویز و تکفین میں اپنے پاس سے خرچ کیا ہو اسکو اسکی جائداد سے وصول کر لے یا جو قرضہ اُس نے موصی یا اسکے وارث کا اپنے پاس سے ادا کیا ہو اسکو بھی وصول کر سکتا ہے۔

جب وصی کوئی دعوے موصی کی جائداد سے بلا ثبوت کافی ادا کرے تو موصی کی جائداد سے اُسکو وہ رقم مگر نہ ملیگی جسوقت موصی کے قرضخواہ اس پر اعتراض کریں گے۔  
 لیکن اگر اُس نے وہاں شہادت کافی پر کی ہو تو پھر وہ بری الذمہ ہے۔ اس مسئلہ میں شاخ و علما و خفیہ نے اختلاف کیا ہے کہ جب دو شخص عادل وصی کے سامنے قرضہ کی گواہی دیں مگر قاضی کے سامنے گواہی نہ دیں اور موصی کے ورثہ اسکا انکار کریں تو آیا اُسکو وصی ادا کر سکتا ہے یا نہیں۔ بعض کا قول ہے کہ ادا کر سکتا ہے اور بعض نے فرمایا ہے کہ نہیں ادا کر سکتا۔

جب وصی نے ایک قرضخواہ کا قرضہ بغیر حکم قاضی کے ادا کر دیا ہو تو وہ اور قرضخواہ کا بھی ذمہ دار ہے لیکن اگر قاضی کے حکم سے ادا کیا ہو تو نہیں ذمہ دار ہے۔ اسی طرح ہے جب قاضی کے حکم سے کوئی قرضہ متوفی کی جائداد سے واجب الادا ہو گیا ہو اور وصی نے وہ قرضہ ادا کر دیا ہو اور بعد اُسکے اور کوئی شخص اُس جائداد پر قرضہ کا دعوے کرے تو وصی اسکا ذمہ دار نہیں ہے اگر اُس نے قاضی کے حکم سے ادا کیا ہے۔ لیکن یہ دوسرا قرضخواہ پہلے قرضخواہ پر اپنے حصہ کے قرضہ کی نالش کر سکتا ہے بشرطیکہ جو کچھ اُسکو ملا ہو وہ ہنوز موجود ہو اور اگر وہ پہلے قرضخواہ کے پاس ضائع ہو گیا ہو تو وہ دوسرے قرضخواہ کا ذمہ دار بہ قدر اُسکے حصہ کے ہے مگر وصی کسی طرح اسکا ذمہ دار نہیں ہے۔ بخلاف اُسکے اگر وصی نے قاضی کے حکم کے بغیر قرضہ ادا کر دیا ہو تو دوسرا قرضخواہ یا وصی پر دعوے کر سکتا ہے یا پہلے قرضخواہ پر دعوے کر کے ایک و اجبی حصہ اُس پینہ کا وصول کر سکتا ہے جو اُسکو ملی ہے اگر وصی کل جائداد موصی کی اُسکی اولاد نابالغ کے حصہ و ف میں لایا گیا ہو اور اب کچھ



اُمین سے نہ باقی رہا ہو اور بعد اُسکے کوئی شخص اُس جائدا و پردعوے کرے اور اُسکو بیعت کر دے اور قاضی اُسکو ڈکری دے تو سوال یہ ہے کہ آیا یہ دعویٰ وحی کو ذمہ دار قرار دیکھتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ روپیہ قاضی کے حکم سے صرف ہوا تھا تو وحی ذمہ دار نہیں ہے اور اگر قاضی کے حکم سے نہیں ہوا تھا تو وحی اُسکا ذمہ دار ہے۔

مسائل شیعہ ۱۔ وحی متوفی کی جائداد کے نقصان یا ضائع ہونے کا ذمہ دار نہیں ہے مگر یہ کہ وہ نقصان یا تضییع اس وجہ سے ہوئی ہو کہ وحی نے اپنے منصب کے قواعد یا شرائط عدول یا انحراف کیا ہو یا غفلت کی ہو۔ اگر وہ موصی کا قرض خواہ ہے تو بلا حکم حاکم شرع اپنا قرضہ اُسکی جائداد سے لے سکتا ہے بشرطیکہ اسکا ثبوت رکھتا ہو اور بعض علماء کا قول ہے کہ وہ سب صورتوں میں بغیر حکم حاکم شرع کے ایسا کر سکتا ہے۔ شرایع الاسلام میں لکھا ہے کہ وحی متوفی کی جائداد کا کوئی جز خود اپنے لیے نہیں خرید سکتا ہے۔ مگر محقق کے نزدیک وہ اُسکو بقیمت اجبی خرید سکتا ہے۔

شیعہ نے حنفیہ سے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کہ شیعہ کے نزدیک متوفی کے باپ کی موجودگی میں دوسرے شخص کو وحی مقرر کرنا نہیں جائز ہے اور اطفال نابالغ کی ولایت کا حقدار واداء ہے باپ کا وحی نہیں ہے۔ مگر ابن جنید کے نزدیک باپ بقدر ایک ثلث اپنے مال کے اور واسطے عمل میں لانے تمام حقوق و دعاوی کے جو اُسکی جائداد پر ہوں وحی مقرر کر سکتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک وحی کی قابلیت میں اس وقت کو دخل ہے جب وقت موصی نے وفات پائی تھی۔ مثلاً اگر کوئی نابالغ یا غلام وحی مقرر کیا جائے اور موصی کی وفات کے پیشتر بالغ یا آزاد ہو جائے تو یہ تقرر صحیح ہے۔ بعض علماء شیعہ کا علی الخصوص ابن جنید کا بھی یہی قول ہے۔ مگر محقق ابوالقاسم حلی کے نزدیک قول مشہور یہ ہے کہ جو اوصاف وحی میں ہونے چاہئیں انہیں اُسکے وقت تقرر کو دخل نہیں ہے لہذا نابالغ یا غلام یا اور کسی شخص کو



جو وصایت کی قابلیت شرعیہ نہ رکھتا ہو وصی مقرر کرنا ابتدا ہی سے جائز ہے گو وہ عدم قابلیت وصی کی وفات کے قبل دفع ہو گئی ہو۔

وصی ہر شخص کا وصی یا ولی مقرر کر سکتا ہے جس پر وہ اختیار پوری از روئے شرع محمدی عمل میں لاسکتا ہے مثلاً اس لڑکے کا وصی یا ولی مقرر کر سکتا ہے جو اس کی نسل سے ہو گو کیسا ہی بعید ہو بشرطیکہ وہ طفل منغیر یا نابالغ ہو۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی اولاد بالغ و شب کا وصی مقرر کرے تو وہ تقرر شرعاً غیر موثر ہے۔ اور اگرچہ وہ تقرر اس جائداد کی نگرانی کے لیے عمل میں آیا ہو جو خود وصی ان لوگوں کے لیے بطور ترکہ کے چھوڑ گیا ہو تو بھی وہ وصی بقدر ثلث مال بھی اس میں دخل نہیں دے سکتا۔ مگر وہ اس مال میں سے اس قدر علیحدہ کر سکتا ہے جس قدر وصی کا قرضہ یا وصایا ادا کرنے کے لیے کافی ہو۔

ہر شخص کو جس سے کسی یتیم کی جائداد کی نگرانی متعلق ہو جائز ہے کہ اس میں سے اپنا حق المحت بقدر معمولی لے لے۔

**مسائل حنفیہ۔** جب کوئی شخص ایک کام کے لیے مثلاً اپنا قرضہ ادا کرنے کے لیے ایک وصی مقرر کرے اور اپنی جائداد کے انتظام کے واسطے دوسرا وصی مقرر کرے یا یہ الفاظ کہ "میں فلان شخص کو اپنے قرضہ کے لیے وصی مقرر کرتا ہوں اور کسی امر کے لیے نہیں مقرر کرتا ہوں اور فلان شخص کو اپنی تمام جائداد کا وصی مقرر کرتا ہوں" تو امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک وہ دونوں سب مقدمات میں اس طرح وصی ہونے کو یا کہ وصی نے انکو عموماً وصی مقرر کیا تھا مگر امام محمد کے نزدیک ہر ایک وصی اس خاص کام کا پابند ہے جس کام کے لیے وہ مقرر کیا گیا ہے۔ جب یہ خاص شرط کر لی گئی ہو کہ ایک وصی اس کام میں دخل نہ دے جس کے لیے دوسرا وصی مقرر کیا گیا ہے تو محمد بن فضل کا قول ہے کہ اُنکے اختیارات وصی کی وصیت کے موافق محدود ہونگے مگر جب اُس نے ایسی کوئی شرط نہ کی ہو تب یہ اختلاف ہے جس کا ذکر کیا گیا اور فتوے امام اعظم کے قول کے موافق ہے۔



وصایت یعنی منصب وصی کے قابل الانتقال ہونے کے باب میں خفیہ اور شیعہ میں اختلاف عظیم ہے جیسا سابق میں بیان کیا گیا۔ شرع خفی کے احکام اس مسئلہ میں بعض اعتبارات سے قانون انگلستان کے اصول سے مشابہ ہیں۔ مثلاً قانون انگلستان کے بموجب اگرچہ وصی اپنا عہدہ کسی کو نہیں دے سکتا تاہم جو حق اُسکو وصی کی وصیت کی رو سے حاصل ہے وہ اسی وصیت کے بموجب باقی اور قائم بھی رہ سکتا ہے۔ پس اگر زید کا ایک ہی وصی ہو تو اُس وصی کا وصی تمام مقاصد و اغراض کے لیے موصی اول کا وصی اور قائم مقام ہے۔ اسی طرح سے از روئے شرع خفی وصی اپنی وفات کے وقت اپنا جانشین مقرر کر سکتا ہے گو یہ اختیار موصی نے اُسی کے لیے مخصوص رکھا ہو۔ یہ ضرور نہیں ہے کہ وصی اپنے وصی کو اصل موصی کی جائداد کا وصی بال تصریح مقرر کرے بلکہ صرف وصی مقرر کرنے سے اُسکو دونوں کی جائدادوں کے انتظام کا اختیار حاصل ہو جائیگا۔ مثلاً اگر زید عمر کو اپنا وصی اور خالد زید کو اپنا وصی مقرر کرے تو زید اور خالد کے مرنیکے بعد ان دونوں کا وصی عمر ہوگا۔ شیعہ میں قول مشہور یہ ہے کہ وصی اپنا وصی یا جانشین صرف اس صورت میں مقرر کر سکتا ہے جیسا کہ موصی نے اُسکو اجازت دی ہو کہ اپنے مرنے کے وقت میری جائداد کا انتظام دوسرے شخص سے متعلق کر جانا۔ پس جب کوئی شخص بلا تقرر وصی مر جائے یا جب وہ وصی مر جائے جسکو اپنا جانشین مقرر کرنے کی اجازت نہ دی گئی ہو تو اصل موصی کی جائداد کا انتظام حاکم شرع سے متعلق ہو جائیگا۔ اگر اُس مقام پر کوئی حاکم شرع نہ موجود ہو تو ہر ایک مومن کو جیسے میتوفی اعتماد و وثوق رکھتا تھا اُسکے مال کی حفاظت اور انتظام کرنا جائز ہے۔ مگر محقق نے فرمایا ہے کہ اس مسئلہ میں شک

۱۔ بمقدمہ شیخ حفیظ الرحمن بنام خادم حسین یہ تجویز ہوا تھا کہ از روئے شرع محمدی وصی اُسکا مستحق ہے کہ اس وصیت کے مقاصد کی تعمیل کے لیے جسکے بموجب وہ وصی مقرر ہوا تھا کسی کو اپنا جانشین مقرر کرے۔  
 لارپورٹ ممالک مغربی و شمالی جلد ۴ صفحہ ۱۰۶۔ یہ شرع خفی کی رو سے ہے۔ ۱۲ ص ۱۲



اور اختلاف ہے۔

## فصل چہارم

احکام وصیت موافق مذہب شافعی

اختیار وصیت ہر مسلم و غیر مسلم کو بلا امتیاز و کور و اناث حاصل ہے بشرطیکہ بالغ و عاقل ہو اور مجنون یا سفیہ نہ ہو۔ یہ اختیار حربی کو یا اس شخص کو جو بیہوش ہو یا نابالغ کو نہیں حاصل ہے اگرچہ ایک عالم نے فرمایا ہے کہ یہ ممانعت اس نابالغ سے نہیں متعلق ہے جو سن رشد کو پہنچ چکا ہو۔ غلام وصیت نہیں کر سکتا مگر بعض علماء کا قول یہ ہے کہ اگر وصیت کرنے کے بعد وہ آزاد کر دیا گیا ہو اور بلا تجدید وصیت مر گیا ہو تو اسکی وصیت جائز ہے۔

انتقالات بالوصیت جب کسی مقصد عام کے لیے کیے جائیں تو اس مقصد کو جائز و مشروع ہونا چاہیے۔ مثلاً معبد ہو و دفناری کے خرچ کے لیے وصیت کرنا نہیں جائز ہے۔ وصیت ایک شخص یا چند اشخاص کے حق میں کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ شخص یا اشخاص حق ملکیت کو عمل میں لانے کی قابلیت رکھتے ہوں اور جو وصیت جنہیں یعنی اس لڑکے کے باب میں کیجائے جو ہنوز رحم مادر میں ہو اسکا نفاذ دو شرطوں پر موقوف ہے۔ اول یہ کہ وہ بچہ زندہ پیدا ہوا ہو۔ دوسرے یہ کہ اسکا حمل قبل وقوع وصیت رہ چکا ہو اور وصیت کی تاریخ سے چھ مہینہ قبل وہ پیدا ہو چکا ہو۔ اگر وہ چھ مہینہ کے بعد پیدا ہوا ہو تو یہ قیاس کیا جائیگا کہ اسکا حمل قبل وقوع وصیت نہیں رہا تھا بلکہ اگر اسکے والدین نے ہم بستری ہونا نہ ترک کر دیا ہو تو بھی یہی

سلہ جامع الثقات میں قول مختار یہ لکھا ہے کہ جب حاکم شرع سے رجوع کرنا غیر ممکن ہو تو ہر مومن واجب ہے کہ متوفی کی جائداد کا انتظام کرے ۱۱ منہ ۱۲ تصحیح وصیتہ کلی مکلف حر و ان کا کافر اذکن اعجود علیہ بسفہ علی المذہب لاجنون و مغمی علیہ وصی الی آخر ۱۲ منہ



سمجھا جائیگا۔ مگر اسکے خلافت صورت میں حمل زیادہ سے زیادہ چار سال کی سیعاً تک تسلیم ہو سکتا ہے۔ جو وصیت غلام کے حق میں کی ہو وہ اُسکے مالک کے حق میں ہو جائیگی مگر یہ کہ وہ غلام موصی کے وفات کے قبل آزاد کروایا گیا ہو۔ اور اگر اُسکی وفات کے بعد غلام آزاد کیا جائے اور اُس وصیت کو قبول کر لے تو اُسکا نتیجہ اس بات پر موقوف ہے کہ آیا موصی نے قبل وفات موصی قبضہ پایا تھا یا نہیں۔ انتقالات بالوصیت حیوانات کے حق میں مطلقاً باطل ہیں خواہ موصی نے کسی حیوان کو موصی لہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہو خواہ نہ کیا ہو۔ لیکن اگر اُس نے یہ وصیت کی ہو کہ اُس جانور کو خوراک ضروری ہمیشہ دیا جائے تو ایسی وصیت عرفاً جائز ہے۔

مسجد کے خرچ کے لیے کوئی جائداد از روے وصیت چھوڑ جانا جائز ہے بلکہ مسجد کے باب میں صرف وصیت کرنا بھی جائز ہے۔ اور وہ وصیت فقط مسجد کے مصارف کے لیے نہیں سمجھی جائیگی بلکہ مسجد کو مزین و آراستہ کرنا بھی اُس میں داخل سمجھا جائیگا علاوہ برین وصیت کافر کے حق میں خواہ وہ مطیع الاسلام ہو خواہ نہ ہو اور مرتد کے حق میں بھی ہو سکتی ہے اور موصی اپنے قاتل کے حق میں بھی وصیت کر سکتا ہے۔ وصیت وارث کے حق میں صرف برضا مندی دیگر ورثہ نافذ ہو سکتی ہے اور ورثہ کا اذن اُس حالت میں بھی درکار ہے جبکہ وہ اپنے حق وارث سے دست بردار ہو گئے ہوں اور اُس اذن کو چاہیے کہ قبل وفات موصی نہیں بلکہ بعد وفات موصی دیا جائے۔ وہ وصیت جسکا نتیجہ یہ ہو کہ مالک وارث کو اُسکا سهم شرعی موصی کے متروکہ میں بلجائے باطل ہے مگر اُس میں شرعاً کچھ قباحت نہیں ہے کہ کسی وارث کو کوئی خاص چیز از روے وصیت دیدی جائے جسکی قیمت یا مالیت اُسکے سهم شرعی کے برابر ہو۔ صرف اتنا ضرور ہے کہ اس فعل کا اذن اور ورثہ بھی دے دین۔

آدمی کو اس شے یا ذیل کی وصیت کرنا شرعاً جائز ہے۔



- (۱) اُن چیزوں کی منفعت کی جو بامتناہی زمانہ خراب یا ضائع نہ ہو جائیں۔  
 (۲) درخت کے آئندہ میوہ اور حیوان کے آئندہ بچہ وغیرہ کی۔  
 (۳) دو چیزوں میں سے ایک چیز کی جسکو موصیٰ پسند کرے۔  
 (۴) شے نجس کی بشرطیکہ اُسکا استعمال شرعاً حرام نہ ہو مثلاً سگ زراعت یا سگ دربان کی یا اُس شیرہ انگور کی جس سے شراب بنائی نہ منظور ہو۔

جب موصیٰ نے یہ وصیت کی ہو کہ "میرے گتوں میں سے ایک گتہ" تو اُسکے وارث کو اختیار ہے کہ اُسکے گتوں میں سے کوئی گتہ تعمیل وصیت دیدے اور اگر موصیٰ کوئی گتہ نہ رکھتا ہو تو وہ وصیت باطل ہے۔ جو شخص بہت سے گتے رکھتا ہو وہ اُن سب کو یا انہیں سے بعض کو بذریعہ وصیت دے سکتا ہے اگرچہ اُسکے ترکہ میں اکثر گتے ہی ہوں۔ اگر کوئی شخص دو تقارے رکھتا ہو جنہیں سے ایک تقارہ صرف ایک آلہ موسیقی تفریح کے لیے ہو اور دوسرا تقارہ کسی امر مشروع کے لیے ہو مثلاً جہاد یا حجاج کا تقارہ ہو تو جب موصیٰ نے صرف تقارہ کی وصیت کی ہو اور کچھ نہ کہا ہو تو آخر الامر تقارہ مراد لیا جائیگا۔ اور جو تقارہ بطور آلہ موسیقی تفریح کے لیے ہو اُسکی وصیت باطل ہے تا وقتیکہ وہ جہاد میں یا حج میں نہ مشغول ہو سکے۔

### احکام متعلقہ ثلث مال

انتقالات بالوصیت موصیٰ کے ثلث مال سے زائد میں نہیں نافذ ہو سکتے۔ اور جو وصیت اس حکم شرع کے خلاف کی گئی ہو جب ورثہ دعویٰ کریں تو وہ ثلث مال تک گھٹایا جائیگا مگر جب ورثہ راضی ہو جائیں تو وہ وصیت نافذ ہو جائیگی چاہے جو مقدار اُسکی ہو اور ایک عالم کا قول یہ ہے کہ اس صورت میں وصیت اُس وارث یا ورثہ کی جانب سے ہیہ سمجھا جائے گا۔

موصیٰ کی وفات کے دن اور بعض علماء کے نزدیک جس روز اُس نے وصیت کی ہے



اُس روز اُسکی ساری جائداد کو جمع کر کے ثلث وصیتی کمال لیا جائے۔ جو وصایا ثلث مال میں نافذ ہو سکتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) موصی کے مرنے کے بعد عتق رقیات یعنی لونڈی یا غلام آزاد کرنا۔

(۲) وہ اتقالات جنکو موصی برضا و رغبت خود بحالت مرض الموت عمل میں لایا ہو مثل اوقاف اور بیون کے۔

(۳) ادا کرنا دیون شرعی کا۔

اگر ان سب وصایا کا مجموعہ ثلث مال سے زائد ہو تو تخفیف احکام مصرعہ ذیل کے موافق کی جائے۔

اول جب صرف عتق رقیات کی وصیت کی ہو تو قرعہ اندازی کر کے یہ دریافت کرنا چاہیے کہ انہیں سے کون لونڈی یا غلام آزادی سے محروم رکھے جائیں تاکہ وصیت ثلث مال سے تجاوز نہ کرے۔

دوم جب وصیت مختلف امور نیک کی ہو تو تخفیف میں ان سب امور کو شریک کرنا چاہیے۔

سوم جب وصیت میں عتق رقیات اور کارہائے خیر دونوں داخل ہوں تو جو مال وصیتی ہو جو وہ اسکو دو حصوں میں تقسیم کر کے وہی قاعدہ جاری کرنا چاہیے جو صورت اول و دوم میں بیان کیا گیا۔

### مرض الموت

جو شخص ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے خوف ہلاکت ہو وہ اپنی جائداد موجودہ کے ایک ثلث سے زائد میں نہیں وصیت کر سکتا۔ لیکن اگر باوجود قطع امید کے اس شخص بیدار ہی سبچ جائے تو اُسکی وصیت طائل نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص کسی ایسے خفیف مرض میں مبتلا ہو جس سے اندیشہ ہلاکت نہ ہو تو وہ اپنی جائداد کی وصیت بلا قید کر سکتا ہے اور اگر وہ



اُس بیماری سے احیاء نامر جائے تو بھی اُسکے وصایا صحیح و نفاذ پذیر ہیں۔ مگر یہ اُس صورت میں  
 نہ ہوگا جبکہ موت ایک نتیجہ ضروری اُس مرض کا ہو جس میں وہ مبتلا تھا گو وہ مہلک نہ سمجھا جاتا ہو  
 کیونکہ اُس صورت میں وہ اُسکی ہلاکت کا باعث ہو گیا ہے۔ جب اُس مرض کی  
 حقیقت مشتبہ ہو تو دو عادل اور ثقہ عالموں سے استنبواب کیا جائے۔ امراض ذیل  
 شرعاً مہلک ہیں۔ یعنی قولنج۔ ذات الریہ۔ نفث الدم۔ سوء ہضم بعضہ بد ہضم  
 مزمن۔ تپ کمنہ۔ مقدمہ فالج۔ انقلاب معدہ یعنی غذا جیسی کھانا ویسی ہی بعینہ تپ  
 کر دینا۔ تپ مفرط و مو لم اور تپ الدم۔ تپ دائمی یا تپ تویہ۔ حالات ذیل کو علماء نے  
 امراض مہلک کے مشابہ قرار دیا ہے۔ یعنی لڑائی میں اُن کفار کا اسیر ہو جانا جو امان  
 نہ دیتے ہوں۔ فوج منہزم میں ہونا جس پر غنیمت حاصل اور ہو۔ قصاص میں محکوم بہ سزاے موت  
 ہونا یا رجم یعنی سنگسار ہونا۔ طوفان کے عالم یا تلامذہ دریا کی حالت میں جہاز یا کشتی پر ہونا  
 عورت کا شدید دروزہ میں مبتلا ہونا خواہ وہ قبل خواہ بعد ولادت خنین ہو۔  
 وصیت ان صیغوں سے ہوتی ہے۔ میں فلان چیز فلان شخص کے لیے چھوڑتا ہوں یا  
 یہ چیز اُسکو بھیج دوں گا۔ یہ چیز اُسکو میرے مرنے کے بعد دیدیوں گا۔ میں اسکی وصیت  
 کرتا ہوں۔ میرے مرنے کے بعد یہ چیز اُسکی ہو جائیگی۔ لکن اگر یہ کہے کہ یہ چیز اُسکی ہے  
 تو یہ وصیت نہ ہوگی بلکہ اقرار ہوگا۔ برخلاف اُسکے اگر کوئی شخص کہے کہ یہ چیز میرے بعد  
 اُسکی ہے تو یہ وصیت صحیح ہے۔ وصیت ایک اور طریقہ سے بھی ہو سکتی ہے جو ایسا صحیح  
 و واضح تو نہیں ہے مگر موہی کے ارادہ یا مرضی پر دلالت کرتا ہے مثلاً وصیت نامہ تحریر کر کے  
 گواہوں سے تصدیق کرا دیا جائے۔

جو وصیت ایک فرقہ یا گروہ کے حق میں کی جائے اُسکو وصیہ قبول کرنے کی کچھ  
 ضرورت نہیں ہے۔ اور موہی کے مرجانے سے وہ وصیت قابل منسوخی نہیں باقی رہتی  
 لکن جو وصیت ایک یا دو شخصوں کے حق میں کی جائے اُسکو چاہیے کہ حسب طریقہ شرعی



قبول کر لی جائے۔ اقبال وصیت یا انکار وصیت کسی طرح موصی کی حیات میں نہیں ہو سکتا اور دستور بھی یہ نہیں ہے کہ موصی کے مرتے کے ساتھ موصی لہ اسکی وصیت کو قبول کرے۔ موصی لہ کے پیشتر مرجانے سے وصیت باطل ہو جاتی ہے اگر وہ موصی کی وفات کے بعد مگر وصیت کو قبول کرنے کے قبل مرجائے تو وصیت کو قبول کرنے کا حق اُسکے ورثہ کو ملیگا۔ اس مسئلہ میں کہ جائداد وصیتی موصی کا مال کب ہو جاتا ہے بعض علماء کا قول ہے کہ موصی کے مرتے کے ساتھ موصی لہ اس جائداد پر قبضہ کرنے کا شحق ہو جاتا ہے بشرطیکہ اُسنے اُس وصیت کو قبول کر لیا ہو۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ قبول کرنے کے پیشتر وصیت معطل رہتی ہے لیکن اگر موصی لہ نے شکو قبول کر لیا ہو تو موصی کی وفات کے وقت سے قبضہ جائداد فی الواقع وہی ہو جاتا ہے اور اگر اُسنے قبول کیا ہو تو موصی کے ورثہ کا قبضہ نہ سال سمجھا جائیگا یہ تین قول جو منہ سے وصیت کے باب میں مابین وفات موصی قبول موصی لہ بیان کیے ہیں اُس منفعت یا مزدوری پر جو غلام وصیتی نے حاصل کی ہو صادق آتے ہیں اور دیگر مصارف جو اس غلام کے نفقہ یا اُس سے روزہ رکھوانے کے لیے دیئے جائیں انہیں بھی یہی اقوال جاری ہوئے جن علماء کا قول ہے کہ وصیت کو اُس وقت تک معطل رکھنا چاہیے جب تک موصی لہ اسکو قبول یا انکار کرے اُنکے نزدیک بھی موصی لہ کو واجب ہے کہ غلام یا حیوان وصیتی کے کھانے پینے کا سامان چند روز کے لیے کر دے۔

### موصی لہم

اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ میرے گلاؤ سفند میں سے ایک کو سفند سلور و کوئی گلاؤ سفند نہ رکھتا ہو تو یہ وصیت باطل ہو جائیگی۔ لیکن اگر اُسنے یہ وصیت کی ہو کہ میری میراث میں سے ایک کو سفند سلور و اور وہ کوئی کو سفند نہ رکھتا ہو تو ایک بھیر خرید کر موصی لہ کو دیدینی چاہیے۔

جب وصیت اُس بچہ کے حق میں کی جائے جو ہنوز رحم ماور میں ہو اور اُس عورت کو



دو بچے تو ام پیدا ہوں تو وصیت اُن دونوں کو ملے گی اور اگر انہیں سے ایک بچہ زندہ اور دوسرا  
مردہ پیدا ہو تو جو زندہ پیدا ہوا ہے اسی کو وصیت ملیگی۔ لیکن اگر موصی نے یہ بھی کہا ہو  
کہ نہ اگر وہ لڑکا ہوئے دو یا لڑکی ہوئے اور تو ام بچے پیدا ہوں اور انہیں سے ایک لڑکا  
اور ایک لڑکی ہو تو وہ وصیت باطل ہو جائیگی۔ اور اگر موصی نے کہا ہو کہ اگر اس عورت  
کے بطن میں لڑکا ہوئے تو اُس وصیت کا مدعی صرف وہ لڑکا ہو سکتا ہے اُسکے ساتھ لڑکی  
پیدا ہوئی ہے وہ نہیں ہو سکتی۔ اور جو وصیت بالفاظ مذکورہ بالا کی گئی ہو وہ اُستثنائاً  
بھی جائز ہے جبکہ اُس عورت کو تو ام لڑکے پیدا ہوں۔ اس صورت میں وارث کو  
اختیار ہے کہ انہیں سے جس لڑکے کو چاہے مال وصیتی دیدے۔

جو وصیت کسی شخص نے اپنے دو ہمسایوں کے حق میں کی ہو وہ چالیس گھروں پر  
جو چار سمت میں ہوں حاوی ہوگی۔ اور جو وصیت دو علماء کے حق میں کی گئی اُس میں  
سب مفسرین قرآن اور روایات و محدثین اور فقہاء داخل ہیں مگر محض قاریان قرآن  
اور اہل علم اور معبرین روایا یعنی خواب کی تعبیر دینے والے نہیں داخل ہیں اور بعض علماء  
کے نزدیک متکلمین بھی نہیں داخل ہیں۔

جو وصیت فقراء کے حق میں کی گئی ہو اُس میں مساکین بھی داخل ہیں۔ اور بالعکس  
اُسکے دونوں صورتوں میں مال وصیتی کے دو حصے مساوی کر کے ہر ایک فرقہ کو ایک حصہ  
دینا چاہیے بشرطیکہ اُس فرقہ میں اقل مراتب میں شخص ہوں۔ موصی کو اختیار ہے کہ  
اُس قسم کے لوگوں میں سے ایک شخص کو اور دوسرے زیادہ مال از روئے وصیت  
دے جائے۔ اور اگر موصی نے کہا ہو کہ دو فلان شخص اور فقراء کو یا تو علماء و شافعیہ کے  
نزدیک اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اُس شخص کو ہر ایک فقیر سے زیادہ نہ ملے گا گو کتنا ہی کم  
ملے۔ البتہ اُس شخص کو بالکل محروم نہ رکھنا چاہیے۔

آدمی ایک فرقہ یا قوم کے حق میں بلا تعین تعداد بھی وصیت کر سکتا ہے مثلاً



علوین کے حق میں۔ اور ایک قوم کے چند اشخاص معین کے حق میں بھی وصیت کر سکتا  
مثلاً فلان فرقہ کے تین آدمی یا فلان شخص کے اقرباء۔ اس آخر الذکر وصیت میں سب  
اقرباء داخل ہیں گو کیسے ہی بعید ہوں خواہ آباء علوی ہوں خواہ اولاد سفلی بجز ان اقرباء کے  
جو اس شخص سے قربت بلا واسطہ رکھتے ہوں۔ جب وصیت اقرباء کے حق میں کی جائے  
تو عرب اس سے اقرباء پذیر می سمجھیں گے اقرباء مادری نہ سمجھیں گے مگر یہ کہ انکی تصریح  
خاصہ کر دی گئی ہو۔ جس شخص کے اقرباء کے حق میں موصی نے وصیت کی ہے  
انکو دریافت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس شخص کے قریب ترین اجداد میں سے کوئی شخص  
لیکھ اسکی اولاد کو سمجھنا چاہیے کہ موصی کی مراد اقرباء سے یہی لوگ تھے۔ لیکن اگر موصی  
دو قریب ترین اقرباء کا لفظ کہا ہو تو وصیت ان اقرباء کو بھی ملے گی جو اس شخص سے قریب  
بلا واسطہ رکھتے ہوں مگر بیٹے کو باپ پر اور بھائی کو دادا پر ہمیشہ ترجیح دیجائیگی اور انکے سوا  
دو کور وراثت کا امتیاز اس میں شرعاً نہیں رکھا گیا ہے۔ بلکہ باپ اور مان اور بھائی اور  
بہن سب اس وصیت میں یکساں شریک ہونگے اور نواسا بھی پڑوتے پر مقدم  
رکھا جائیگا۔ جو وصیت کسی شخص نے اپنے اقرباء کے حق میں کی ہو اس میں اس کے  
ورثہ شرعی نہیں داخل ہیں۔

### گن چہ نرون کی وصیت ہو سکتی ہے

وصیت غلام کی منفعت اور مکان کی آمدنی اور دوکان کے کرایہ کی ہو سکتی ہے  
اس صورت میں موصی صرف اس غلام کی خدمت ہی سے متمتع نہ ہوگا بلکہ جو ضروری  
اسکو ملے وہ بھی لے گا اور اگر وہ جاریہ ہو اور کسی کے عقد میں ہو تو اسکا مہر بھی لے گا۔ اور  
اگر بیعہ و وصیت کے اندر اس لونڈی یا غلام کو لڑکا پیدا ہو تو اسکا مہر ہو گا اور  
جو اسکی مان کا حال ہے یعنی اسکی منفعت نہ ہو۔  
مگر وارث اسکا وارث رکھتا ہے اور اسکو اسکی پرورش کرنی بھی واجب ہے



اور منفعت دائمی اور غیر دائمی میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ بیع کرنا اُس چیز کو جسکی منفعت کی وصیت  
بقدر ایک ثلث کے ایک سعادتمین تک کی گئی ہو نتیجہ انھیں نتائج کا سبب ہو نتائج  
کرایہ کی چیز کو بیچنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر منفعت دائمی سوائے موصی لہ کے کسی کے  
ہاتھ نہیں فروخت ہو سکتی۔ اگر کسی شخص کو یہ دریافت کرنا منظور ہو کہ آیا مال وصیتی  
ثلث جائز الوصیت سے زیادہ ہے یا نہیں ہے تو غلام کی منفعت دائمی کو قبضہ  
واقعی سے مشابہ کرنا چاہیے اور اگر منفعت غیر دائمی ہو تو غلام کی خدمات کی اجرت  
کو بلحاظ اس مدت کے دریافت کرنا چاہیے جتنی مدت تک اُس کا مالک  
اُسکی خدمات سے محروم رہا ہے۔

آدمی کو جائز ہے کہ اپنے وارث کو یہ وصیت کرے کہ میری طرف سے حج کرنا یا حج کروانا  
اس صورت میں اُس وارث کو واجب ہے کہ سفر حج کا خرچہ اُس مقام سے دے  
جو مقام شرعاً معین ہے مگر یہ کہ موصی نے کسی خاص قصبہ کا نام لیا ہو کہ یہاں سے حج کو  
روانہ ہوں۔ اب رہا حج واجب جسکے بجالانے سے موصی قاصر رہا ہو سو یہ فرض  
اُسکے کل مال سے ادا کیا جائیگا اور اگر موصی نے اپنے وارث کو وصیت کی ہو کہ مصداق  
حج میری کل جائیداد یا اُسکی ثلث جائز الوصیت سے دینا تو اس وصیت کی تعمیل کی جائیگی  
اور اگر موصی نے اس باب میں کچھ وصیت نہ کی ہو تو خرچہ اُس حج واجب کا جسکے  
بجالانے سے موصی قاصر رہا تھا اور جسکے ادا کرنے کی وصیت اُس نے اپنے وارث سے  
کی ہے اُسکی کل جائیداد سے دیا جائیگا اور بعض علماء کے نزدیک ثلث جائز الوصیت سے  
دیا جائیگا مگر بہر صورت یہ خرچہ صرف اُس مقام سے سفر کرنے کا دیا جائیگا جو مقام شرعاً  
مقرر ہے۔ ہر شخص متوفی کی طرف سے حج واجب بجالا سکتا ہے گو اُس نے وصیت  
نہ کی ہو اور گو وہ شخص اُسکے عیال میں نہ داخل ہو۔

وارث کو چاہیے کہ اپنے مورث کی طرف سے کفارہ ہائے واجب بھی دے جسکے



ادا کرنے سے وہ قاصر رہا ہو۔ اور کفارہ پاسے غیر واجب کے باب میں وارث کو اختیار ہے کہ اگر ضرورت ہو تو فقراء کو کھانا یا کپڑا سے یا کچھ غلام بھی آزاد کر سکتا ہے۔ ہر کیف چاہے جس قسم کے کفارے ہوں وارث انکو اپنے پاس سے دے سکتا ہے اگر ترکہ غیر مکتفی ہو اور اسکا یہ فعل متوفی کا فعل سمجھا جائے گا۔ اگر کفارہ کوئی غیر شخص دے جو متوفی کے خاندان میں سے نہ ہو تو وہی شرائط ہیں جو فقراء میں طعام و لباس تقسیم کرنے کے ہیں لیکن اگر کفارہ عتق رقبہ یعنی بردہ آزاد کرنا ہو تو وہ شرائط نہیں ہیں۔ مردہ کی طرف سے خیرات یا نماز خواہ اُسکے ورثہ خواہ غیر لوگ دین یا پڑھیں اُسکا ثواب اُسکی روح کو پہونچتا ہے۔

### تمنیخ و وصیت

وصیت کلاً یا جزئاً منسوخ ہو سکتی ہے اور بطریق ذیل منسوخ ہو سکتی ہے۔  
 (۱) قول سے یعنی مثلاً موصی کہے کہ میں اس وصیت کو منسوخ کرتا ہوں یا باطل کرتا ہوں یا جس چیز کی وصیت میں نے کی ہے وہ میرے ورثہ کا مال ہے۔  
 (۲) اس امر سے کہ موصی نے مال و وصیتی کو بذریعہ بیع یا عتق یا نکاح یا ہبہ یا ہین منتقل کر دیا ہو اور ہبہ اور ہین میں اگر موصی ہبہ یا ہین کا قبضہ بھی نہ ہوا ہو تو بھی وصیت منسوخ ہو جائیگی۔

(۳) پہلی وصیت کے بعد وارث کو دوسری وصیت کرنے سے یا جس چیز کی وصیت پہلے کی تھی اُسکو طرق مذکورہ ضمن میں سے کسی طریقہ سے منتقل کرنے سے۔  
 (۴) شے وصیتی کی فروخت کا حکم دینے سے گو وہ فروخت نہ ہو یا اُس چیز کے ساتھ اور چیزیں ملا دینے سے۔ مثلاً اگر کسی خاص قسم کے گہیوں کی وصیت کی جائے اور آٹھ دس دوسری قسم کا گہیوں ملا دیا جائے تو صرف اتنی ہی بات سے وصیت منسوخ ہو جائیگی اگرچہ جو گہیوں ملا دیا گیا ہے وہ عمدہ قسم کا ہو۔ لیکن اگر وہ گہیوں اسی قسم کا ہو یا اُس سے بدتر ہو تو پہلے گہیوں میں اُسکو ملا دینے سے وصیت منسوخ نہ ہو جائیگی۔ وصیت اس طرح



سے بھی منسوخ ہو جاتی ہے کہ جس گھون کی وصیت کی ہے اُسکو پسواڈالے یا اُسکو اپنے گھیت میں بودے یا اُسکے آٹے کی روٹی پکواے یا جس وئی کی وصیت کی ہے وہ کاتی جائے یا اُسکا کپڑا بنایا جائے یا جس کپڑے کی وصیت کی ہے اُسکا قمیص بنایا جائے یا جس مین کی وصیت کی ہے اُسپر مکان بنایا جائے یا درخت بویا جائے۔

### اوصیاء

شارع اسلام نے اوصیاء مقرر کرنے کا رسم جاری فرمایا ہے کہ وہ موصی کا تئذہ ادا کرین اور اسکی وصیت کی تعمیل کرین اور اُسکے اطفال نابالغ کی حراست کرین۔ موصی کو مسلم اور بالغ و عاقل اور آزاد اور عادل اور لائق اُس کام کے ہونا چاہیے جو اُسکے سپرد کیا گیا ہے۔ جو کافر طبع الاسلام یعنی مسلمان یا دشاہ کی رعیت ہو اُسکو اُسکا ہم مذہب اپنا وصی مقرر کر سکتا ہے اور نابینا ہونا بھی مانع وصایت نہیں ہے۔ وصی کو شرعاً مرد ہونا ضرور نہیں ہے بلکہ اطفال صغیر کی مان کو سمجھنا چاہیے کہ غیر شخص کی نسبت اپنے بچوں کی پرورش و پرداخت کی زیادہ قابلیت رکھتی ہے وصی کو بد معاشی کی علت میں معزول کر دینا چاہیے۔ یہی اصول قاضی پر بھی صادق آتا ہے مگر خلیفہ وقت یا سلطان پر نہیں صادق آتا ہے۔

موصی کا قرضہ ادا کرنے اور اسکی وصیت کی تعمیل کرنے کے لیے وصی مقرر کرنا حق سب مسلمانوں کو دیا گیا ہے جو بالغ و عاقل اور آزاد ہوں مگر وصی سے اطفال نابالغ کی ولایت متعلق کرنے کا حق صرف وہ شخص رکھتا ہے جو انکا ولی شرعی ہو۔ وصی دوسرے شخص کو اپنا وصی نہیں مقرر کر سکتا کہ اُسکے مرنے کے بعد اُسکا قائم مقام مگر یہ کہ یہ اختیار اُسکو اصل موصی نے دیا ہو۔ دو شخصوں کو یکے بعد دیگرے وصی مقرر کرنا شرعاً ممنوع نہیں ہے۔ یہ اسطرح ہو سکتا ہے کہ موصی کسی شخص سے کہے کہ دو مین تمکو اپنا وصی مقرر کرتا ہوں جیتک میرا بیٹا بالغ ہو یا جیتک زید یہاں پہنچے اور پھر اپنے بیٹے کو یہ پانچ



زید اس وصیت کا حامل ہو گا۔ بر خلاف اسے وصی اطفال نابالغ کی حرمت کے لیے ان کے دادا یا ولی شرعی کی حیات میں نہیں مقرر ہو سکتا بشرطیکہ وہ ان کی حفاظت کی قابلیت رکھتا ہو۔ وصی کو یہ اختیار دینا شرعاً ممنوع ہے کہ موصی کے نابالغ بیٹے کا علاج کر دے یا اسکی نابالغ بیٹی کا عفت کر دے۔

وصی ان الفاظ سے مقرر ہو سکتا ہے کہ میں تمکو اپنا وصی مقرر کرتا ہوں یا میں اپنے معاملات تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ اس میں کوئی شرط لگا دینا ممنوع نہیں ہے۔ مگر جو کام وصی سے متعلق کیا ہے اسکی تصریح کر دینی چاہیے کیونکہ اگر سوائے اسکے کہ میں تمکو اپنا وصی مقرر کرتا ہوں اور کچھ نہ کہا ہو تو یہ وصیت باطل ہے مقرر وصی مؤثر نہیں ہے تا وقتیکہ قبول نہ کر لیا جائے اور اس قبول کو چاہیے کہ موصی کی حیات میں واقع ہو۔

اگر موصی نے دو وصی مقرر کیے ہوں تو ان میں سے ایک بے دوسرے کی اعانت کے کام نہیں کر سکتا مگر یہ کہ اسکو یہ اختیار دیا گیا ہو۔ موصی مقرر وصی کو ہر وقت منسوخ کر سکتا ہے اور وصی وصایت قبول کرنے کے بعد بھی استعفاء لے سکتا ہے۔ جب نابالغ حد بلوغ کو پہنچ جائے تو جس وصی سے اسکی حرمت متعلق تھی اسکو چاہیے کہ اپنے عہد کا حساب اسکو سمجھائے اور اگر ان دونوں میں کچھ تنازع ہو اور وہ تنازع اس نابالغ کے نفقہ کے باب میں ہو تو شرعاً وصی کے قول کا اعتبار کیا جائیگا۔ اور اگر تنازع اس رقم کے باب میں ہو جسکو وصی بیان کرے کہ میں نے اس لڑکے کو اسکے بالغ ہونے کے بعد وصی تھی تو شرعاً اس لڑکے کے قول کا اعتبار کیا جائیگا۔ فقط



## ضمیمہ ۱

دو گھوڑے اور آلات حرب کے وقف کے جواز میں اختلاف نہیں ہے اور نہ اس مال منقول کے وقف کے جواز میں اختلاف ہے جو ضمناً وقف کیا گیا ہو یعنی مثلاً اگر انہی وقفی میں شامل ہو جیسے آلات زراعت اور مویشی وغیرہ۔ دیگر اقسام کے مال منقول کے وقف کے جواز میں امام محمد اور امام ابو یوسف میں اختلاف ہے کیونکہ امام ابو یوسف کے نزدیک مال منقول کا وقف ناجائز ہے اور امام محمد کے نزدیک سب اشیاء کا وقف جائز ہے جنکی تجارت یا سباول یعنی لین دین ہوتا ہو اور اسی قول کو اکثر علماء نے اختیار کیا ہے جیسا ہدایہ میں لکھا ہے اور عرصات میں بھی اسی کو قول صحیح لکھا ہے۔ اور طہیریہ میں لکھا ہے کہ دنیاوی معاملات میں قیاس کو کچھ دخل نہیں ہے اور مجتہبی میں سیر سے لکھا ہے کہ امام محمد کے نزدیک جائد و منقولہ کا وقف قطعاً جائز ہے۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک وقف اُن اشیاء کا جنکی تجارت یا داد و ستد ہوتی ہو جائز ہے۔ خلاصہ میں انصاری کے قول کو اختیار کیا ہے اور انصاری امام زفر کے شاگرد تھے۔ اور فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ امام زفر نے انصاری سے اتفاق کیا ہے اور منلاح میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں درہم و دینار وقف کرنے کا دستور بلاد روم میں ہے اور ایسا وقف امام محمد کے اس قول کے تحت میں ہے جس کے موافق فتوے ہیں کہ وہ وقف جملہ اشیاء منقولہ کا جنکا لین دین لوگ کرتے ہوں جائز ہے۔ لہذا درہم و دینار کے وقف کے جواز میں صرف امام زفر کے قول پر بھروسہ کرنا جو انصاری سے منقول ہے کچھ ضرور نہیں ہے اور صاحب بحر الرائق نے بھی یہی فتوے لکھا ہے کہ درہم و دینار وقف کرنا جائز ہے اور اسکے خلاف کوئی قول نہیں نقل کیا ہے۔ اور منلاح میں جو لکھا ہے وہ ربلی کا قول ہے گامے کو اس غرض سے وقف کرنا کہ اس کا دو دو مسافروں کے کام آئے جائز ہے بشرطیکہ ایسے وقف کا دستور ہو۔ انصاری سے جب پوچھا گیا کہ آیا درہم یا وہ اشیاء جو وزن یا پیمانہ ہو سکیں وقف ہو سکتی ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ ہاں ہو سکتی ہیں تب ان سے



پوچھا گیا کہ کس طرح ہو سکتی ہیں تو انھوں نے فرمایا کہ بطور مضاربت کے۔ (مضاربت  
 اُس مشارکت کا نام ہے جس میں ایک شریک روپیہ دے اور دوسرا شریک محنت کرے  
 جو چیزیں وزن یا پیمانہ ہو سکیں انکو پیکڑا تکلیفیت مضاربت یا تجارت وغیرہ میں لگائی  
 جائے یا ردالمحتار۔

## ضمیمہ ۲

در المختار کتاب القضاء میں لکھا ہے کہ خفی مذہب قاضی امام شافعی یا امام مالک  
 کے قول کے موافق فتوے نہیں دیے جاسکتے مگر امام ابو یوسف یا امام محمد کے قول کے موافق  
 فتوے دے سکتا ہے ردالمحتار۔

## ضمیمہ ۳

در ذخیرہ میں شمس الائمہ حلوانی سے منقول ہے کہ کسی شخص نے اُسے ایک مسجد یا خانہ  
 کے باب میں پوچھا کہ وہ برباد پڑا ہوا ہے اور وہاں کوئی شخص نہیں ہے جو اسکو استعمال میں  
 لائے آیا قاضی اُسکے وقف کو دوسری مسجد یا خانہ میں صرف کر سکتا ہے۔ انھوں نے  
 فرمایا ہاں کر سکتا ہے۔ اور یہی بحر الرائق میں قافیہ سے لکھا ہے۔ اور شیخ امام امین الدین ابن  
 عبد الحلل و شیخ امام احمد ابن یونس اشبیلی و شیخ زین ابن نجم اور شیخ محمد الوفا فی ان سب  
 علماء نے بھی یہی فتوے دیے ہیں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مسجد شکستہ کا مصالح دوسری  
 مسجد میں لگایا جائے اور بعض کا قول ہے کہ اسکا مصالح اور اسباب دونوں دوسری مسجد میں  
 صرف ہو سکتا ہے علی الخصوص اس زمانہ میں اس قاعدہ پر عمل کرنا ضرور ہے اسواسلئے کہ  
 اگر مسجد یا اور کسی عمارت وقفی کا مصالح لیجا کر اسی قسم کی دوسری عمارت میں لگائیں  
 تو اسکو چور اور بد معاش اٹھا لیجا یینگے جو ایسے اوقات کی تاک میں رہتے  
 ہیں اور ان کے متولی ان کی آمدنی میں خیانت کرنے میں۔  
 ردالمحتار۔



## ضمیمہ ۲

”عصاف میں لکھا ہے کہ وقت ہمارے سب علماء کے نزدیک جائز ہے یعنی امام عظم ابو حنیفہ اور ان کے دونوں شاگردوں کے نزدیک۔ اصل میں لکھا ہے کہ امام اعظم کے نزدیک وقت واجب العمل نہیں ہے مگر یہ قول صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اختلاف صرف اس میں ہے کہ وقت کب واجب العمل ہو جاتا ہے۔ امام اعظم کے نزدیک جب قاضی حکم دے تب وقت کی تعمیل واجب ہو جاتی ہے یا جب وہ وصیت ہو تب واجب العمل ہوتا ہے۔ مگر صاحبین کے نزدیک وقت بغیر ان امور کے بھی واجب العمل ہے اور یہی قول مجتہع علیہ ہمارے علماء کا ہے اور صحیح ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک صرف لفظ وقت کہہ دینے سے وقت واجب العمل ہو جاتا ہے کیونکہ وقت مثل عتق رقبہ کے مستحب ہے اور فتوے اسی کے موافق دیا جاتا ہے“ رد المحتار۔

## ضمیمہ ۵

(۱) قرابت کے لغوی معنی رشتہ داری ہے مگر رشتہ دار کے معنی میں بھی لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

(۲) قرابت دار اور ذوقرابت کے معنی رشتہ دار کے ہیں۔

(۳) ذوی ذوقا مجبور ہے۔

(۴) ذوی ذوق کی جمع ہے۔

(۵) اقرباء قریب کی جمع ہے بمعنی رشتہ دار۔

(۶) ارحام رحم کی جمع ہے جسکے لغوی معنی بچہ دان کے ہیں اور اصطلاح فقہاء میں

ذوی الارحام کے معنی اقرباء مادری ہیں۔

(۷) فقیر اور مسکین مراد ہے بمعنی لفظ ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ فقیر وہ شخص ہے

جسکے پاس قتنا مال ہو جو نصاب شرعی سے زیادہ نہ ہو اور مسکین وہ ہے جو کچھ مال یا مکان



## ضمیمہ ۶

مذہب شیعہ میں یہ ہے کہ جب وصیت متقدمہ و اشخاص یا ایک قوم کے حق میں کی ہو تو مال وصیتی ان سب میں برابر تقسیم کیا جائے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنی اولاد کے حق میں وصیت کرے اور انہیں سے بعض کو اور بعض اناث ہوں تو مال وصیتی ان سب میں بلا امتیاز کو کو رو اناث برابر تقسیم کیا جائیگا۔ اور یہی اس صورت میں بھی ہوگا جبکہ وصیت چچاؤں اور بھوپھوں یا ماموؤں اور خالوؤں یا دونوں کے حق میں اکٹھا کی ہو۔ اور اگر موصی نے ایک موصی لہ کو دوسرے سے زیادہ دیا ہو تو اسکی وصیت پر عمل کرنا واجب ہے۔

مذہب حنفی میں موصی کی حیات میں موصی لہ کے مرجعانے سے وصیت باطل ہو جاتی ہے مگر مذہب شیعہ میں ایسا نہیں ہے یعنی اگر موصی نے اس وصیت کو نہیں منسوخ کیا ہے تو موصی لہ کے مرجعانے سے نہیں باطل ہو جاتی بلکہ اس کے ورثہ کو پہنچتی ہے اور اگر اسکا کوئی وارث نہ ہو تو موصی کے ورثہ پر عود کرے گی۔ جامع الشتات و شریع الاسلام

## ضمیمہ ۷

مذہب شیعہ میں کوئی چیز ضبط ہو کر بیت المال میں نہیں داخل ہو سکتی جیسا جامع الشتات میں لکھا ہے کہ بیت المال کا مقصود ہمارے نزدیک مذموم و مکروہ ہے۔

مقدمین علماء حنفیہ کے نزدیک یہ تھا کہ جب کوئی شخص ایک خاص وارث چھوڑ کر مرجعے اور وہ ایک خاص حصہ اپنے مورث کے ترکہ میں پائے اور باقی روپا یا نیکاستحق نہ ہو تو وہ باقی بیت المال میں داخل کیا جائے گا۔ اور اگر کوئی موصی لہ ہے تو اسکو وہ باقی ملیگا۔ مگر متاخرین علماء حنفیہ اور قضات حنفی کے فیصلوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی وارث موجود ہو تو بیت المال کا کچھ حق نہیں ہے پس اگر کوئی شخص ایک وجہ چھوڑ کر مرجعے اور اپنی نصف جائیداد کی وصیت زید کے حق میں کر جائے تو زید کا حصہ



دیکر اور وصیت ادا کر کے جو ایک سُدس باقی رہے گا وہ بھی زوجہ کو دیا جائے گا۔

### ضمیمہ ۸

امام ابو یوسف کے نزدیک درہم و دینار میں داخل ہیں۔ پس اگر موسیٰ ہزار درہم کسی کے لیے از روے وصیت چھوڑ جائے اور اسکی جائداد میں نقد و جنس اور قرضہ بھی ہو تو موسیٰ اپنے ہزار درہم اُس جائداد کے ایک ثلث سے پایگا۔ لکن اگر وہ ثلث ادا وصیت کو کافی نہ ہو تو بقدر وہ قرضہ وصول ہوتا جائے گا موسیٰ لہ کو دیا جائیگا یہاں تک کہ کل وصیت ادا ہو جائے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اُس جائداد میں نقدی داخل ہے اور اثاث البیت اور پوشاک اور زیور وغیرہ جو متونی نے چھوڑا ہو وہ نہیں داخل ہے۔ پس وہ ہزار درہم اُن درہم و دینار کے ایک ثلث میں سے دیئے جائیں گے جو متونی چھوڑ گیا ہے اور اگر وہ غیر ملکی ہوں تو جب اُس کا قرضہ وصول ہو گا تو اُس کے ایک ثلث میں سے دیئے جائیں گے۔ رد المحتار صفحہ ۶۶۰ - ۱۲۱ سنہ

### ضمیمہ ۹

در باب اُس متولی کے جو عموماً مقرر کیا گیا ہو لفظ عموماً کے معنی انفع الوسائل میں یہ لکھے ہیں کہ جب وقف ایک متولی مقرر کر کے اُس کو اپنا قائم مقام اور جانشین کر دے اور اُس کو اجازت دے کہ اس وقف کو جسکے سیر و چارے کرے تو وہ متونی اُس وقف کو بحالت صحت نفس یا مرض الموت کے عالم میں منتقل کر سکتا ہے۔ رد المحتار صفحہ ۶۳۹۔

### ضمیمہ ۱۰

وقف ثابت ہو سکتا ہے بے اسکے کہ کوئی شہادت واقف کے قول کی نسبت پیش کی جائے امام ابو یوسف کا یہی قول ہے اور اُسکو علماء بلخ نے مثل ابو جعفر وغیرہ کے اختیار کیا ہے خیر یہ میں لکھا ہے کہ جب کوئی پُرانا وقف مشہور ہو اور اُس کا واقف مجہول ہو اور کوئی شیر آدمی اُس پر قبضہ کرے تو قول مشہور یہ ہے کہ متولی اپنے دعوے کو دو گواہوں کی گواہی سے



ثابت کر سکتا ہے اور یہی قول جامع الفصولین میں اختیار کیا گیا ہے۔ رد المحتار صفحہ ۶۲۵۔  
ضمیمہ ۱۱

ایک شخص دو اطفال صغیر چھوڑ کر مر جائے اور وہ دونوں جب بالغ ہو جائیں تو اپنی میراث وصی سے طلب کریں اور وصی کہے کہ تمہارے باپ نے ہمگی ہزار درہم چھوڑے تھے وہ تمہارے صرف میں آچکے اور ایک بیٹا وصی کے اس قول کی تصدیق اور دو ستر تکذیب کرے تو جو تکذیب کرتا ہے وہ امام زفر کے نزدیک ۲۵۰ درہم اپنے بھائی سے جنتی تصدیق کی ہے وصول کرے گا وصی سے کچھ پائیگا اور یہی قول امام اعظم ابو حنیفہ کا بھی ہے۔ مگر ابن ابی مالک نے امام ابو یوسف سے نقل کیا ہے کہ وہ وصی سے اس رقم کو وصول کر سکتا ہے محیط حسنی میں یہی لکھا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۲۲۱۔

اگر کوئی شخص اطفال صغیر اور باپ چھوڑ کر مر جائے اور کوئی وصی نہ مقرر کر جائے تو باپ بمنزلہ وصی کے ترکہ کی حفاظت کے لیے ہے۔ (فی حفظ التركة) اور سطح چاہے اس جائداد میں تصرف کر سکتا ہے (و یتصرف فیہا ای تصرف کان) اور اگر مستوفی نے بہت سا قرضہ چھوڑا ہو (دین کشیں) تو اس کا باپ یعنی ان لوگوں کا دادا اسکی جائداد کو قرضہ ادا کرنے کے لیے بیٹا لے کر مجاز نہیں ہے۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص اپنے اس بیٹے کو جو قریب البلوغ اور رشید ہو (صغیر الماہق) بیع و شرا کی اجازت دے اور وہ کوئی معاملہ کرے اور مقروض ہو جائے اور پھر مر جائے اور اپنے باپ کو چھوڑ جائے تو باپ اس کا قرضہ ادا کرنے کے لیے اسکی جائداد میں تصرف کرنے کا نہیں مجاز ہے۔ فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۲۲۵۔

کوئی شخص مقروض ہو اور چند وصیتیں کرے اور وہ سب وصیتیں اس کا قرضہ ادا کرنے کے بعد اس کے ثلث مال سے ادا ہو سکیں اور وہ شخص ایک مکان چھوڑ کر مر جائے اور وصی بغیر اس مکان کی قیمت کے اس کا قرضہ اور وصیتیں نہ ادا کر سکے مگر ورثہ۔



اُس مکان کو بیچے پر نہ رہی ہوں اور وہ قرضہ اتنا نہ ہو کہ وہ سارا مکان یا اس کا ایک حصہ  
 اُس میں مستغرق ہو جائے بلکہ قرضہ ادا کرنے کے بعد کچھ اُس میں سے بچ رہے تو اس صورت  
 میں وہی اس مکان کو بیچ سکتا ہے اور اُس کو بیچنا چاہیے جب وہی کو معلوم ہو کہ اگر  
 یہ مکان نہ بیچا جائیگا تو قرضہ مدت مدید تک نہ ادا ہو سکے گا۔ فتاوا سے عالمگیری صفحہ ۲۲  
 ضمیمہ ۱۲

علماء شیعہ میں سے ابن زہرہ حلی صاحب غنیہ اور شیخ ابو جعفر طوسی رحم صاحب بسوط  
 اور شیخ محمد ابن اور لیس حلی صاحب سر اثر اور شیخ ترضی علم الہدی نے بعض مسائل شرعیہ میں  
 محقق ابوالقاسم حلی صاحب شریع الاسلام سے اختلاف کیا ہے۔ ایک مسئلہ اختلافی  
 یہ ہے کہ آیا ابراہیم قبول شرط سے یعنی جب قرضخواہ اپنا قرضہ معاف کر دے تو آیا قرضہ کو  
 اُس کا قبول کر لینا ضرور ہے محقق کے نزدیک قرضدار کا قبول کر لینا جواز ابراہیم کی شرط  
 نہیں ہے جیسا سابق میں بیان کیا گیا۔ مگر علماء مذکورین کے نزدیک ابراہیم بھی  
 جبہ کی طرح قبول شرط ہے۔

## ضمیمہ ۱۳

یہ مسئلہ کہ آیا باپ یا وصی نابالغ کے مال کو رہن رکھ سکتا ہے یا مستعار و لیسکتا ہے  
 یا نہیں ایسا اہم ہے کہ فتاوا سے قاضی خان کی عبارت کا ترجمہ لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے  
 وہ ہونڈا وصی یتیم کی جائداد کو مستعار نہیں دے سکتا اور اگر ایسا کرے تو اس کا ذمہ دار ہوگا۔  
 مگر قاضی کو اس کے مستعار دینے کا اختیار ہے۔ باپ کے بارے میں اختلاف ہے۔ قول  
 صحیح یہ ہے کہ باپ مثل وصی کے ہے قاضی کے مانند نہیں ہے۔ اگر وصی نابالغ کی جائداد سے  
 خود قرض لے تو نہیں جائز ہے اور یہ دین اُس پر باقی رہیگا۔ امام محمد سے منقول ہے کہ امام عظیم  
 کے نزدیک وصی کو نابالغ کی جائداد سے قرض لینا نہیں جائز ہے مگر پھر امام محمد نے فرمایا ہے  
 کہ اگر وصی ایسا کرے اور اُس قرضہ کو ادا کر سکے تو اس کا یہ فعل گناہ نہیں ہے۔ اگر وصی باپ



اپنا قرضہ ادا کرنے کے لیے نابالغ کی جائداد کو رہن رکھے تو اصول قیاس کے بموجب ناجائز  
مگر اصول استحسان کے موافق جائز ہے۔ اور امام ابو یوسف سے منقول کہ آنھوں نے  
اصول قیاس کو اختیار کیا ہے۔ اگر وصی اپنا ذاتی قرضہ نابالغ کے مال سے ادا کرے  
تو نہیں جائز ہے لکن اگر باپ ایسا کرے تو جائز ہے کیونکہ وصی نابالغ کی جائداد کو معمولی  
قیمت پر خریدنے کا مجاز نہیں ہے مگر باپ مجاز ہے۔ اور رہن مثل قرضہ کے ہے لہذا  
باپ اپنا قرضہ نابالغ کے مال سے ادا کر سکتا ہے مگر وصی ایسا نہیں کر سکتا۔

یہی حال رہن کا ہے۔ چنانچہ جامع الصغیر میں لکھا ہے کہ جب باپ اپنا قرضہ  
ادا کرنے کے لیے اپنی نابالغ اولاد کی جائداد کو رہن رکھے اور جائداد مروونہ کی قیمت اُس  
قرضہ سے زیادہ ہو اور وہ جائداد مرہن پاس گم یا ضائع ہو جائے تو باپ اُس قرضہ کی  
مقدار کا ذمہ دار ہو گا جو اُس نے ادا کیا ہے اور اُس چیز کی قیمت کا ذمہ دار نہ ہو گا۔  
مگر شمس المائتہ سرخسی نے فرمایا ہے کہ باپ اور وصی اُس جائداد مروونہ کی قیمت کے  
ذمہ دار بدرجہ مساوی ہیں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک چونکہ باپ اور وصی دونوں  
اپنا قرضہ نابالغ کی جائداد سے نہیں ادا کر سکتے لہذا اپنا قرضہ لو ادا کرنے کے لیے پہلی جائداد  
کو رہن بھی نہیں کر سکتے۔ اور بشر اس ولید نے فرمایا ہے کہ باپ کو اپنا ذاتی قرضہ ادا کرنے  
کے لیے اپنی اولاد کی جائداد کو رہن لکھنا نہیں جائز ہے۔ یہ عموماً تسلیم کر لیا گیا ہے کہ باپ یا وصی  
شرعاً نہیں کہہ سکتا ہے مگر قیاساً نہیں کہہ سکتا۔ اور جب جائداد مروونہ تلف ہو جائے  
تو وہ دونوں اُسکی قیمت کے ذمہ دار ہیں۔ فتاویٰ قاضی خان صفحہ ۶۳۴۔

## ضمیمہ ۱۴

اگر وصی موصی کی جائداد کو اُسکا قرضہ ادا کرنے کے لیے فروخت کر ڈالے اور وہ قرضہ  
کل جائداد پر حاوی نہ ہو تو امام اعظم کے نزدیک ایسی بیع جائز ہے مگر صاحبین کے  
تذریک ناجائز ہے۔ اگر موصی کی جائداد مقروض نہ ہو اور اُسکے ورثہ نابالغ ہوں اور



قاضی کل جائداد کو بیچ دے تو امام اعظم کے نزدیک وہ بیع نافذ ہو جائیگی۔ انھوں نے وصی اور باپ کے اختیارات میں یہ فرق رکھا ہے کہ وصی ہوصی کا قرضہ ادا کرنے کے لیے اور اسکے وصایا کو نافذ کرنے کے واسطے اسکے ترکہ کو بیچ سکتا ہے اور وصی کا باپ یعنی اسکے لڑکوں کا دادا اپنے بیٹے کے نفقہ کے لیے ترکہ بیچ سکتا ہے (ان یبیع التركة لولدہ) مگر اسکو یہ اختیار نہیں ہے کہ ان اطفال نابالغ کے ذمہ جو قرضہ ہو اسکو ادا کرنے کے لیے اپنے بیٹے یعنی انکے باپ کی جائداد کو بیچ دے۔ لیس لہ ان یبیع التركة لقضاء الدین علی الولد الصغیر لولدہ) شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا ہے کہ خصاف میں یہی لکھا ہے۔ مگر امام محمد نے دادا کو باپ کا قائم مقام گردانا ہے۔ مختصر القدوری میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے باپ اور ایک وصی کو چھوڑ کر مر جائے تو وصی باپ پر ترجیح رکھتا ہے۔ اگر کوئی وصی نہ ہو تو متوفی کے جائداد کے انتظام میں اسکا باپ ترجیح رکھتا ہے۔ قس علی ہذا یہاں تک کہ دادا کے وصی کی نوبت آئے اسکے بعد وہ وصی ہے جسکو قاضی نے مقرر کیا ہو۔ شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا ہے کہ فتوئے اس قول کے موافق ہے جو خصاف میں لکھا ہے۔

اگر نابالغ کا باپ مسرت ہو اور اسکے مال کو اڑا ڈالے تو وہ اپنی اولاد کے مال کی ولایت کا مستحق نہیں ہے۔

شمس الائمہ حلوائی نے امام ابو یوسف کی آداب القاضی کی شرح میں لکھا ہے کہ جب قاضی کسی یتیم کا وصی مقرر کرے تو وہ وصی مثل اسکے ہوگا کہ اسکو اس یتیم کے باپ نے مقرر کیا ہے اگر اسکو قاضی نے عموماً سب امور میں وصی مقرر کیا ہو لیکن اگر وہ کسی خاص مقدمہ میں وصی مقرر کیا گیا ہے تو صرف اسی مقدمہ میں وصی ہوگا۔ مگر یہ حکم اس وصی کا نہیں ہے جسکو اس لڑکے کے باپ نے مقرر کیا ہو جب وہ وصی جسکو متوفی نے مقرر کیا ہے لائق اور عادل ہو (عدلاً کاف) تو قاضی کو اسے معزول کرنا نہیں



مناسب ہے۔ لایہ بھی لکھیں مگر اگر وہ عادل نہ ہو تو اسکو معزول کر کے دوسرے شخص کو  
 وصی مقرر کرے اور اگر وہ عادل ہو لیکن لائق نہ ہو اور لوکان حد کا غیر گاہق تو قاضی  
 اسکو معزول نہیں کر سکتا بلکہ اسکو چاہیے کہ اس کے ساتھ کسی لائق منتظم کو شریک  
 کر دے۔ تاہم اگر قاضی اسکو معزول کر دے تو وہ برخاست ہو جائیگا اسی طرح سے  
 اگر قاضی اس وصی کو معزول کر دے جو لائق بھی ہو اور عادل بھی ہو تو بھی وہ موقوف  
 ہو جائیگا شیخ الامام معروف بہ خواہر زاوہ نے یہی فرمایا ہے۔ مگر حین علما نے  
 یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر قاضی لائق اور عادل وصی کو معزول کرے تو اسکا حکم  
 غیر موثر ہے کیونکہ اسکو یہ اختیار متوفی سے حاصل ہوا ہے لہذا وہ وصی  
 اس وصی پر ترجیح رکھتا ہے جسکو قاضی مقرر کرے۔ اور قدوری نے فرمایا ہے  
 کہ جس وصی کو متوفی نے مقرر کیا ہو اسکو قاضی نہیں موقوف کر سکتا اس کے ساتھ  
 کسی کو شریک کر سکتا ہے مگر یہ کہ وہ خائن یا فاسق مشہور ہو اور لوکان فاسقا  
 معروفا بالشیخ ایسی صورت میں قاضی اسکو معزول کر کے دوسرے شخص کو اس کے  
 مقام پر وصی مقرر کر سکتا ہے اور اگر وہ عادل ہو مگر نا لائق ہو تو قاضی اس کے ساتھ  
 دوسرے شخص کو شریک کر سکتا ہے۔ اصل اور اسکی شرح طحاوی میں ہی  
 لکھا ہے۔ مگر یہ نہیں لکھا ہے کہ اگر قاضی عادل اور لائق وصی کو معزول کرے  
 تو آیا اسکا حکم معزولی نافذ ہو گا یا نہ ہو گا۔ شیخ امام ابو بکر محمد ابن الفضل نے فرمایا  
 کہ جب وصی ہو وصی کے وصایا کی تعمیل نہ کر سکے تو اسکو معزول کر دینا چاہیے۔  
 وصی کو سب وہ افعال کرنا جائز ہے جن سے یتیم کا فائدہ متصور ہو اور اسی  
 طرح سے اسکا باپ بھی مجاز ہے۔ فتاویٰ قاضی خان صفحہ ۱۰۶۔



## خلاصہ نظائر

باب

بمقدمہ یوسف علی بنام صاحب کلکٹر ٹبراندین لارپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۹  
 صفحہ ۱۳۰) یہ تجویز کیا گیا کہ یہہ کا نفاذ از روئے شرع محمدی زمانہ آئندہ پر موقوف  
 نہیں ہو سکتا گو وہ زمانہ کیسا ہی محدود و معین ہو۔  
 ذمہ داری ورثہ کی

مسلمان کے ورثہ کی ذمہ داری اپنے مورث کا قرضہ ادا کرنے کی اور قرضہ  
 ادا کرنے کے پیشتر اس کا ترکہ تقسیم کر لینے کا حق ان دونوں باتوں پر مقدمات فیل میں  
 بحث کی گئی ہے۔ خواجہ ہدایت اللہ بنام ریجن خانم دمورس انڈین ایپلیس جلد ۳  
 صفحہ ۲۹۵) عصمت النسابی بی بنام رائے چھپو پت سنگھ (انڈین لارپورٹ سلسلہ کلکتہ  
 جلد ۴ صفحہ ۱۷۲) موٹی جان بنام احمد علی (انڈین لارپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۴ صفحہ ۳۶)  
 سیتا ناتھ داس بنام رائے چھپو پت سنگھ (انڈین لارپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۴ صفحہ ۲۶۸)

## شرع محمدی

بمقدمہ حکیم خان بنام گل خان تجویز ہوا کہ کوئی رسم و رواج جو شرع محمدی کے  
 خلاف ہو مسلمانوں سے نہیں متعلق ہو سکتا (انڈین لارپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۸  
 صفحہ ۸۲۶)

## بیع کرنا وصی یا ولی کا

بمقدمہ حسینی بیگم بنام ضیاء النساء بیگم (انڈین لارپورٹ سلسلہ بمبئی جلد ۴ صفحہ  
 ۴۶۷) تجویز ہوا کہ بھائی جو اپنے نابالغ بھائی کا ولی ہوا اسکی جائداد کو بلا منظوری  
 حاکم وقت از روئے شرع محمدی نہیں فروخت کر سکتا۔ مگر ایسی منظوری سے  
 وہ انتہا ال جوڑے بھائی نے بحیثیت ولی کیا ہو جائز ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ معاملہ



ایسا ہو جسکو ولی بالغ ورشید از روئے شرع محمدی کر سکتا ہے۔

## وصیت نامہ

بمقدمہ فاطمہ بی بی بنام عارف اسماعیل جی (انڈین لارپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۹ صفحہ ۲۶۶) ولسن صاحب جسٹس نے تجویز کیا کہ جب کسی امیر کی وصیت در صورت عدم رضامندی ورثہ کیجائے تو چونکہ وصیت بحق اولاد بوجہ نارضامندی دیگر ورثہ ناجائز ہے لہذا وصیت اُس امیر خیر کی بھی ناجائز ہوئی۔

نیز بمقدمہ فاطمہ بی بی بنام شیخ عیسیٰ (انڈین لارپورٹ سلسلہ ممبئی جلد ۱ صفحہ ۲۶۶) ویسٹ صاحب جسٹس نے تجویز فرمایا کہ چونکہ ایکٹ ۵۸۱ء ع پس ہو چکا ہے لہذا مسلمان کا وصی اپنے موصی کی جائداد میں قائم مقامی کا دعوے نہیں کر سکتا تا وقتیکہ اُس نے پروبیٹ نہ حاصل کیا ہو۔

نیز بمقدمہ شاہزادہ میرزا سلیمان قدر بنام داراب علیخان (انڈین اپیلیس جلد ۸ صفحہ ۱۱۷) اس امر پر مفصل بحث کی گئی کہ آیا وہ کلمات جو موصی نے استعمال کیے ہیں بمنزلہ وصیت مطلق کے ہیں یا صرف دعائیہ ہیں فقط۔

Sr. Mohammed Umar.



















**ALLAMA  
IQBAL LIBRARY**

**UNIVERSITY OF KASHMIR**

**HELP TO KEEP THIS BOOK  
FRESH AND CLEAN**